

ضعیف حدیث کی شرعی حیثیت

ضعیف حدیث کے بارے میں جمہور محدثین کی آراء، اُن کا تعامل، احکام و فضائل میں بیان کرنے کی شرعی حیثیت، تحقیق کے نام پر ضعیف حدیث کے بارے میں پیدا کردہ شبہات و منفی رویوں کا تنقیدی جائزہ

مؤلف: محمد انور کوہستانی

فاضل و متخصّص فی الحدیث
جامعہ فاروقیہ شاہ فیصل کالونی کراچی



دارالعلوم
ہاqqانیا



فہرست مضامین

3	انتساب	1
26	تقریظ شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان صاحب	2
27	تقریظ حضرت مولانا محمد منظور مینگل صاحب	3
29	تقریظ حضرت مولانا عبد الماجد صاحب	4
33	مقدمہ از مؤلف	5
37	کتاب و موضوع کا خاکہ	6
41	تمہید	7
41	حدیث کی تعریف	8
41	حدیث کی لغوی تعریف	9
41	کلام الہی میں لفظ حدیث کا استعمال	10
42	کلام نبوی میں لفظ حدیث کا استعمال	11
43	حدیث کی اصطلاحی تعریف	12
43	حافظ ابن حجر رحمہ اللہ، علامہ سخاوی رحمہ اللہ، ملا علی قاری رحمہ اللہ، علامہ طیبی رحمہ اللہ سے اس کے حوالہ جات	13
46	کیا صحابہ اور تابعین کے آثار بھی حدیث ہیں؟	14
48	حدیث کا وجہ تسمیہ، وجہ تسمیہ کے بارے میں ارباب فن کی آراء	15
50	حافظ ابن حجر، علامہ سیوطی، علامہ شبیر احمد عثمانی کی عبارتیں	16
51	خبر کی تعریف	17

51	خبر و حدیث میں فرق	18
51	خبر کی لغوی تعریف	19
51	خبر کی اصطلاحی تعریف	20
51	اثر کی تعریف	21
51	حدیث و اثر میں فرق	22
51	اثر کی لغوی تعریف	23
52	اثر کی اصطلاحی تعریف	24
57	سنت کی تعریف	25
57	حدیث و سنت میں فرق	26
57	سنت کی لغوی تعریف	27
58	سنت کی اصطلاحی تعریف	28
59	سنت قولی	29
60	سنت فعلی	30
60	سنت تقریری	31
60	سنت کے معنی و مفہوم میں علماء کا اختلاف	32
60	سنت کی تشریح حضرات محدثین کے نزدیک	33
61	سنت کی تشریح حضرات اصولیین کے نزدیک	34
61	سنت کی تشریح حضرات فقہاء کے نزدیک	35
62	لفظ سنت کی تشریح	36
64	باب اوّل	37

64	حدیث ضعیف اور اسباب ضعف	38
64	تمہید	39
65	ضعیف حدیث	40
65	حدیث ضعیف کی تعریف	41
65	حدیث صحیح و حدیث حسن کی شرائط	42
66	فصل اوّل: اتصال سند کے نہ ہونے کے سبب ضعف کا واقع ہونا	43
66	انقطاع کی اقسام	44
66	انقطاع ظاہری	45
66	انقطاع خفی	46
67	انقطاع ظاہری کے لحاظ سے ضعیف حدیث کی تقسیم (۱) معلق (۲) مرسل (۳) منقطع (۴) معضل	47
67	(۱) حدیث معلق	48
67	حدیث معلق کی تعریف اور حکم	49
67	حدیث معلق کی مثال	50
67	حدیث معلق کی اقسام	51
68	حدیث معلق کا حکم	52
71	(۲) حدیث مرسل	53
71	حدیث مرسل کی تعریف اور حکم	54
71	حدیث مرسل کی مثال	55
71	حدیث مرسل کا حکم	56

72	(۳) حدیث منقطع	57
72	حدیث منقطع کی تعریف اور حکم	58
73	حدیث منقطع کی مثال	59
74	حدیث منقطع کا حکم	60
74	(۲) حدیث معضل	61
74	حدیث معضل کی تعریف اور حکم	62
74	حدیث معضل کی مثال	63
75	حدیث معضل کا حکم	64
75	انقطاع خفی کے اعتبار سے ضعیف حدیث کی تقسیم: (۱) مدلس (۲) مرسل خفی	65
75	(۱) حدیث مدلس	66
75	حدیث مدلس کی تعریف اور حکم	67
75	تدلیس کی قسمیں: (۱) تدلیس الاسناد (۲) تدلیس الشیوخ	68
75	(۱) تدلیس الاسناد	69
76	تدلیس الاسناد کی مثال	70
76	تدلیس الاسناد کی قسمیں	71
76	(۱) تدلیس الحذف والاستقاط	72
76	(۲) تدلیس القطع والاقطاف	73
76	(۳) تدلیس باستقاط اداة الروایة	74
77	(۴) تدلیس العطف	75

77	(۵) تذلیس الترویہ	76
77	تذلیس الاسناد کی مثال	77
75	تذلیس الاسناد کا حکم	78
78	(۲) تذلیس الشیوخ	79
78	تذلیس الشیوخ کی دو قسمیں (۱) تذلیس الشیوخ (۲) تذلیس الاماکن	80
79	(۱) تذلیس الشیوخ	81
79	تذلیس الشیوخ کی مثال	82
79	(۲) تذلیس الاماکن	83
80	تذلیس الاماکن کا حکم	84
80	(۲) حدیث مرسل خفی	85
80	حدیث مرسل خفی کی تعریف	86
80	حدیث مرسل خفی کی مثال	87
81	حدیث مرسل خفی کا حکم	88
81	حدیث مدلس اور حدیث مرسل خفی کے درمیان فرق	89
82	فصل دوم: راوی پر کلام ہونے کے سبب ضعف کا واقع ہونا	90
82	تمہید: موضوع کو چھوڑ کر باقی اسباب کا ذکر	91
82	(۱) حدیث متروک	92
82	حدیث متروک کی تعریف اور حکم	93
82	حدیث متروک کی مثال	94
83	حدیث متروک کا حکم	95

83	(۲) حدیث منکر	96
83	حدیث منکر کی تعریف	97
83	حدیث منکر کی مثال	98
85	حدیث منکر کا حکم	99
86	(۳) حدیث معلل	100
86	حدیث معلل کی تعریف	101
86	حدیث معلل کی اقسام	102
86	(۱) معلل سنداً	103
86	(۲) معلل متناً	104
86	معلل سنداً کی تعریف اور مثال	105
87	معلل متناً کی مثال	106
87	(۴) حدیث مدرج	107
87	حدیث مدرج کی تعریف اور حکم	108
87	حدیث مدرج کی اقسام	109
87	(۱) مدرج الاسناد	110
88	مدرج الاسناد کی مثال	111
89	(۲) مدرج الہمتن	112
89	مدرج الہمتن کی اقسام	113
90	حدیث مدرج کا حکم	114
90	(۵) حدیث مقلوب	115

91	حدیث مقلوب کی تعریف اور حکم	116
91	حدیث مقلوب کی اقسام	117
91	(۱) مقلوب السند	118
91	مقلوب السند کی مثال	119
91	(۲) مقلوب المتن	120
92	مقلوب المتن کی مثال	121
92	حدیث مقلوب کا حکم	122
92	(۶) المزید فی متصل الاسانید	123
92	المزید فی متصل الاسانید حدیث کی تعریف	124
93	المزید فی متصل الاسانید حدیث کی مثال	125
94	(۷) حدیث مضطرب	126
94	حدیث مضطرب کی تعریف اور حکم	127
94	حدیث مضطرب کی اقسام	128
94	(۱) مضطرب السند	129
94	مضطرب السند کی مثال	130
95	(۲) مضطرب المتن	131
95	مضطرب المتن کی مثال	132
95	حدیث مضطرب کا حکم	133
96	(۸) حدیث مصحف	134
96	حدیث مصحف کی تعریف	135

96	136	حدیث مصحف کی اقسام
96	137	(۱) مصحف فی السند
96	138	مصحف فی السند کی مثال
96	139	(۲) مصحف فی المتن
97	140	مصحف فی المتن کی مثال
97	141	حدیث مصحف کا حکم
97	142	(۹) جہالت
97	143	مجہول راوی
97	144	مجہول راوی کی قسمیں
97	145	(۱) مجہول الذات
97	146	مجہول الذات کی تعریف
98	147	اسباب جہالت
98	148	(۱) کثرت صفات
98	149	کثرت صفات کی مثال
98	150	نام کی عدم صراحت
98	151	نام کی عدم صراحت کی مثال
98	152	مجہول الذات راوی کا حکم
99	153	مجہول العین
99	154	مجہول العین راوی کی تعریف
99	155	مجہول العین راوی کا حکم

99	مجهول الحال	156
99	مجهول الحال راوی کی تعریف	157
100	مجهول الحال راوی کا حکم	158
100	(۱۰) بدعت	159
100	بدعت کی تعریف	160
100	بدعت کی اقسام	161
100	بدعت مکفرہ	162
101	بدعت مکفرہ کا حکم	163
101	بدعت مفسقہ	164
101	بدعت مفسقہ کا حکم	165
101	(۱۱) سوء حفظ	166
101	سوء حفظ کی تعریف	167
101	سوء حفظ کی قسمیں	168
101	سوء حفظ لازمی	169
102	سوء حفظ طاری و عارضی	170
102	سوء حفظ کا حکم	171
102	ضعیف حدیث کی تمام اقسام کا اجمالی حکم	172
103	باب دوم: ضعیف حدیث کی استدلالی و عملی حیثیت	173
103	تمہید	174
103	حجیت حدیث	175

103	حجیت حدیث کی پہلی دلیل	176
103	حجیت حدیث کی دوسری دلیل	177
104	حجیت حدیث کی تیسری دلیل	178
104	حجیت حدیث کی چھوٹی دلیل	179
104	حجیت حدیث کی پانچویں دلیل	180
106	فصل اول: عقائد کے باب میں ضعیف حدیث کا مقام	181
106	عقیدہ کی تعریف	182
107	خبر واحد کا حکم	183
108	خبر واحد سے علم یقینی ثابت نہ ہونے کے دلائل	184
108	متعدد دائرہ کرام سے اس کے حوالہ جات	185
108	(۱) ابوبکر صاص حنفی رحمہ اللہ کا حوالہ	186
109	(۲) ابن عبدالبر مالکی رحمہ اللہ کا حوالہ	187
110	(۳) امام الحرمین شافعی رحمہ اللہ کا حوالہ	188
110	(۴) فخر الاسلام بزدوی حنفی رحمہ اللہ کا حوالہ	189
111	(۵) امام سرحسی حنفی رحمہ اللہ کا حوالہ	190
112	(۶) امام غزالی شافعی رحمہ اللہ کا حوالہ	191
112	(۷) علامہ ابن العربی مالکی رحمہ اللہ کا حوالہ	192
113	(۸) علامہ کاسانی حنفی رحمہ اللہ کا حوالہ	193
113	(۹) امام رازی شافعی رحمہ اللہ کا حوالہ	194
114	(۱۰) علامہ ابن قدامہ حنبلی رحمہ اللہ کا حوالہ	195

115	(۱۱) صاحب محیط برہانی کا حوالہ	196
117	(۱۲) علامہ زیلعی حنفی رحمہ اللہ کا حوالہ	197
117	(۱۳) علامہ تاج الدین سبکی شافعی رحمہ اللہ کا حوالہ	198
117	(۱۴) علامہ نووی شافعی رحمہ اللہ کا حوالہ	199
118	(۱۵) علامہ تفتازانی رحمہ اللہ کا حوالہ	200
119	(۱۶) علامہ زکشی شافعی رحمہ اللہ کا حوالہ	201
119	(۱۷) علامہ ابن ہمام حنفی رحمہ اللہ کا حوالہ	202
120	(۱۸) علامہ ابن ابی شریف شافعی رحمہ اللہ کا حوالہ	203
120	(۱۹) علامہ ابن نجیم حنفی رحمہ اللہ کا حوالہ	204
121	(۲۰) علامہ امیر بادشاہ حنفی رحمہ اللہ کا حوالہ	205
121	(۲۱) علامہ ملا علی قاری حنفی رحمہ اللہ کا حوالہ	206
122	(۲۲) علامہ عبدالحی لکھنوی حنفی رحمہ اللہ کا حوالہ	207
122	(۲۳) علامہ ابن بدران دمشقی حنبلی رحمہ اللہ کا حوالہ	208
123	(۲۴) خبر واحد کے بارے میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے موقف کی وضاحت	209
125	(۲۵) علامہ بحر العلوم کا حوالہ	210
126	(۲۶) علامہ محمد انور شاہ کشمیری حنفی رحمہ اللہ کا حوالہ	211
126	(۲۷) علامہ شبیر احمد عثمانی حنفی رحمہ اللہ کا حوالہ	212
127	کیا صحیحین کی حدیثیں علم یقینی کا فائدہ دیتی ہے؟ علامہ ابن الصلاح رحمہ اللہ کے موقف کی وضاحت	213
127	صحیحین کی احادیث کا علم یقینی نہ دینے کے حوالہ جات	214

128	215	(۱) علامہ قاسم بن قطلوبغا حنفی رحمہ اللہ کا حوالہ
128	216	(۲) علامہ عزالدین بن عبدالسلام شافعی رحمہ اللہ کا حوالہ
129	217	(۳) علامہ جعفر ادنوی شافعی رحمہ اللہ کا حوالہ
130	218	(۴) علامہ ابن نجیم حنفی رحمہ اللہ کا حوالہ
130	219	(۵) علامہ ابن الحسبلی حنفی رحمہ اللہ کا حوالہ
131	220	(۶) علامہ محبت اللہ بہاری حنفی رحمہ اللہ کا حوالہ
131	221	(۷) علامہ بحر العلوم حنفی رحمہ اللہ کا حوالہ
133	222	(۸) علامہ صنعانی کا حوالہ
136	223	(۹) علامہ طاہر جزائری رحمہ اللہ کا حوالہ
137	224	(۱۰) علامہ شبیر احمد عثمانی حنفی رحمہ اللہ کا حوالہ
139	225	(۱۱=۱۶) علامہ عراقی، محقق ابن ہمام، امیر الحاج، ملا علی القاری، علامہ عبدالفتاح ابو نعہ اور علامہ عبدالرشید نعمانی رحمہم اللہ کے حوالے
43	226	خبر واحد سے عقیدہ کے ثبوت کے بارے میں علامہ ابن قیم رحمہ اللہ اور شیخ ناصر الدین البانی صاحب کا جمہور سے تفرد
144	227	ان کے موقف کی تردید علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی عبارت سے
146	228	علامہ ابن القیم رحمہ اللہ کا حدیث طواف فی الارض سے استدلال
146	229	طواف فی الارض والی حدیث کی فنی حیثیت
147	230	علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ کا حوالہ
147	231	حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا حوالہ
147	232	علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور علامہ ابن قیم رحمہ اللہ کے ہاں لفظ استواء کا معنی

147	مقام محمود کی تفسیر	233
148	(۱) علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے نزدیک	234
148	(۲) علامہ ابن قیم رحمہ اللہ کے نزدیک	235
152	مقام محمود کی تفسیر میں علامہ طبری رحمہ اللہ کی نقل کردہ حدیث کی فنی حیثیت	236
152	عباد بن یعقوب کے بارے میں حضرات محدثین کے اقوال	237
153	محمد بن فضیل کے بارے میں حضرات محدثین کے اقوال	238
154	لیث بن ابی سلیم کے بارے میں حضرات محدثین کے اقوال	239
156	(۳) مقام محمود کی تفسیر علامہ ذہبی رحمہ اللہ کے نزدیک	240
156	(۴) شیخ ناصر الدین البانی صاحب کے نزدیک	241
156	(۵) علامہ ابن جریر طبری رحمہ اللہ کے نزدیک	242
156	(۶) امام مجاہد رحمہ اللہ کے نزدیک	243
156	(۷) علامہ قرطبی رحمہ اللہ کے نزدیک	244
156	(۸) علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ کے نزدیک	245
160	سنن ابی داؤد کی حدیث سبعة اوعال کی فنی حیثیت	246
160	عبداللہ بن عمیرہ کے بارے میں حضرات محدثین کے اقوال	247
161	ولید بن عبداللہ بن ابی ثور کے بارے میں	248
162	حدیث سبعة اوعال کے بارے میں علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ کا حوالہ	249
162	علامہ ابن العربی رحمہ اللہ کا حوالہ	250
170	صفات باری تعالیٰ کے بارے میں معتزلہ کا موقف	251
170	مقاتل بن سلیمان کا موقف	252

170	جمہور کا موقف	253
171	ضعف کے درجات	254
172	علامہ محمد عوامہ حفظہ اللہ کے نزدیک	255
173	شیخ محمود سعید مدوح حفظہ اللہ کے نزدیک	256
173	جرح کے درجات	257
174	حدیث منکر کے بارے میں مزید تفصیل	258
175	فصل دوم: فضائل اور احکام میں ضعیف حدیث کا مقام	259
176	پہلا مذہب: حدیث ضعیف مطلقاً حجت ہے	260
176	حدیث ضعیف اور ائمہ اربعہ	261
182	موضع احتیاط میں ضعیف حدیث احکام میں بھی مستدل بن سکتی ہے	262
182	علامہ نووی رحمہ اللہ کا حوالہ	263
183	علامہ زرکشی رحمہ اللہ کا حوالہ	264
183	علامہ سیوطی رحمہ اللہ کا حوالہ	265
186	کیا ائمہ اربعہ حدیث کی مخالفت کرتے ہیں؟	266
186	امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں اخبار آحاد کو پرکھنے کے اصول	267
188	دوسرا مذہب: ضعیف حدیث فضائل میں حجت ہے نہ کہ احکام میں	268
189	(۱) علامہ نووی رحمہ اللہ کا حوالہ	269
189	(۲) علامہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ کا حوالہ	270
190	(۳) علامہ ملا علی قاری رحمہ اللہ کا حوالہ	271
190	(۴) امیر المؤمنین فی الحدیث امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کا حوالہ	272

191	(۵) امام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ کا حوالہ	273
192	(۶) حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کا حوالہ	274
193	(۷) علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ کا حوالہ	275
193	(۸) امام عبدالرحمن بن مہدی رحمہ اللہ کا حوالہ	276
194	(۹) امام احمد حنبل رحمہ اللہ کا حوالہ	277
194	(۱۰) امام حاکم نیشابوری رحمہ اللہ کا حوالہ	278
195	(۱۱) علامہ عنبری رحمہ اللہ کا حوالہ	279
195	(۱۲) علامہ ابن قدامہ حنبلی رحمہ اللہ کا حوالہ	280
196	(۱۳) علامہ ابن الصلاح رحمہ اللہ کا حوالہ	281
196	(۱۴) علامہ نووی رحمہ اللہ کا حوالہ	282
196	(۱۵) علامہ ناصر الدین دمشقی رحمہ اللہ کا حوالہ	283
198	(۱۶) علامہ طیبی رحمہ اللہ کا حوالہ	284
198	(۱۷) علامہ زرکشی رحمہ اللہ کا حوالہ	285
198	(۱۸) علامہ عراقی رحمہ اللہ کا حوالہ	286
199	(۱۹) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا حوالہ	287
199	(۲۰) محقق ابن ہمام رحمہ اللہ کا حوالہ	288
200	(۲۱) علامہ سید شریف جرجانی رحمہ اللہ کا حوالہ	289
201	(۲۲) علامہ جلال الدین محلی رحمہ اللہ کا حوالہ	290
201	(۲۳) علامہ سخاوی رحمہ اللہ کا حوالہ	291
201	(۲۴) علامہ سیوطی رحمہ اللہ کا حوالہ	292

202	(۲۵) علامہ زکریا انصاری رحمہ اللہ کا حوالہ	293
203	(۲۶) علامہ ابن نجار حنبلی رحمہ اللہ کا حوالہ	294
203	(۲۷) علامہ خطیب شربنی رحمہ اللہ کا حوالہ	295
204	(۲۸) علامہ علاء الدین ہکفی رحمہ اللہ کا حوالہ	296
204	(۲۹) علامہ وزیر یمانی رحمہ اللہ کا حوالہ	297
205	(۳۰) علامہ عبدالعزیز فرہاروی رحمہ اللہ کا حوالہ	298
205	(۳۱) علامہ عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ کا حوالہ	299
207	(۳۲=۳۶) علامہ سید محمد نذیر حسین دہلوی، مولانا محمد عبدالوہاب، مولانا سید شریف حسین، مولانا سید احمد حسین اور مولانا حفیظ اللہ صاحب رحمہم اللہ کا حوالہ	300
208	(۳۷) فقیہ الہند مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کا حوالہ	301
208	(۳۸) محدث علامہ عبداللہ غماری رحمہ اللہ کا حوالہ	302
209	(۳۹) شیخ علامہ محمد عوامہ مدظلہ العالی کا حوالہ	303
210	(۴۰) شیخ علامہ نور الدین عمر مدظلہ العالی کا حوالہ	304
211	حدیث ضعیف سے استحباب کا ثبوت اور اس پر ایک اشکال و جواب	305
211	علامہ دوانی رحمہ اللہ کا حوالہ	306
219	شہاب الدین خفاجی رحمہ اللہ کا حوالہ	307
222	علامہ عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ کا حوالہ	308
232	حدیث ضعیف سے استحباب کے ثبوت کی مثال	309
233	تیسرا مذہب: حدیث ضعیف مطلقاً حجت نہیں ہے	310
233	کیا امام مکی بن معین رحمہ اللہ کا یہ مسلک تھا؟ ان کے موقف کی وضاحت	311

235	کیا امام بخاری رحمہ اللہ کا یہ مسلک ہے؟ ان کے موقف کی وضاحت	312
238	کیا امام مسلم رحمہ اللہ کا یہ مسلک تھا؟ ان کے موقف کی وضاحت	313
244	علامہ ابن حزم رحمہ اللہ کے موقف کی وضاحت	314
245	قاضی ابوبکر ابن العربی رحمہ اللہ کے موقف کی وضاحت	315
246	علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے موقف کی وضاحت	316
247	علامہ شوکانی رحمہ اللہ کے موقف کی وضاحت	317
250	کیا صحت سند صحت متن کو مستلزم ہے؟	318
250	(۱) علامہ ابن صلاح رحمہ اللہ کا حوالہ	319
251	(۲) علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ کا حوالہ	320
251	(۳) علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ کا حوالہ	321
251	(۴) علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ کا حوالہ	322
252	تلقی بالقبول کی حیثیت	323
252	(۱) علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ کا حوالہ	324
253	(۲) علامہ ابن قیم رحمہ اللہ کا حوالہ	325
253	(۳) علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ کا حوالہ	326
254	(۴) علامہ زرکشی رحمہ اللہ کا حوالہ	327
254	(۵) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا حوالہ	328
254	(۶) محقق ابن ہمام رحمہ اللہ کا حوالہ	329
254	(۷) امام مالک رحمہ اللہ کا حوالہ	330
254	(۸) علامہ سخاوی رحمہ اللہ کا حوالہ	331

256	(۹) علامہ سیوطی رحمہ اللہ کا حوالہ	332
256	(۱۰) علامہ محمد اکرم سندھی رحمہ اللہ کا حوالہ	333
257	(۱۱) علامہ عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ کا حوالہ	334
257	(۱۲) رئیس المحدثین علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کا حوالہ	335
258	حدیث ضعیف میں شروط ثلاثہ کی حیثیت	336
260	شرط اول کی حیثیت	337
261	(۱) علامہ محمد عوامہ مدظلہ العالی کی تشریح	338
260	(۲) علامہ سخاوی رحمہ اللہ کی تشریح	339
260	(۳) امام بیہقی رحمہ اللہ کی تشریح	340
261	(۴) امام ابن ابی حاتم رحمہ اللہ کی تشریح	341
262	شرط ثانی کی حیثیت	342
262	(۱) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی تشریح	343
263	(۲) علامہ محمود سعید مدوح کی تشریح	344
263	شرط ثالث کی حیثیت	345
264	(۱) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی تشریح	346
264	(۲) علامہ عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ کی تشریح	347
265	(۳) علامہ محمود سعید مدوح کی تشریح	348
268	کیا ضعیف حدیث کو بیان کرتے وقت ضعف کا بیان کرنا ضروری ہے؟ (۱) پہلا مسلک: ضروری نہیں	349
268	(۱) علامہ ابن صلاح رحمہ اللہ کا حوالہ	350

268	(۲) علامہ عراقی رحمہ اللہ کا حوالہ	351
268	(۳) علامہ زکریا انصاری رحمہ اللہ کا حوالہ	352
269	(۴) علامہ طبری رحمہ اللہ کا حوالہ	353
269	(۵) سید شریف جرجانی رحمہ اللہ کا حوالہ	354
269	(۶) علامہ ابن الوزیر الیمانی رحمہ اللہ کا حوالہ	355
269	(۷) علامہ سخاوی رحمہ اللہ کا حوالہ	356
269	(۸) علامہ سیوطی رحمہ اللہ کا حوالہ	357
270	کیا ضعیف حدیث کو بیان کرتے وقت ضعف کا بیان کرنا ضروری ہے؟ (۲) دوسرا مسلک: ضروری ہے	358
270	(۱) علامہ البانی صاحب کا حوالہ (۲) علامہ احمد شاہ صاحب کا حوالہ (۳) شیخ فوزی بن عبدہ کا حوالہ	359
272	احادیث ضعیفہ اور تعامل محدثین	360
275	چند ایک معتبر کتابوں کے اندر ضعیف احادیث کی مثالیں	361
275	(۱) مسند امام احمد بن حنبل	362
275	پہلی حدیث	363
275	دوسری حدیث	364
276	تیسری حدیث	365
277	(۲) الادب المفرد للإمام البخاری	366
277	پہلی حدیث	367

278	دوسری حدیث	368
278	تیسری حدیث	369
279	(۳) منقہی الاخبار	370
279	پہلی حدیث	371
279	دوسری حدیث	372
280	تیسری حدیث	373
280	(۴) المحلی بالآثار لابن حزم الظاہری	374
280	پہلی حدیث	375
281	آداب و اخلاق، زہد و رقائق اور فضائل و ترغیب و ترہیب پر لکھی جانے والی کتابیں، جن میں ضعیف احادیث ہیں۔	376
283	کیا حدیث ضعیف کو صیغہ تملیض سے بیان کرنا ضروری ہے؟	377
283	(۱) علامہ ابن الصلاح رحمہ اللہ کا حوالہ	378
284	(۲) علامہ زرکشی رحمہ اللہ کا حوالہ	379
285	حدیث ضعیف اور موضوع میں فرق کی دس وجوہات	380
288	باب ثالث ضعیف حدیث کے بارے میں منفی پہلو	381
288	تمہید	382
290	فصل اول فضائل اعمال، ترغیب و ترہیب کی کتابوں پر اعتراض و اشکالات کا جائزہ	383
291	فصل دوم: ضعیف حدیث کے بارے میں منفی پہلو کا تنقیدی جائزہ	384
294	کتاب ”الحديث الضعیف و حکم الاحتجاج به“ پر ایک نظر	385

299	حدیث ضعیف کے بارے میں ایک جدید موقف اور اس کا جائزہ	386
307	علم حدیث کی راہ میں محدثین اور ائمہ جرح و تعدیل کے تگ و دو پر مشتمل تین ائمہ کے واقعات	387
307	(۱) امام ربیعۃ الرائے رحمہ اللہ (۲) امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ (۳) امام بخاری رحمہ اللہ	388
310	ایک ضروری تنبیہ	389
312	خاتمہ	390
314	(۱) فہرست آیات کریمہ	391
316	(۲) فہرست احادیث نبویہ	392
318	(۳) فہرست رجال مترجمین	393
324	(۴) فہرست مصادر و مراجع	394

JAMIA FAROOQIA

P.O. Box 11020, KARACHI 25, P.C. 75230 PAKISTAN

**جامعہ فاروقیہ**

سویڈن رقم 190203، پاکستان رقم 25، کرمز ایریجیو 75230 پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى
 وبعد! مولانا محمد انور بن عالسیر کوہستانی جامعہ فاروقیہ کراچی کے فاضل اور
 متخصص فی علوم الحدیث ہیں۔
 مولانا محمد انور نے ”ضعیف حدیث کی شرعی حیثیت“ کے عنوان پر مقالہ لکھا ہے،
 جو لوگ ضعیف حدیث کو موضوع حدیث کا درجہ دیتے ہیں اور بالکل رد کرتے ہیں مقالہ ان
 کے رد میں ہے۔

جمہور محدثین اور فقہاء نے ہمیشہ ضعیف حدیث سے استدلال کیا ہے تو اس کو
 موضوع حدیث کا درجہ کیسے دیا جاسکتا ہے۔
 مولانا عبد الماجد رفیق استاد شعبہ تخصص فی علوم الحدیث نے مولانا محمد انور
 کے مقالے پر نہایت قیمتی اور جاندار تبصرہ لکھا ہے، احقر اس کی تائید کرتا ہے اور متفق ہے۔

سید سلیم شاہ خان
 سلیم اللہ خان

مہتمم جامعہ فاروقیہ کراچی

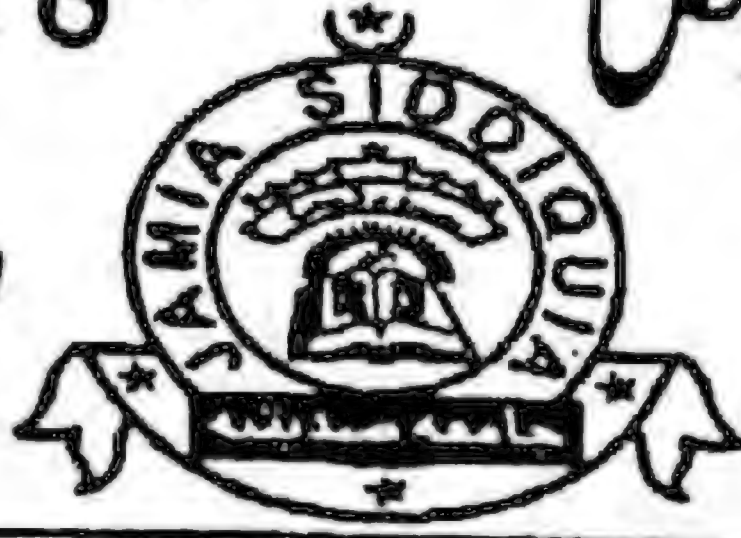
۲۵/۶/۱۴۳۵ھ - ۲۶/۴/۲۰۱۴م

Dr. Manzoor Ahmed Maingal

Principal Jamia Siddiquia

P.H.D. Jamshoro University Sindh

0322 - 2870363 , 0333 - 7974023



حضرت مولانا ڈاکٹر منظور احمد مینگل

رئیس جامعہ صدیقیہ

پی۔ ایچ۔ ڈی۔ سندھ یونیورسٹی جامشورو

تقریظ

حضرت مولانا منظور احمد مینگل صاحب دامت برکاتہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد لله الذي أنزل إلى نبيه الذكر، ليبين للناس منازل
إليهم ولعلهم يتفكرون. والصلاة والسلام على نبيه الذي
بلغ الرسالة وأدى الأمانة وعلى آله وأصحابه الذين تأدّبوا
بآدابه۔

یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ قرآن و حدیث دونوں وحی کی اقسام ہیں قرآن پاک وحی جلی،
وحی متلو ہے اور حدیث رسول وحی خفی اور غیر متلو ہے اور یہ بھی واضح امر ہے کہ احادیث رسول کو نظر
انداز کرنے کے بعد قرآن پاک کا ایک بہت بڑا حصہ ناقابل عمل قرار پائے گا۔ قرآن پاک میں
نہ نمازوں کی رکعات کی تفصیل ہے، نہ روزہ و صوم و حج کی تفصیلات۔

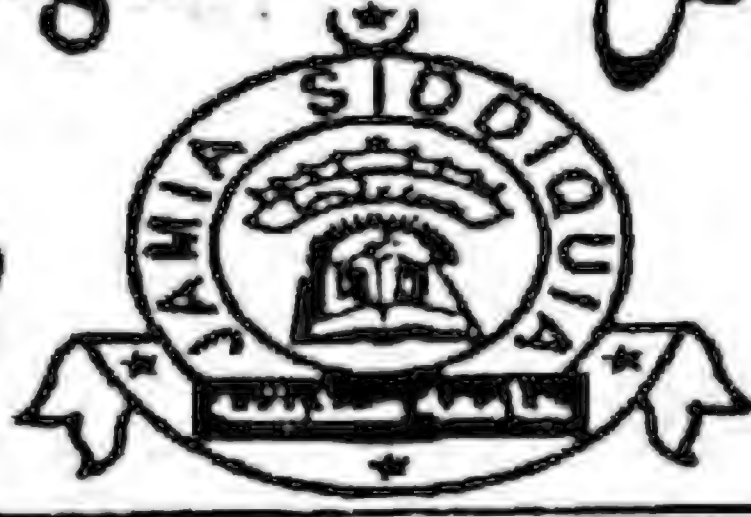
جو لوگ اپنے آپ کو اہل قرآن کہہ کر حدیث رسول کی محبت کا انکار کرتے ہیں وہ درحقیقت
حلال و حرام اور ایمان و کفر کی حدود کو پامال کرنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ ان کو ان کی بے حیائی
اور بے ایمانی میں چھوٹ مل جائے، اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن پاک کا جو مقام ہے اور جس
محفوظ شکل میں وہ امت کے پاس موجود ہے، حدیث کا علی الاعلان وہ درجہ نہیں، لیکن حدیث
رسول کی محبت سے انکار اس بناء پر ہے کہ ناقلاً حدیث اور رواۃ پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا، یہ بات

Dr. Manzoor Ahmed Maingal

Principal Jamia Siddiquia

P.H.D. Jamshoro University Sindh

0322 - 2870363 , 0333 - 7974023



حضرت مولانا ڈاکٹر منظور احمد مینگل

رئیس جامعہ صمدیہ

پی۔ ایچ۔ ڈی۔ سندھ یونیورسٹی جامشورو

بالکل فضول؛ ہے اس لئے کہ جو لوگ حدیث کے راوی ہیں وہ ہی لوگ ہی قرآن پاک کے ناقل ہیں، پھر کیا وجہ ہے کہ قرآن پاک کی نقل میں ان پر اعتماد ہے اور حدیث رسول کے سلسلے میں ان پر اعتماد نہیں؟ البتہ اس بات سے انکار نہیں، دشمنان دین نے یقیناً کوشش کی بھی ہے اور کر بھی رہے ہیں کہ قرآن و حدیث میں تحریف کی جائے اور بہت سی حدیثیں اس سلسلے میں انہوں نے گھڑ بھی لیں لیکن اہل علم خوب جانتے ہیں کہ محدثین نے ان کی خوب گت لی، ہزاروں راویوں پر کلام کیا اور ہر ایک کی اصلی حقیقت امت کے سامنے واضح کی، اللہ کے فضل و کرم سے اس سلسلے میں نہ کسی جھوٹے کی کامیابی ہوئی اور نہ آئندہ اس کی توقع اور اندیشہ ہے۔

یاد رہے! کہ حدیث رسول فی نفسہ کبھی بھی ضعیف نہیں ہوتی جن احادیث کو محدثین نے موضوع اور ضعیف قرار دیا ہے وہ رواد کی پوزیشن اور ان کی صفات کے لحاظ سے ہے اور یہ بھی یاد رہے! کہ دجالہ اور کذابین کی روایت (موضوع، مخلق) کو محدثین مکمل مسترد کر دیتے ہیں البتہ احادیث ضعیفہ جن کے ضعف میں کبھی رواد کے لحاظ سے ان کا اختلاف رہتا ہے ”ایک راوی“ کوئی محدث اس کو اپنی دانست اور تحقیق کے مطابق کمزور سمجھتا ہے، اس کی روایت کو وہ مقام نہیں دے پاتا جو عام احادیث صحیحہ کا ہے جب کہ اسی راوی کے ظاہری تدین اور تقویٰ کو دیکھ کر دوسرا محدث اس کی حدیث کو صحیح قرار دیتا ہے لیکن یہ صورت حال بہت کم ہے اللہ کے فضل و کرم سے ماہرین حدیث کسی تذبذب اور شک کے جال میں پھنسے ہوئے نہیں ہیں برخلاف آزاد مشن طبقہ کے جو تمنا عمادی اور پرویز، عمر عثمانی کی جماعتیں جو انکار حدیث کا زہراپنے سینوں میں لے کر واصل جہنم ہوئیں۔

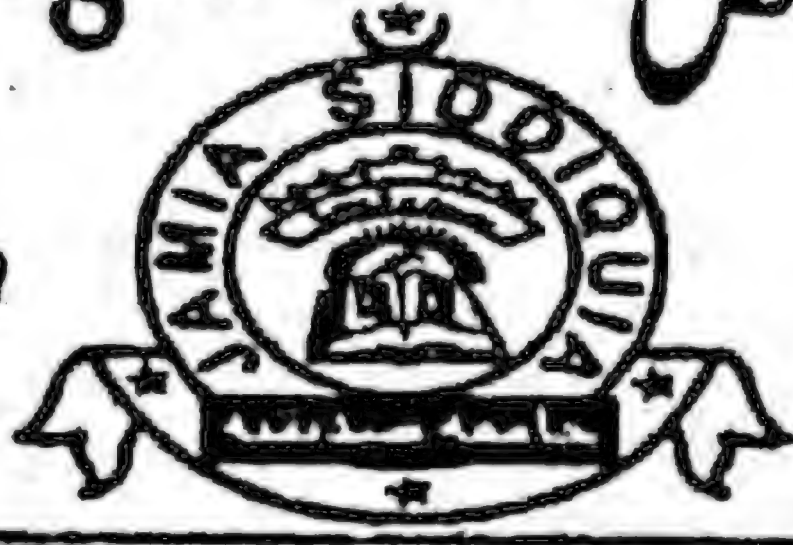
پھر خدا بھلا کرے ان فقہاء و محدثین کا، جنہوں نے احادیث رسول اگرچہ ضعیف ہی ہوں

Dr. Manzoor Ahmed Maingal

Principal Jamia Siddiquia

P.H.D. Jamshoro University Sindh

0322 - 2870363 , 0333 - 7974023



حضرت مولانا ڈاکٹر منظور احمد مینگل

رئیس جامعہ صدیقیہ

پی۔ ایچ۔ ڈی۔ سندھ یونیورسٹی جامشورو

لیکن اپنے قیاس اور رائے پر اس کو ترجیح دے کر بعض صورتوں میں اس کے ضعف کی تصریح کر کے بطور مؤید اور شاہد کے لے لیا اور اس کے متعدد طرق کو جمع کر کے بعض طرق صحیحہ کی بناء پر اس سے استحباب اور اولویت کو ثابت فرمایا، اصول کلیہ صحیحہ ثابتہ کے ساتھ اس کو جوڑ کر نسبت رسول کی لاج رکھتے ہوئے اس کو معمول بنا لیا، نہ جانے اس میں کون سا گناہ انہوں نے کیا؟ شاید تمنا عمادی، پرویز غلام، اسلم جیراج پوری، عمر عثمانی جیسے تقویٰ اور طہارت سے محروم لوگوں کی رائے نالینا ان کا مقدر اور جرم ٹھہرا اور یہ لوگ مجرم قرار پائے۔

برادرِ مکرم مولوی محمد انور نے ایک شعبہ اور حصہ حدیث ضعیفہ اس کے مراتب اور اس کے مختلف احکام عقائد، احکام شرعیہ میں اس کا درجہ، فضائل میں اس کا مقام ان امور پر اپنے اس رسالہ میں کھل کر گفتگو کی ہے ”مشک آنست خود بگوید۔ نہ آنکہ عطار بگوید۔“

اہل علم سے میری گزارش ہے کہ حقائق علمیہ کے متلاشی بن کر کتاب کا مطالعہ فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ پیارے پیغمبر ﷺ کے ساتھ، آپ ﷺ کی عظمت کی بدولت کتاب کو شرف قبولیت سے نوازے، اور مؤلف زید مجدہم کی آخرت کے لیے اس کو ذخیرہ بنائے۔ آمین۔

منظور احمد نیک محمد مینگل (نزیل جامعہ صدیقیہ گلشن معمار کراچی)

۲۱/۵/۱۴۳۵ بمطابق ۲۲/۳/۲۰۱۴ م

تقریظ

مولانا عبد الماجد صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ

استاد و مراقب شعبہ تخصص فی علوم الحدیث جامعہ فاروقیہ کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم
حامداً و مصلیاً و مسلماً، أما بعد:

حدیث نبوی کو آپ ﷺ کے ساتھ براہ راست تعلق ہونے کی وجہ سے ایک خاص شان اور علوم دینیہ میں ایک نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شریعت کے مصادر میں قرآن کریم کے بعد اسے اہم ترین ماخذ تسلیم کیا گیا ہے۔ یہ حدیث ہی تو ہے جو قرآن حکیم کی تفسیر اور اس کے اجمال و ابہام کی وضاحت کا انتہائی اہم اور حساس فریضہ انجام دیتی ہے۔ اسی لیے خلاق عالم کتاب ہدایت میں ”إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَفِظُونَ“^(۱) کا اعلان کر کے جہاں قرآن حکیم کی حفاظت کا ذمہ اٹھایا ہے تو وہیں اسی آیت شریفہ میں حدیث نبوی کی حفاظت کا بھی بڑے لطیف انداز میں بندوبست فرمایا ہے کیونکہ قرآن کریم کے معانی و مطالب کی حفاظت حدیث نبوی ہی کی حفاظت سے ممکن ہے بلکہ قرآن کی کئی آیات کے سمجھنا صرف حدیث ہی پر موقوف ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام کے شروع دور سے ہی حدیث کی روایت و درایت دونوں پہلوؤں سے ہی خدمت کو سعادت سمجھا گیا، اس کے لیے صحابہ کرام، تابعین، محدثین اور فقہاء نے کیا کیا جتن نہیں کیے! ایک ایک حدیث کے لیے حجاز سے شام، مشرق سے مغرب تک کا سفر کیا گیا، حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کا ایک حدیث کو حاصل کرنے کے لیے ملک شام کے سفر کا واقعہ مشہور ہے اور تابعین کے تو اس بارے میں ان گنت واقعات ہیں جن سے ”کتب رجال“ بھری پڑی

ہیں، بلکہ ان کے ہاں تو حدیث کا ذہن میں یاد ہونا یا اپنے پاس لکھا ہوا ہونا بھی کافی نہیں ہے اسی لیے علو سند کے حصول کے لیے کئی کئی ملکوں کے اسفار کرنا ان کے ہاں حصول علم کا ایک اہم پہلو اور اُن کی زندگی کا ایک بڑا اور نمایاں حصہ ٹھہرا۔

الغرض حدیث کی خدمت ایک بہت بڑی سعادت ہے یہی وجہ ہے کہ محدثین نے ہر پہلو اور زاویے سے حدیث کی خدمت کی ہے۔ یہاں تک کہ فن حدیث ایک کثیر العلوم اور متنوع الجہات فن کی شکل اختیار کر گیا ہے جو ایک بڑے برگِ سایہ دار درخت کی صورت میں مسلمانوں پر سایہ فگن ہے اور انہیں کفر و الحاد، بدعات و رسومات کی بادِ سموم اور مغرب کی بے راہ روی کے گرم تھمھڑوں سے اپنی گھنی شاخوں اور ٹھنڈے سائے کی بدولت محفوظ کیے ہوئے ہے۔

زیر نظر کتاب ”ضعیف حدیث کی شرعی حیثیت“ (از مولوی محمد انور کوہستانی متخصص فی علوم الحدیث جامعہ فاروقیہ) اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے اس کتاب میں مؤلف نے ”حدیث ضعیف“ کی شرعی حیثیت کو بیان کیا ہے۔ فن حدیث سے وابستہ حضرات اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ اس اہم اور دقیق عنوان پر قلم اٹھانا اور راہِ اعتدال اختیار کرتے ہوئے افراط و تفریط سے پر خار راستوں کے درمیان آسانی اور عافیت کے ساتھ دامن بچا کر گزر جانا ناممکن تو نہیں، لیکن انتہائی مشکل، کٹھن اور دشوار ضرور ہے۔

اللہ جزائے خیر دے موصوف کو، جنہوں نے اپنے مشفق اور فن حدیث کے ماہر اساتذہ کی زیر نگرانی اس انتہائی اہم عنوان پر قلم اٹھایا اور پھر محنت، لگن، جاں فشانی کے ساتھ اس سے وابستہ تمام مباحث کو متقدمین اور متاخرین کے نصوص و آراء کی روشنی میں ذکر کر کے اس مجال میں مذہبِ حق کی نشاندہی کرنے کی ایک مبارک سعی کی ہے۔

موصوف نے اپنے مقالے کو تمہید، تین ابواب اور خاتمہ پر مرتب کیا ہے۔ تمہید میں حدیث، خبر، اثر اور سنت جیسی اصطلاحات پر روشنی ڈالی ہے۔ بابِ اول میں حدیث ضعیف، اس کی اقسام اور اسبابِ ضعف کو بیان کیا ہے۔ باب دوم حدیث ضعیف کی عملی حیثیت سے متعلق

مذہبِ ثلاثہ، ضعیف حدیث سے استدلال اور تعاملِ سلف میں اس کی حیثیت پر متقدمین و متاخرین کے اقوال و آراء کی روشنی میں تفصیلاً بحث کی ہے۔ اس مقالے کی بنیادی اور سب سے مفید بحث یہی دوسرا باب ہے۔

باب سوم میں حدیثِ ضعیف کے بارے میں منفی پہلو کو بیان کر کے اس کو رد کیا ہے۔ موصوف کے مقالے کا مقصد ضعیف حدیث کے بارے میں اسی غلط نظریے پر قدغن لگانا ہے۔ آخر میں موصوف نے خاتمہ میں اس پوری بحث کے نتائج پر مختصر روشنی ڈالی ہے۔

موصوف اپنی کتاب میں ضعیف حدیث کے بارے میں منفی رویوں کا تنقیدی جائزہ پیش کرتے ہوئے ایک جگہ لکھتے ہیں: ”یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ جمہور فقہاء و محدثین حدیثاً و قدیماء فضائل میں ضعیف احادیث سے برابر استدلال کرتے رہے ہیں، مگر ایک عرصہ سے ضعیف الاسناد احادیث کو ناقابل اعتبار قرار دینے کے لئے نئی دلائل پیش کئے جاتے ہیں، اور یہ پروپیگنڈہ کیا جا رہا ہے کہ ضعیف الاسناد احادیث مردود ہیں ان پر عمل کرنا درست نہیں۔“

یہ علمی دنیا میں ایک نیا فتنہ ہے۔ نام نہاد سلفیت خصوصاً البانیہ سے تعلق رکھنے والے شیخ ناصر الدین البانی نے اس کی خوب آبیاری کی، اور ان کے شاگردوں اور شیخ کی فکر سے متاثر دوسرے لوگوں نے اس کو عام کر دیا۔

یہ رویہ حدیثِ نبوی سے تعلق و محبت کے بالکل خلاف ہے جس کے نتائج نہایت خطرناک ہیں! اس سے نہ صرف یہ کہ سلف سے بد اعتمادی پیدا ہوتی ہے جن کا ضعیف احادیث کے بارے میں مثبت رویہ تھا، بلکہ خود روایاتِ نبویہ ہی کے ایک بڑے ذخیرے پر سے ہاتھ صاف کئے جانے کے مترادف ہے۔ ضعیف روایات کے بارے میں جمہور سے ہٹ کر یہ نیا موقف اپنے لوگوں نے بھی اپنایا ہوا ہے۔ موصوف ایک دوسری جگہ ضعیف حدیث کو علی الاطلاق رد کر دینے والی فکر پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”اکابر محدثین، ناقدین اور فن شناس لوگوں کی موجودگی میں ضعیف روایات کے بارے

میں نرم رویہ اپنایا گیا۔ تو پھر آج اس طرح کے خواہ مخواہ کے تشدد سے کسی کو کیا سوجھی؟! ہماری غرض و منشا ہرگز یہ نہیں کہ صحیح اور حسن درجہ والی روایات کو چھوڑ کر ضعیف الاسناد روایات پر ہی دار و مدار ہو، بلکہ مقصود یہ ہے کہ ضعیف الاسناد روایات کو ان کا وہ مقام دیا جائے جو جمہور علماء اپنے قول و عمل سے دیتے چلے آئے ہیں۔

ضعیف الاسناد روایات کو موضوع کے ساتھ ملا کر بدعت کا ارتکاب نہ کیا جائے بلا وجہ جمہور سے ہٹ کر کوئی روش نہ اپنائی جائے، اصول حدیث کی فنی باتیں اس لئے نہیں کہ روایات نبوی کا انکار کیا جائے، بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ غیر نبوی روایات ”من گھڑت“ اس میں نہ در آئیں۔ اگر غور کیا جائے تو ”حدیث حسن لغیرہ“ چند ضعیف روایات کا مجموعہ ہی تو ہے، جس سے احکام میں بھی استدلال کیا جاتا ہے چہ جائیکہ فضائل میں!“

مؤلف نے اس کتاب میں اپنی علمی تشنگی کو دور کرنے کے لیے بیسیوں کتب علوم حدیث و رجال حدیث سے استفادہ کر کے اور پھر ان سے سینکڑوں حوالہ جات نکالنے جیسی تھکا دینے والی محنت کو اپنا شعار بنایا ہے اگرچہ کتاب میں بعض جگہ کچھ فنی تعبیر اور اردو املاء و ترقیم کی غلطیاں بھی پائی گئی ہیں۔ جن میں سے اکثر کی کسی مصحح نے تصحیح بھی کر دی ہے۔ ان کی اصلاح کر دینے کے بعد بندے کے نزدیک اس کتاب کی افادیت ”نور علی نور“ کا مصداق بنتے ہوئے مزید بڑھ جائے گی اور امید واثق ہے کہ اہل علم و اصحاب ذوق کی اس باب میں علمی تشنگی کو کم کرنے میں معین و مددگار ثابت ہوگی۔

آخر میں اللہ رب العزت کے حضور دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ موصوف کو دنیا و آخرت میں بہترین جزا عطا فرمائے اور ہم سب کو حق کی اتباع کرنے کی اور سلف کے دامن سے چمٹے رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اللہم أرنا الحق حقاً وارزقنا اتباعه وأرنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابه۔

عبد الماجد رفیق عفی عنہ ۲۳/۶/۱۴۳۵ھ بمطابق ۲۴/۴/۲۰۱۴م

مقدمہ از مؤلف

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العالمين على ما أنعم ويسر، فهو ولي كل خير،
وإليه يرجع كل فضل، وهو الذي بنعمته تتم الصالحات،
والصلوات الناميات الزاكيات، والتسليمات المباركات على
سيدنا ومولانا محمد سيد السادات، صاحب المعجزات
الباهرات، والدرجات الرفيعات، صلى الله وسلم وبارك عليه
وعلى آله وأصحابه وأتباعه إلى يوم الدين.

أما بعد:

یہ بات محتاج بیان نہیں ہے کہ حدیث علوم دینیہ کا اہم موضوع اور شریعت اسلامی کا
دوسرا عظیم ماخذ ہے۔ قرآن کریم کے فرمودات کی واضح تشریح و توضیح اقوال
رسول ﷺ سے ہی ممکن ہے۔ قرآن حکیم کو صحیح معنوں میں سمجھ کر اس پر نبوی مزاج
کے مطابق عمل پیرا ہونے کے لیے احادیث نبویہ سے گہرے لگاؤ اور مضبوط رشتے
کی ضرورت ہے، بلکہ قرآن کی کئی آیات کا سمجھنا حدیث ہی پر موقوف ہے، اس
کے بغیر ممکن ہی نہیں۔

جن لوگوں نے اپنی ذہانت و عقلیت کے زعم میں احادیث نبویہ کو پس پشت ڈال کر محض
عربی کو قرآن فہمی کے لیے کافی سمجھا، انسانی تاریخ شاہد ہے کہ ایسے افراد پر نہ آج سے پہلے
کبھی کتاب اللہ کے سربستہ حقائق کھلے ہیں اور نہ ہی مستقبل میں اس کا کوئی امکان
ہے!۔

آنحضرت ﷺ چونکہ احادیث کی اس غیر معمولی اہمیت سے بخوبی واقف تھے
اور آپ ﷺ نے مستقبل میں آنے والے تمام خطرات کو قبل از وقت بھانپ لیا تھا،

اس لئے ابتدا ہی سے آپ ﷺ نے اپنی امت کو اس بارے میں جزم و احتیاط کے ایک مخصوص نہج پر چلایا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے سب سے پہلے اپنے متبعین کو یہ بات ذہن نشین کرائی کہ آپ ﷺ قیامت تک آنے والی نسلوں کے لیے اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں، اور آپ ﷺ کا ہر قول و فعل آئندہ نسلوں کے لیے نمونہء زندگی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ نے اپنے ہر صحابی کو حکم دیا کہ ”بلغوا عني ولو آية“ (۱)

یعنی میرے اقوال و احوال دوسروں تک پہنچاؤ خواہ ایک جملہ ہی کیوں نہ ہو۔ اس حکم کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہر وہ مسلمان، جس نے ایک مرتبہ بھی آپ کو دیکھا تھا، آپ کی حیات طیبہ کا مبلغ بن گیا۔ اسی بنا پر اسلام کے ابتدائی دور ہی سے حدیث کی روایت و درایت، دونوں پہلوؤں کے اعتبار سے خدمت کو سعادت سمجھا گیا۔ صحابہ کرام، تابعین، محدثین و فقہاء نے اس کے لیے انتھک کوششیں کی ہیں۔ ایک ایک حدیث کے لیے حجاز سے شام جیسے طویل سفر طے کئے۔

دین اسلام کے تفصیلی مسائل کا استنباط ”علم حدیث“ ہی کے ذریعہ سے ممکن ہے۔ اس لیے اہل علم نے دیگر علوم اسلامیہ کی بنسبت ”علم حدیث“ کی خدمت زیادہ کی ہے اور یہی وجہ ہے کہ ”علم حدیث“ سے متعلقہ علوم و فنون کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز ہے۔ من جملہ ان علوم کے سب سے زیادہ اہمیت کے حامل ”فنِ اُسماء الرجال“ اور ”علم جرح و تعدیل“ ہیں۔ مسلمانوں نے ان فنون میں جو خدمات انجام دیں ہیں وہ تاریخ عالم کا ایک تابناک باب ہے۔

”فنِ اُسماء الرجال“ میں راویوں کی ثقاہت اور جرح کے بارے میں جو اصول وضع کیے گئے اور رد و قبول کے جو پیمانے مقرر کئے گئے وہ نہایت ہی درست ہیں۔

جوں جوں زمانہ گزرتا گیا ”فنِ اُسماء الرجال“ کو مزید ترقی ملتی گئی۔ اس کے قواعد کی تنقیح

اور تشریح کی گئی، جس سے اس میں مزید پختگی آئی اور نئے اصول اور عملی تطبیقات وجود میں آئیں، حتیٰ کہ آج کے ترقیاتی دور میں تو اس فن نے خوب ترقی کی۔ قدیم کتب کو تحقیق کے مروجہ اصولوں کے مطابق شائع کیا گیا۔ ایک ایک جزئی پر مستقل کتابیں، رسائل اور مقالے لکھے گئے۔ ”حدیث مرسل“، ”حدیث موضوع“، ”حدیث متواتر“، ”حدیث معلل“ اور اس جیسے دیگر سینکڑوں موضوعات پر مستقل تفصیلی مقالات لکھے گئے۔

یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ جمہور فقہاء و محدثین حدیثاً و قدیماً فضائل میں ضعیف احادیث سے برابر استدلال کرتے رہے ہیں، مگر ایک عرصہ سے ضعیف الاسناد احادیث کو ناقابل اعتبار قرار دیا جا رہا ہے اور اس دعویٰ پر نت نئے دلائل پیش کئے جا رہے ہیں اور یہ پروپیگنڈہ کیا جا رہا ہے کہ ضعیف الاسناد احادیث مردود ہیں ان پر عمل کرنا درست نہیں۔ یہ علمی دنیا میں ایک نیا فتنہ ہے۔ نام نہاد سلفیت خصوصاً البانیہ سے تعلق رکھنے والے شیخ ناصر الدین البانی صاحب نے اس کی خوب آبیاری کی ہے اور ان کے شاگردوں اور شیخ کی فکر سے متاثر دوسرے لوگوں نے اس کو عام کر دیا۔ یہ رویہ حدیث نبوی سے تعلق و محبت کے بالکل خلاف ہے جس کے نتائج نہایت خطرناک ہیں۔ اس سے نہ صرف یہ کہ سلف سے بد اعتمادی پیدا ہوتی ہے جن کا ضعیف احادیث کے بارے میں مثبت رویہ تھا، بلکہ خود روایات نبویہ ہی کے ایک بڑے ذخیرے پر سے ہاتھ صاف کئے جانے کے مترادف ہے۔۔۔

اکابر محدثین، ناقدین اور فن شناس لوگوں کے روبرو ضعیف روایات کے بارے میں نرم رویہ اپنایا گیا تو پھر آج کے دور میں اس طرح کے بے جا تشدد سے کسی کو کیا سوچھی؟! ضعیف الاسناد روایات کو موضوع کے ساتھ ملا کر بدعت کا ارتکاب نہ کیا جائے اور بلاوجہ جمہور سے ہٹ کر کوئی روش نہ اپنائی جائے۔ اصول حدیث کی فنی باتیں اس لئے نہیں کہ روایات نبوی کا انکار کیا جائے بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ غیر نبوی ”من گھڑت“ روایات اس میں نہ در آئیں۔ اگر غور کیا جائے تو ”حدیث حسن لغیرہ“ چند ضعیف روایات کا مجموعہ ہی تو ہے، جس سے احکام میں بھی استدلال کیا جاتا ہے

چہ جائیکہ فضائل میں! اگر شیخ ناصر الدین البانی صاحب کے مسلک و مشرب اور طرز کو اپنایا جائے تو بات جمہور اہل سنت والجماعت کے دائرہ سے نکل جائے گی۔

ضعیف احادیث کو صرف اس وجہ سے ناقابل عمل قرار دے کر موضوع کے پلڑے میں ڈال دینا کہ ان روایات کو ”ضعیف“ یا ”مردود“ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے ایک بہت بڑی غلطی ہے۔ یہ درحقیقت فن اور اہل فن کے اصول و ضوابط سے ناواقفیت ہی کا نتیجہ ہے۔

حدیث اور سنت کی جو بھی تعریف محدثین اور اصولیین نے کی ہے۔ قدیم ہو یا جدید، اس میں کوئی ایسی قید نہیں جس سے ضعیف احادیث کو نکال باہر کیا جائے۔ اسی لئے انہوں نے ہمیشہ حدیث کی دوسری انواع کی طرح اس کو بھی استدلال و استنباط میں حیثیت دی ہے اگرچہ اس کے ضعف اور درجہ کا خیال ضرور رکھا ہے۔

ہماری غرض و منشا ہرگز یہ نہیں کہ صحیح اور حسن درجہ والی روایات کو چھوڑ کر ضعیف الاسناد روایات پر ہی دار و مدار ہو، بلکہ مقصود یہ ہے کہ ضعیف الاسناد روایات کو ان کا وہ مقام دیا جائے جو جمہور علماء اپنے قول و عمل سے دیتے چلے آئے ہیں۔

زیر نظر تالیف بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ جو صرف ”ضعیف حدیث کی شرعی حیثیت“ کو بیان کرتی ہے۔ ”ضعیف حدیث“ سے متعلقہ مباحث کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ متقدمین و متاخرین محدثین نے ”حدیث ضعیف“ کی متعلقہ مباحث اگرچہ تفصیل سے ذکر کی ہیں لیکن وہ مباحث اصول حدیث کی کتابوں میں منتشر ہیں اور بعض متاخرین نے اس سلسلہ میں مستقل رسائل و مقالات اگر لکھے بھی ہیں تو انہوں نے یا تو اس موضوع کی تمام مباحث کو ذکر نہیں کیا یا وہ موضوع کیساتھ انصاف نہ کر پائے حتیٰ کہ بعض تو اس سلسلہ میں بہت افراط و تفریط کا شکار ہو گئے۔ اس لیے ضرورت محسوس کی جا رہی تھی کہ اس موضوع کی تمام مباحث پر گفتگو کی جائے، متعلقہ مسائل کو الگ الگ بیان کیا جائے اور متقدمین و متاخرین کے مذاہب و دلائل کا جائزہ پیش کیا جائے۔

ضعیف الاسناد احادیث کے بارے میں اس غیر علمی طرز و انداز کو واضح طور پر دیکھ کر بندہ

نے اس موضوع پر قلم اٹھایا جس میں اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ جمہور فقہاء، محدثین اور علماء دیوبند کے قول اور طرز عمل سے ضعیف احادیث کا مقام و مرتبہ واضح کیا جائے۔ تحقیق و جستجو سے معلوم ہوا کہ قرونِ اولیٰ سے امتِ مسلمہ میں ضعیف احادیث کے بارے میں مثبت رویہ چلا آرہا ہے۔ احتیاط و اتقان ہی کی بنیاد پر ان احادیث کو صحیح اور حسن سے الگ کر کے ضعیف کی جداگانہ اصطلاح سے موسوم کیا گیا ہے۔ اس سے آگے جانے کی نہ کبھی ضرورت سمجھی گئی ہے اور نہ ہی احتیاط کے پردہ میں کسی کے لیے ایسا کرنا درست ہوگا۔

یہاں پر یہ بات بھی واضح رہے کہ اگرچہ یہ بحث حدیثِ ضعیف کے متعلق ہے، عقائد سے نہیں تاہم عقائد کے متعلق بھی قدرے تفصیل سے بحث کی گئی ہے، چونکہ بعض حضرات نے ضعیف حدیث کو عقائد میں بھی مستدل ٹھہرایا ہے، اس لیے اس کو بھی موضوع کا حصہ بنادیا گیا۔

موضوع کا خاکہ:

یہ تالیف ایک مقدمہ تین ابواب اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے:

مقدمہ:

مقدمے میں موضوع کا تعارف، اس کی اہمیت اور غرض و غایت کے بیان کے علاوہ اس موضوع پر باقاعدہ لکھنے کی ضرورت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

تمہید:

اس میں حدیث، خبر، اثر اور سنت کے مابین نسبتوں کو بیان کیا گیا ہے۔

باب اول:

حدیثِ ضعیف اور اسبابِ ضعف۔

اس میں دو فصلیں ہیں۔

فصل اول:

فصل اول میں ضعف کے وہ اسباب ذکر کئے گئے ہیں جو انقطاعِ سند کے باعث

وجود میں آتے ہیں۔

فصل دوم:

فصل دوم میں اُن اسباب کا ذکر ہے جن کی بنا پر رواۃ سند مجروح قرار دئے جاتے ہیں۔

باب دوم:

حدیث ضعیف سے استدلال اور تعامل سلف میں اس کی حیثیت۔

اس میں دو فصلیں ہیں۔

فصل اول:

عقائد میں ضعیف حدیث کا مقام۔

اس میں اس امر کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ عقائد کے باب میں ضعیف حدیث اور خبر واحد کی کیا حیثیت ہے۔

فصل دوم:

احکام و فضائل میں ضعیف حدیث سے استدلال اور تعامل سلف میں اُس کی حیثیت۔

اس میں بیان ہے اس امر کا کہ ضعیف حدیث کی احکام و فضائل میں کیا حیثیت ہے؟ اس بارے میں جمہور فقہاء و محدثین کی تصریحات کس امر کی نشاندہی کر رہی ہیں؟ نیز ان کا تعامل کیا ظاہر کرتا ہے؟

باب ثالث:

ضعیف حدیث کے بارے میں منفی پہلو۔

اس میں دو فصلیں ہیں۔

فصل اول:

اس میں فضائل اور ترغیب و ترہیب کی کتابوں پر ہونے والے اعتراضات و اشکالات کا جائزہ لیا گیا ہے۔

فصل دوم:

ضعیف حدیث کے بارے میں منفی رویوں کا تنقیدی جائزہ۔

اس میں ان حضرات کا تعارف کرایا گیا ہے جنہوں نے جمہور کے مسلک اعتدال کو چھوڑ کر تشدد کی راہ اختیار کی ہے۔

خاتمہ:

خلاصہ کلام اور نتائج کا مختصر تذکرہ۔

شکر

بندہ چھ سال اس مقالہ کی ترتیب و تالیف میں مصروف رہا، اس دوران جن حضرات نے میرے ساتھ جو بھی تعاون کیا ہے، میں ان سب کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ ان سب کو اس کا صلہ عطا فرمائے، سب سے پہلے اپنے مادر علمی جامعہ فاروقیہ کراچی اور اس کے بانی حضرت مولانا شیخ سلیم اللہ خان صاحب کا میں زیر بار احسان ہوں، پھر اپنے تخلص فی الحدیث کے اساتذہ: مولانا محمد انور صاحب، مولانا نور البشر صاحب، اور مولانا ساجد احمد صدوی صاحب کا شکر گزار ہوں، جن کی قدم قدم رہنمائی سے بندہ اس مشکل موضوع پر مقالہ لکھنے میں کامیاب ہوا، مولانا عبداللہ معرونی (استاذ تخلص فی الحدیث دارالعلوم دیوبند) کے ایک مقالے ”فضائل اعمال پر اعتراضات ایک اصولی جائزہ“ سے استفادہ پران کا بھی شکر گزار ہوں۔ مولانا عبدالماجد صاحب (استاذ تخلص فی الحدیث جامعہ فاروقیہ کراچی)، مفتی اسد اللہ خان صاحب (مختص فی الحدیث والفقہ بنوری ٹاؤن کراچی، مدرس جامعہ امداد العلوم الاسلامیہ مسجد درویش پشاور)، مفتی احمد عبداللہ صاحب (فاضل و مختص فی الفقہ جامعہ اسلامیہ راولپنڈی و خطیب جامع مسجد امیر حمزہ فالکن کمپلیکس راولپنڈی)، مفتی مطیع الرحمن صاحب (مختص فی

الحدیث بنوری ٹاؤن کراچی)، مفتی طارق امیر خان صاحب (متخصص فی الحدیث جامعہ فاروقیہ کراچی) اور مفتی سمیع الرحمن صاحب (متخصص فی الفقہ جامعہ فاروقیہ کراچی) کا بھی ان کے خصوصی تعاون پر احسان مند ہوں۔

راقم الحروف

خاک پائے علماء دیوبند محمد انور بن عالمگیر کوہستانی
فاضل و متخصص فی الحدیث جامعہ فاروقیہ شاہ فیصل کالونی کراچی

۲۸/۷/۱۴۳۵ھ بمطابق ۲۸/۵/۲۰۱۴م

تمہید

حدیث نبوی کی تعریف:

حدیث کی لغوی تعریف:

لغت میں حدیث مطلق بات چیت (تھوڑی ہو یا زیادہ) کو کہتے ہیں، اور اس کی جمع خلاف قیاس ”احادیث“ کے وزن پر آتی ہے۔ چنانچہ ”الصحاح“ میں ہے: ”الحدیث: الخبر ”یأتي على القليل والكثير“ ويجمعه أحاديث على غير القياس“ (۱) اور ”لسان العرب“ میں بھی یہی ہے:

”الحدیث: الخبر ”یأتي على القليل والكثير“ وجمعه أحادیث على غير القياس“ (۲)

قرآن مجید میں لفظ حدیث کا استعمال:

قرآن کریم میں لفظ حدیث کا استعمال مختلف معنوں میں ہوا ہے۔

(۱) اخبار (خبر دینے) کے معنی میں جیسے: ﴿أَتَحَدِّثُونَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ﴾ (۳)

(ترجمہ) ”تم کیا مسلمانوں کو وہ باتیں بتلا دیتے ہو جو اللہ تعالیٰ نے تم پر منکشف کر دی ہیں“ (بیان القرآن)۔

(۲) کلام کے معنی میں: ﴿وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ حَدِيثًا﴾ (۴)

۱۔ الصحاح: ۲/۸۱: باب الثاء فصل الحاء

۲۔ لسان العرب ۲/۱۳۳ فصل الحاء

۳۔ البقرہ: ۷۶

۴۔ النساء: ۸۷

(ترجمہ) ”اور خدا تعالیٰ سے زیادہ کس کی بات سچی ہوگی“ (بیان القرآن)۔

(۳) قرآن کریم کے معنی میں: ﴿فَلْيَأْتُوا بِحَدِيثٍ مِّثْلِهِ﴾ (۱)

(ترجمہ) ”تو یہ لوگ اس طرح کا کوئی کلام لے آئیں“۔ (بیان القرآن)

(۴) قصص کے معنی میں: ﴿اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ﴾ (۲)

(ترجمہ) ”اللہ تعالیٰ نے بڑا عمدہ کلام نازل فرمایا ہے“۔ (بیان القرآن)

(۵) عبرت کے معنی میں: ﴿فَجَعَلْنَاهُمْ أَحَادِيثَ﴾ (۳)

(ترجمہ) ”سو ہم نے ان کو افسانہ بنا دیا“۔ (بیان القرآن)

آپ ﷺ کے کلام مبارک میں لفظ حدیث کا استعمال:

حضور ﷺ نے اپنے کلام مبارک پر خود لفظ حدیث کا اطلاق فرمایا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

(۱) ”من حدث عني بحديث يرى أنه كذب فهو أحد الكاذبين“ (۴)

(۲) عن أبي هريرة قال: قلت: يا رسول الله! من أسعد الناس

بشفاعتك يوم القيامة؟ قال رسول الله ﷺ: لقد ظننت

يا أبا هريرة أن لا يسئلني عن هذا الحديث أحد أول منك

لما رأيت من حرصك على الحديث. (۵)

(۳) ”من حدث عني حديثا وهو يرى أنه كذب فهو أحد

الكاذبين“۔ (۶)

۱۔ الطور: ۳۴

۲۔ الزمر: ۲۳

۳۔ السبا: ۱۹

۴۔ مقدمہ الجامع الصحیح للإمام مسلم: ۹۱۔

۵۔ الجامع الصحیح للإمام البخاری: ص ۲۲: کتاب العلم، باب الحرص علی الحدیث

۶۔ الجامع الترمذی: ۳۹۷/۴: کتاب العلم، باب فی من روى حدیث وهو یرى أنه کذب

حدیث کی اصطلاحی تعریف:

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (۱) نے حدیث کی تعریف اس طرح کی ہے:

”المراد بالحدیث فی عرف الشرع ما یضاف إلی النبی ﷺ“: (۲)

(ترجمہ) ”شریعت کے اصطلاح میں حدیث ہر اس چیز کا نام ہے جس کی نسبت حضور ﷺ کی طرف ہو۔“

۱۔ شہاب الدین ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن حجر کنعانی عسقلانی شافعی ۱۲ شعبان ۷۳۳ھ کو قاہرہ میں پیدا ہوئے، کچھ عرصہ میں والدہ کا انتقال ہو گیا پھر چار برس کی عمر میں پدر بزرگوار کا سایہ بھی سر سے اٹھ گیا۔ طلب علم کے لئے مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، زبید، عدن، اسکندریہ، فارس، شام، حلب، حجاز اور یمن میں سیاحت کر کے چشمہ علم سے سیرابی حاصل کی۔ آپ کو مختلف فنون میں کمال حاصل تھا سب سے پہلے ادب و تاریخ پر توجہ دی۔ دونوں میں آپ فائق تھے۔ فقہ اور عربیت میں ممتاز تھے، شعر و سخن کا فطری ذوق تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو زبردست ذکاوت اور قوت حافظہ سے نوازا تھا، آپ اپنے زمانے میں بلا اختلاف ”امیر المؤمنین فی الحدیث“ تھے اسماء رجال میں بھی امامت کا مرتبہ حاصل تھا، موصوف کی زندگی کا بیشتر حصہ علم دین خصوصاً حدیث شریف کی خدمت، اس کی نشر و اشاعت، درس و تدریس اور تصنیف و افتاء میں بسر ہوئی ہے۔ قاہرہ کے بڑے مدارس میں مدت تک آپ نے تفسیر، حدیث اور فقہ کی تعلیم دی۔ ۲۸ ذی الحجہ ۸۵۲ھ کو اس دار فانی سے عالم جاودانی کو رحلت فرما گئے۔ جنازہ میں بڑا ہجوم تھا، خلیفہ وقت اور اراکین و عمائد سلطنت حاضر تھے، امراء و اکابر کا یہ حال تھا کہ کاندھا دینے کے لئے جنازہ پر ٹوٹ پڑتے تھے۔ جنازہ کے بعد آپ کی نعش کو اٹھا کر قراۃ صغریٰ میں لایا گیا اور جامع دیلی کے بالمقابل بنو الخربی کے قبرستان میں اس علم کے شہاب ثاقب کو سپرد خاک کیا گیا۔ چند مشہور تصانیف: فتح الباری شرح صحیح البخاری، الاصابہ فی تمییز الصحابہ، النخیس الحیم، لسان المیزان۔ مزید حالات کے لئے دیکھئے الضوء الملامع لایل القرن التاسع: ۱۳۶/۲ الجواہر والدرر فی ترجمہ شیخ الاسلام ابن حجر: ۱۲۶-۱۱۲۸، اور بستان المحدثین: ص ۳۰۲۔

علامہ سخاوی رحمہ اللہ^(۱) اور ملا علی قاری رحمہ اللہ^(۲) نے حدیث کی تعریف ان الفاظ میں کی

ہے:

۱۔ ابوالخیر، شمس الدین، محمد بن عبد الرحمن بن محمد بن ابی بکر سخاوی شافعی، ربیع الاول ۸۳۱ھ میں پیدا ہوئے۔، بچپن میں قرآن مجید حفظ کیا۔ حفظ قرآن مجید کے بعد بہت سے علوم و فنون کی کتابیں یاد کیں۔ دوسرے علوم کے ساتھ حدیث، فقہ، قرأت، تاریخ اور عربیت میں ممتاز مقام حاصل کیا۔ موصوف نے طلب علم کے لئے حلب، دمشق اور بیت المقدس وغیرہ امصار بعیدہ کا سفر کیا، تذکرہ نگاروں کا اس امر پر اتفاق ہے کہ حافظ ابن حجر کے شاگردوں میں ان کا سہم و شریک نہیں، قاہرہ میں درس و تدریس کا شغل اختیار کیا۔ ۸۵۰ھ سے تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع ہوا مصر میں عہدہ قضاء بھی ان کو پیش کیا گیا مگر موصوف نے اس کو قبول نہیں کیا۔ حفاظ حدیث میں ان کا شمار ہوتا ہے اور فن جرح و تعدیل میں بھی مسلم امام ہیں۔ بعض اہل علم کا قول ہے کہ علم جرح و تعدیل کی ان پر انتہا ہو گئی۔ یہاں تک کہا گیا کہ علامہ ذہبی کے بعد کوئی ایسا شخص پیدا نہیں ہوا جو ان کی طرز پر چلا ہو۔ ۲۸ شعبان ۹۰۲ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا اور جنت البقیع میں امام مالک کے پہلو میں دفن ہوئے۔ مشہور تصانیف: فتح المغیث، القول البدیع، المقاصد الحسنة۔ مزید حالات کے لئے دیکھئے: شذرات الذہب فی أخبار من ذہب: ۴۶/۸-۴۸، اور الضوء اللامع لاہل القرن التاسع: ۲۸-۳۴

۲۔ علی بن سلطان محمد قاری ہروی حنفی، ہرات میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم وطن میں حاصل کی پھر مکہ معظمہ میں کبار علماء سے حدیث کی تکمیل کی۔ تفسیر، قرأت، حدیث اور فقہ میں کمال حاصل کیا۔ علوم معقولہ میں مہارت پیدا کی پھر حرم میں درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کا شغل اختیار کیا جس سے عالم کو فائدہ پہنچا۔ موصوف نے فن خطاطی میں بھی کمال حاصل کیا اور یہی فن شریف گزر بسر کا ذریعہ بنا۔ علامہ موصوف کو معانی حدیث کی وضاحت اور مطالب کی تشریح میں ید طولی حاصل تھا۔ حدیث کی توجیہ اور فقہ حدیث پر خوب کلام کرتے ہیں۔ ان کی ژرف نگاہی اور جلالت علمی پر تذکرہ نگاروں کا اتفاق ہے۔ مورخ عصامی لکھتے ہیں: موصوف رئیس العلماء اور یکتائے زمانہ عالم تھے۔ انتقال شوال ۱۰۱۴ھ میں مکہ معظمہ میں ہوا اور جنت المعلىٰ میں دفن کئے گئے۔ چند مشہور تصانیف: مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاة المصابیح، موضوعات الکبریٰ، شرح فقہ اکبر۔ مزید حالات کے لئے دیکھئے: البدر الطالع بحاسن من بعد القرن السابع: ۱۱،

”ما أضيف إلى النبي ﷺ قولاً أو فعلاً أو تقريراً أو صفةً حتى الحركات والسكنات في اليقظة والمنام“: (۱)

(ترجمہ) ”حدیث ہر اس چیز کا نام ہے، جس کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف کی گئی ہو، خواہ وہ قول ہو، یا فعل ہو، یا تقریر کے قبیل سے ہو یا کوئی اور بیان ہو، یہاں تک کہ نیند اور بیداری میں صادر ہونے والے حرکات و سکنات کے بیان کو بھی حدیث کہا جاتا ہے۔“

علامہ طیبی رحمہ اللہ (۲) لکھتے ہیں:

”والسلف أطلقوا الحديث على أقوال الصحابة والتابعين لهم بإحسان وآثارهم وفتاواه“: (۳)

- ۱- فتح المغیث بشرح الکفیۃ الحدیث: ۱۲/۱، شرح شرح نخبۃ الفکر: ص ۱۵۳۔
- ۲- شرف الدین حسین بن عبد اللہ بن محمد طیبی شافعی، اپنے زمانہ کے نامور فقیہ، محدث اور مفسر تھے۔ موصوف موروثی مال دار اور تاجر تھے ہمیشہ دولت خیر کے کاموں میں خرچ کرتے رہے؛ یہاں تک کہ اخیر عمر میں فقیر ہو گئے تھے۔ علامہ نحی، متواضع اور صحیح العقیدہ تھے۔ بلاد اسلامیہ پر فلسفیوں اور بدعتیوں کے غلبہ پالینے کے وقت بھی ان کی سختی سے تردید کرتے تھے۔ خدا اور رسول کی محبت میں سرشار اور بڑے باحیا تھے۔ اخیر عمر میں ضعف بصارت کے باوجود پانچوں نمازوں کو باجماعت ادا کرنے جاتے تھے۔ قرآن اور سنت سے باریک باتوں کے نکال لینے میں اللہ کی ایک نشانی تھے۔ علامہ شعرانی لکھتے ہیں: موصوف صوفی، نحوی، فقیہ اور اصولی تھے۔ مشکل ہی سے یہ صفات کسی عالم میں جمع ہوئی ہوں گی۔ علامہ صبح سے ظہر تک تفسیر میں اور ظہر سے عصر تک بخاری کے سنانے میں مصروف رہتے تھے۔ ان کا یہ معمول مرتے دم تک قائم رہا، انتقال کے روز تفسیر سے فارغ ہو کر حدیث کی مجلس میں جانے کے لئے گھر کے پاس مسجد میں داخل ہوئے، نفل بیٹھ کر پڑھے اقامت کے انتظار میں قبلہ رو بیٹھے ہوئے ۲۳ شعبان ۷۴۳ھ کو روح پرواز کر گئی۔ تصانیف: الکاشف عن حقائق السنن، الخلاصۃ فی اصول الحدیث، فتوح الغیب فی الکشف عن قناع الریب، مزید حالات کے لئے دیکھئے: الدرر الکامیۃ فی أعیان الملتی الثامیۃ: ۳۹/۲، اور شذرات الذہب فی أخبار من ذہب: ۳۱۵/۶۔

۳- الخلاصۃ فی أصول الحدیث: ص ۳۰۔

(ترجمہ) ”سلف نے صحابہ اور تابعین کرام کے اقوال و آثار اور ان کے فتاویٰ پر بھی حدیث کا اطلاق کیا ہے۔“

کیا صحابہ کرام اور تابعین کے آثار بھی احادیث ہیں؟

حضرات محدثین کا موضوع چونکہ حدیث ہی ہوتا ہے اس لئے وہ اس کی تمام جہات سے بحث کرتے ہیں، چنانچہ اسی سبب سے صحابہ اور تابعین کے اقوال پر بھی حدیث کا اطلاق کرتے ہیں۔ اس لیے عموماً احادیث کی کتابوں میں حضور ﷺ کی احادیث کے ساتھ آثار صحابہ و تابعین بھی ذکر کیے جاتے ہیں۔ اجمالاً یہ حضرات ہر ایک پر حدیث کا اطلاق کرتے ہیں، البتہ تفصیل میں جا کر ان میں سے ہر ایک کو مستقل نام دے دیتے ہیں، لہذا حدیث رسول ﷺ کو حدیث مرفوعہ، اور حدیث صحابی کو حدیث موقوف اور حدیث تابعی کو حدیث مقطوع کہتے ہیں۔

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ عملی اعتبار سے ان تینوں کی حیثیت بھی ایک جیسی ہے، بلکہ حدیث سے اکثر و بیشتر حدیث رسول ﷺ ہی مراد ہوتی ہے، جس کا مقام سب سے بلند ہے۔ ہاں اس میں کوئی شک نہیں کہ حدیث مرفوعہ کے بعد حدیث موقوف اور حدیث مقطوع کو بھی اہمیت حاصل ہے، اسی اہمیت کی وجہ سے محدثین نے ان کے ذکر کرنے کا اہتمام کیا ہے۔ یہ بات نہیں کہ جب صحابی اور تابعی پر بھی حدیث کا اطلاق کیا گیا تو ان کو بھی وہی حیثیت مل گئی جو مرفوعہ حدیث کی ہے، اور احکامات کے استنباط کے لحاظ سے ہر ایک کا یکساں مقام ہے۔ بعض حضرات کو اس حقیقت کا پتہ نہیں چلا، لہذا انہیں یہاں یہ تسامح لگ گیا، چنانچہ ”قطرات العطر شرح نخبۃ الفکر“ میں ہے:

”اس سے بھی معلوم ہوا کہ صحابہ اور تابعین کے فتاویٰ کو متقدمین حدیث کہتے تھے، امام اعظم کے اقوال، افعال اور تقریرات بھی حدیث ہے۔ اس تعریف کے اعتبار سے سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اقوال و افعال و تقریرات بھی حدیث کہلائیں گے۔ جو لوگ امام صاحب کے اقوال کے مخالفت کرتے ہیں وہ گویا

احادیث کی مخالفت کرتے ہیں۔“ (۱)

حضرات محدثین کے درمیان حدیث کی تعریف کا فرق صرف تعبیری ہے، نفس الامر میں وہ تابعی، صحابی اور رسول اللہ ﷺ کے اقوال، افعال اور تقریرات کی مستقل حیثیت اور احکام کے قائل ہیں اور یہ ایک طے شدہ اصول ہے ”ولا مناقشتہ فی الاصطلاح“ البتہ صحابی اور رسول اللہ ﷺ کے اقوال، افعال اور تقریرات کے لئے مستعمل لفظ کا تابعی کے لئے اطلاق کرنا، تابعی اور غیر تابعی کے مابین اختلافی تناظر میں ترجیح تابعی کے سوا کوئی معنی نہیں رکھتا۔

حدیث کی وجہ تسمیہ:

حضور ﷺ کے افعال، اقوال، اعمال اور احوال کو حدیث سے تعبیر کرنا کوئی خود ساختہ اصطلاح نہیں بلکہ خود قرآن کریم ہی سے مستنبط ہے۔ قرآن کریم میں دین کو نعمت فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری ہے:

﴿وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ ط وَمَا أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنَ الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهِ﴾ (۲)

(ترجمہ) ”اور حق تعالیٰ کی جو تم پر نعمتیں ہیں ان کو یاد کرو اور اس کتاب اور حکمت کو جو اللہ تعالیٰ نے تم پر اس حیثیت سے نازل فرمائی ہیں کہ تم کو ان کے ذریعہ سے نصیحت فرماتے ہیں۔“ (بیان القرآن)

اور تکمیل دین کے سلسلہ میں فرمایا:

﴿الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتِمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي﴾ (۳)

(ترجمہ) ”آج کے دن تمہارے لئے تمہارے دین کو میں نے کامل کر دیا اور میں نے تم پر اپنا انعام تمام کر دیا۔“ (بیان القرآن)

۱۔ قطرات العطر شرح نخبۃ الفکر: ص ۲۷

۲۔ البقرہ: ۲۳۱

۳۔ المائدہ: ۳

دیکھئے ان دونوں آیتوں میں قرآن حکیم نے دین کو ”نعمت“ کہا ہے اور سورہ ”الضحیٰ“ میں آنحضرت ﷺ کو اسی نعمت کی نشر و اشاعت کو تحدیث سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ﴿وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ﴾ (۱) اور اپنے رب کے انعامات کا تذکرہ کرتے رہا کیجئے۔

بس آپ ﷺ کی اسی تحدیثِ نعمت کو حدیث کہتے ہیں:

یہی نہیں بلکہ سابقہ انبیاء علیہم السلام کے اقوال، اعمال اور احوال کے لئے خود قرآن مجید میں متعدد مقامات پر ”حدیث“ ہی کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

چنانچہ سورہ ”الذاریات“ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ اس طرح شروع ہوتا ہے ﴿هَلْ أَتَاكَ حَدِيثٌ ضَيفَ إِبْرَاهِيمَ الْمُكْرَمِينَ﴾ (۲)

(ترجمہ) ”کیا ابراہیم علیہ السلام کے معزز مہمانوں کی حکایت آپ تک پہنچا ہے۔“

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حالات میں ایک جگہ نہیں، دو جگہ فرمایا ہے ﴿وَهَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ مُوسَى﴾ (۳)

(ترجمہ) ”کیا آپ کو موسیٰ علیہ السلام کا قصہ پہنچا ہے۔“ (بیان القرآن)

خود حضور ﷺ کے قول مبارک کے لئے بھی قرآن حکیم میں ”حدیث“ کا لفظ موجود ہے۔

﴿وَإِذَا سَرَّ النَّبِيُّ إِلَىٰ بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا﴾ (۴)

”اور جبکہ پیغمبر نے اپنی کسی بی بی سے ایک بات چپکے سے فرمائی۔“

حدیث کی وجہ تسمیہ کے بارے میں اربابِ فن کی آراء:

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اس بارے میں رقمطراز ہیں:

”المراد بالحدیث فی عرف الشرع ما یضاف إلی النبی وکأنه أرید به

۱۔ سورۃ الضحیٰ: ۱۱

۲۔ سورۃ الذاریات: ۲۴

۳۔ سورۃ طہ: ۹

۴۔ التحریم: ۳

مقابله القرآن لانه قدیم“ (۱)

(ترجمہ) ”یعنی عرف شرع میں حدیث اُسے کہا جاتا ہے جو آپ ﷺ کی طرف منسوب ہو۔ اور جو بھی امر آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب ہو اسے قرآن کے مقابلہ میں ہونے کی وجہ سے جو کہ قدیم ہے ”حدیث“ کہتے ہیں۔“

علامہ سیوطی رحمہ اللہ (۲) حدیث کی تعریف یوں کرتے ہیں:

”أما الحديث فأصله: ضد القديم، وقد استعمل في قليل الخبر وكثيره لأنه محدث شيئاً فشيئاً“ (۳)

(ترجمہ) ”یعنی حدیث قدیم کی ضد ہے اس کا اطلاق خبر قلیل و خبر کثیر دونوں پر ہوتا ہے اور خبر ایک مرتبہ صادر نہیں ہوتی بلکہ تدریجاً اس کا ظہور ہوتا ہے اور خبر ہونے کی یہ شان حضور ﷺ کی احادیث میں موجود ہے اس لیے اس کو حدیث کہتے ہیں۔“

۱۔ فتح الباری شرح صحیح البخاری: ۵۷۱۔

۲۔ ابوالفضل جلال الدین عبدالرحمان بن کمال الدین ابی بکر بن محمد سیوطی شافعی، یکم رجب ۸۴۹ھ کو قاہرہ میں پیدا ہوئے، ابھی وہ پانچ برس کے تھے کہ پدر بزرگوار شیخ کمال الدین کا انتقال ہو گیا، مگر پھر بھی اپنے زمانے کے کبار علماء سے علم حاصل کیا۔ تحصیل علوم کے بعد ملک کی مشہور درسگاہوں میں تدریس کے اعلیٰ عہدوں پر ممتاز ہوئے۔ متاخرین علمائے اسلام میں علامہ موصوف کو اپنی علمی خدمت کی بناء پر جو شہرت اور قبولیت حاصل رہی ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ وہ نہایت باکمال ائمہ فتون میں سے تھے فطرت کی طرف سے ان کی ذات میں بہت سی خصوصیات اور خوبیاں ودیعت کی گئی تھیں۔ درس و تدریس، تصنیف و تالیف، افتاء و قضاء، رشد و ہدایت اور تقویٰ و طہارت میں انہیں کمال حاصل تھا۔ علامہ موصوف نامور مصنف، بلند پایہ مفسر، محدث، فقیہ، ادیب، شاعر، مورخ اور لغوی تھے، بلکہ اپنے زمانہ کے مجدد تھے۔

وفات شب جمعہ ۱۹ جمادی الاولیٰ ۹۱۱ھ کو اپنے مکان روضۃ المقیاس میں پائی۔ چند مشہور تصانیف: تفسیر درمنثور، تدریب الراوی، تاریخ الخلفاء، مزید حالات کے لئے دیکھئے: شذرات الذهب فی أخبار من ذهب ۸۷۸-۹۰، اور فوائد جامعہ برعجالہ نافعہ: ص ۳۵۵-۳۵۷

۳۔ تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی: ۲۹۱

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ^(۱) ایک لطیف توجیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: کہ حدیث کا نام مقتبس اور ماخوذ ہے قرآن پاک کی آیت ﴿أَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ﴾ سے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ سورہ ”الضحیٰ“ کے آخر میں حق تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ پر اپنے تین احسانات ذکر کر کے ان کا شکریہ ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔ پہلا احسان یہ بتایا ﴿أَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا فَآوَى﴾ (کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو یتیم نہیں پایا پھر ٹھکانا دیا)۔ (بیان القرآن)

اس کا شکریہ آگے یہ ارشاد فرمایا ہے ﴿فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ﴾ تو آپ یتیم پر سختی نہ کیجئے۔ دوسرا احسان: یہ بتایا ﴿وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَى﴾ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے خبر پایا سو راستہ بتلایا۔ اس کا شکریہ یہ ہے کہ ﴿وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ﴾ علوم و معارف ملنے کی جو نعمت ہے آپ اس کو لوگوں کے سامنے بیان کیجئے۔ یہی چیزیں جو آپ بیان فرماتے ہیں انہیں حدیث کہا جاتا ہے تو ”حدث“ سے اقتباس کر کے آپ کی باتوں کا نام حدیث رکھ دیا ہے۔

تیسرا احسان: یہ بتایا ﴿وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَى﴾ کہ آپ مفلس تھے آپ کو غنی بنا دیا اس کا

۱۔ شیخ الاسلام شبیر احمد عثمانی بن فضل الرحمان دیوبندی حنفی، ماہ محرم ۱۳۰۵ھ کو پیدا ہوئے حصول علم اپنے زمانے کے کبار علماء سے کیا۔ موصوف بڑے جلیل القدر مفسر، محدث، جامع معقول و منقول، بحر بیان متکلم، عالی قدر مصنف و انشا پرداز، میدان سیاست کے بطل جلیل، زاہد، عابد و تقویٰ شعار تھے، آپ نے ۱۳۲۵ھ میں علوم سے فراغت حاصل کی، پہلے مدرسہ فتح پوری کے صدر نشین ہوئے، پھر سالہا سال دارالعلوم دیوبند میں درس حدیث دیا۔ آپ کے مسلم شریف کے درس کی بہت شہرت تھی، ۱۳۴۶ھ کی تحریک اصلاح دارالعلوم میں شاہ صاحب اور دیگر اساتذہ کی پوری ہمنوائی کی، ڈابھیل تشریف لے گئے اور جامعہ گجرات کی مسند درس حدیث کو زینت بخشی، بقول مولانا عبید اللہ سندھی آپ حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کی قوت بیانہ کے مثل تھے، تقریر و تحریر دونوں لا جواب تھیں، جس موضوع پر قلم اٹھایا اس کا حق ادا کر گئے، انتقال، ۲۱ صفر ۱۳۶۹ھ کو ہوا، چند مشہور تصانیف: فتح الملہم شرح صحیح مسلم، اعجاز القرآن، لطائف الحدیث، مزید حالات کے لئے دیکھئے: مقدمہ فتح الملہم شرح صحیح مسلم: ۳-۶، اور انوار الباری شرح صحیح البخاری: ۴۳۸/۱

شکریہ یہ ہے کہ ﴿أما السائل فلا تنهر﴾ اور سائل کو مت جھڑکیے۔ (۱)
خبر کی تعریف اور خبر و حدیث میں فرق:

خبر کی لغوی تعریف:

”الخبر النبأ“ (۲) یعنی خبر دینا۔

خبر کی اصطلاحی تعریف:

حدیث اور خبر کے درمیان کیا نسبت ہے؟ اس بارے میں تین قول ہیں:

پہلا قول: دونوں کے مابین مترادف کی نسبت ہے۔

دوسرا قول: دونوں میں عموم و خصوص مطلق کی نسبت ہے، اس لئے کہ حدیث کا اطلاق آپ

ﷺ کے اقوال و افعال وغیرہ پر ہوتا ہے، اور خبر عام ہے احادیث نبوی اور اخبارِ سلاطین و ملوک

دونوں کو شامل ہے۔

تیسرا قول: دونوں میں تباین کی نسبت ہے کہ حدیث کا تعلق رسول اللہ ﷺ سے اور خبر کا

تعلق غیر رسول سے ہے، چنانچہ اسی مناسبت سے تاریخ کا مشغلہ رکھنے والے کو ”اخباری“ جبکہ

حدیث کا مشغلہ رکھنے والے کو ”محدث“ کہا جاتا ہے۔ (۳)

اثر کی تعریف اور حدیث و اثر میں فرق:

اثر کی لغوی تعریف:

”الأثر: بقية الشيء“ (۴) ”کسی چیز کا باقی ماندہ حصہ“۔

۱۔ فتح الملہم شرح صحیح مسلم: ۲۱/۱

۲۔ لسان العرب: ۳/۲۲۷: فصل الحاء

۳۔ نزہۃ النظر شرح نخبة الفكر: ص ۳۷۔ تدریب الراوی فی شرح تقریب

النواوی: ۱/۲۹، توجیہ النظر الی اصول الأثر: ۱/۴۰۔ ظفر الامانی بشرح سید شریف

حرجانی: ص ۲۴

۴۔ لسان العرب: ۳/۵: فصل الالف

اثر کی اصطلاحی تعریف اور حدیث و اثر میں فرق:

حدیث اور اثر کے مابین نسبت کے بارے میں تین قول ہیں:

پہلا قول: دونوں کے مابین مترادف کی نسبت ہے۔

دوسرا قول: دونوں میں عموم و خصوص مطلق کی نسبت ہے؛ اس لئے کہ اثر عام ہے: مرفوع،

موقوف سب کو شامل ہے، جبکہ حدیث صرف مرفوع کو۔^(۱)

تاہم امام نووی رحمہ اللہ^(۲) نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ جمہور سلف و خلف کے نزدیک حدیث اور اثر میں کوئی فرق نہیں ہے، دونوں کا اطلاق احادیث مرفوعہ و موقوفہ ہی پر ہوتا ہے

۱۔ تدریب الراوی فی شرح تقریب النوادی: ۲۹/۱ فتح المغیث بشرح الفیہ الحدیث: ۱/۷۱ التوجیہ
النظر إلی أصول الأثر: ۴۰/۱

۲۔ ابوزکریا محی الدین یحییٰ بن شرف بن حسن بن حسین بن مری نووی شافعی، محرم ۶۳۱ھ میں
حوران کے ایک چھوٹے سے شہر نوی میں پیدا ہوئے ۶۴۹ھ میں دمشق آئے اور رواجہ میں
فروش ہوئے یہیں پڑھنا شروع کیا۔ علم کی تکمیل اپنے زمانہ کی نامور علماء کرام سے کی۔ فراغت
کے بعد درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں مشغول ہو گئے۔ آپ حدیث اور فنون حدیث کے
حافظ، رجال، صحیح اور سقیم حدیث کے ماہر تھے اور شافعی مذہب کے چوٹی کے عالم تھے۔ موصوف
ایسے اعلیٰ مراتب پر فائز تھے کہ اگر کسی کو ان میں سے کوئی ایک مرتبہ بھی حاصل ہو جائے تو وہ مرجع
خلاق بن جائے۔ علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ موصوف کو تین مرتبے اور مقامات حاصل تھے اور
ہر مرتبہ ایسا کہ اگر وہ کسی شخص کو حاصل ہو تو اس کی طرف سفر کر کے پہنچا جائے، علم، زہد اور امر
بالمعروف ونہی عن المنکر۔ آپ علم، ورع، عبادت، کم کھانے اور سخت تر زندگی بسر کرنے میں
یکتائے زمانہ تھے۔ دمشق میں دارالحدیث کے متولی اور صدر بھی رہے۔ وفات تک اسی منصب
پر فائز رہے۔ موصوف نے دو برس اس طرح گزارے کہ زمین پر کبھی پہلو نہیں لگا۔ ۲۴ رجب
۶۷۷ھ میں انتقال ہو گیا۔ چند مشہور تصانیف: شرح مسلم، ریاض الصالحین، تہذیب الاسماء
واللغات۔ مزید حالات کے لئے دیکھئے: طبقات الشافعیۃ الکبریٰ: ۴/۱۷۴-۴/۱۷۵، تذکرۃ
الحفاظ: ۴/۱۷۴-۱۷۶ اور صحیح مسلم مع شرح النووی: ۶۳/۱

علامہ عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ (۱) نے بھی اسی بات پر جمہور سلف و خلف کا اتفاق نقل کیا ہے، اور یہی جمہور کے ہاں مختار مذہب ہے۔

چنانچہ امام ابو جعفر طحاوی رحمہ اللہ (۲) نے اپنی کتاب کا نام ”شرح معانی الآثار“ رکھا ہے،

۱۔ ابوالحسنات عبدالحی بن عبدالحلیم لکھنوی حنفی ۲۶ ذوالقعدة بروز منگل ۱۲۶۴ھ کو پیدا ہوئے، علوم کی تحصیل اپنے والد ماجد سے کی اور سترہ سال کے عمر میں تحصیل علم سے فارغ ہو گئے تھے، موصوف کو اللہ تعالیٰ نے بچپن ہی سے درس و تدریس و تالیف کی محبت عطا فرمائی تھی؛ اس لئے ایسی کوئی کتاب نہیں کہ پڑھی ہو اور پڑھائی نہ ہو، موصوف کو تمام علوم میں مہارت تامہ حاصل تھی، یہی وجہ ہے کہ تقریباً کثر فنون میں کتابیں لکھیں ہیں۔ ۱۲۷۹ھ میں حرمین شریفین میں حاضر ہوئے، شیخ محدث سید احمد حلان سے ان تمام علوم کی اجازت حاصل کی جن کی اجازت ان کو اپنے شیوخ سے حاصل تھی۔ ایک عالم نے آپ کے علمی فیوض و برکات اور درس و تصنیف کے بحر بیکراں سے استفادہ کیا۔ بہت تھوڑی عمر میں اتنے کام کر گئے کہ حیرت ہوتی ہے۔ آپ کی تمام تصانیف نہایت گراں قدر علمی جواہر سے مرصع ہیں۔ انتقال ۱۳۰۴ھ کو ہوا، چند مشہور تصانیف: الرفع والکمیل فی الجرح والتعدیل، ظفر الامانی، الفوائد البہیہ فی تراجم الکھفہ، مزید حالات کے لئے دیکھئے: الرفع والکمیل: ص ۱۸-۳۳، اور انوار الباری شرح صحیح البخاری: ۴۰۵/۱۔

۲۔ ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامہ طحاوی حنفی ۲۳۹ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ طلب علم کے لئے اپنے مسکن سے مصر آئے اور اپنے ماموں امام مزنی کے پاس پڑھتے رہے۔ طلب علم کے لئے غزہ، عسقلان، طبریہ، بیت المقدس، دمشق، شام، خراسان، حجاز، مصر، عراق، وغیرہ کا سفر کیا۔ علمائے اسلام میں علامہ موصوف کو اپنی علمی خدمت کی بناء پر جو شہرت اور قبولیت حاصل رہی ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ امام ذہبی لکھتے ہیں: موصوف فقیہ، محدث، حافظ حدیث، ثقہ، ثبت، عاقل اور اعلام میں سے تھے۔ علامہ سمعانی فرماتے ہیں: ایسے بڑے امام ثقہ، ثبت، فقیہ و عالم تھے کہ اپنا مثل نہیں چھوڑا۔ موصوف جلیل القدر فقیہ، اختلاف علماء کے بڑے عالم اور تصنیف و تالیف کی بڑی بصیرت رکھنے والے، ان کے فضل، صدق، زہد و ورع پر علماء کا اتفاق ہے۔ فن اسماء رجال میں بھی موصوف کی رائے بطور سند کتب جرح و تعدیل میں مذکور ہوئی ہے۔ بلا اختلاف آپ اپنے زمانہ کے مجتہد اور مجدد تھے، ۳۲۱ھ کو قاہرہ میں انتقال ہوا۔ چند مشہور تصانیف: مشکل الآثار، شرح معانی الآثار، عقیدۃ الطحاوی۔ مزید حالات کے لئے دیکھئے الانساب: ۲۱۶/۲، اور تذکرۃ الحفاظ: ۲۱۲/۲، اور شذرات الذہب فی اخبار من ذہب: ۴۸۹/۲-۴۹۰

حالانکہ اس میں مرفوع احادیث بھی بکثرت موجود ہیں۔

نیز حافظ ابن جریر طبری رحمہ اللہ^(۱) نے بھی اپنی کتاب کا نام ”تہذیب الآثار“ رکھا ہے، جس میں صرف مرفوع احادیث ہی ہیں موقوف احادیث اگر ہیں بھی تو تبعاً مذکور ہیں۔^(۲)

تیسرا قول: دونوں میں بتاؤں کی نسبت ہے:

فقہاء خراسان نے اسی آخری قول کو لیا ہے اور اثر کی تعریف یوں کی ہے:

”أن الحديث اسم للمرفوع والأثر اسم للموقوف على الصحابة والتابعين“^(۳)

(ترجمہ) ”کہ حدیث کا اطلاق مرفوع پر اور اثر کا اطلاق موقوف و مقطوع پر کرتے ہیں۔“ اسی وجہ سے اس قسم کی احادیث کے محدث کو ”اثری“ کہتے ہیں۔ اسی مناسبت سے امام محمد رحمہ اللہ^(۴) نے اپنی اس کتاب کا نام جس میں انہوں نے

۱۔ ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید طبری، ۲۲۴ھ کو ”آمل طبرستان“ میں پیدا ہوئے، طلب علم کے لئے دور دراز شہروں کا سفر طے کیا۔ خطیب بغدادی لکھتے ہیں: مشہور مفسر، مورخ اور امام تھے۔ موصوف کتاب اللہ کی حفاظت کرنے والے، قرأت کے جاننے والے، معانی میں بصیرت رکھنے والے، فقہت میں مہارت رکھنے والے، سنت کو جاننے والے، صحیح اور سقیم کو سمجھنے والے اور ناسخ و منسوخ کو جاننے والے تھے۔ بغداد میں سکونت اختیار کی اور وہیں ۳۱۰ھ کو وفات پا گئے۔ چند مشہور تصانیف: تفسیر طبری، تاریخ طبری، تہذیب الآثار، مزید حالات کے لئے دیکھئے: البدایہ والنہایہ ۵/۱۲، اور شذرات الذہب فی اخبار من ذہب: ۲/۴۵۰

۲ ظفر الامانی بشرح سید شریف جرجانی ص ۱۲۵ معان النظر شرح نخبہ الفکر: ص ۱۱

۳ ظفر الامانی بشرح سید شریف جرجانی: ص ۲۶

۴ ابو عبد اللہ محمد بن الحسن بن فرقد شیبانی حنفی، ۱۳۲ھ میں پیدا ہوئے، ۱۴ سال کی عمر میں امام اعظم کی خدمت میں حاضر ہو کر علم حاصل کیا چار سال تک حاضر خدمت رہے پھر تکمیل امام ابو یوسف سے کی اور ان کے علاوہ امام اوزعی، امام ثوری، امام مالک وغیرہ سے بھی علم حدیث وغیرہ میں استفادہ کیا حتیٰ کہ باتفاق اہل علم فقہ کے بلند پایہ امام ہوئے، تفسیر و حدیث کے ماہر و حاذق اور لغت و ادب کے نازش روزگار مسلم استاد ہوئے۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

آثار موقوفہ ذکر کئے ہیں ”کتاب الآثار“ رکھا ہے۔

امام غزالی رحمہ اللہ (۱) نے بھی ”احیاء العلوم“ میں فقہاء خراسان ہی کی اصطلاح کو اختیار کیا

ہے۔

حوالہ بقیہ گزشتہ صفحہ.....

تاریخ فقہ شاہد ہے کہ کتب مشہورہ مؤلفہ مذاہب ائمہ متبوعین مدونہ، حجتہ اور اہم وغیرہ سب امام محمد کی کتابوں کی روشنی میں تالیف ہوئیں اور ایک عرصہ دراز تک ان کی کتابیں تمام مذاہب کے فقہاء کے ہاتھوں میں متداول رہی ہیں اور بے تکلف سب ان سے مستفید ہوتے رہے کیونکہ ان کے دلائل، وضوح بیان، دقت نظر اور تفریع مسائل کا بہترین اسلوب ان کے اپنے زمانہ کے بھی اکثر اعلام کے اعتبار سے اعلیٰ و فائق تھا چہ جائیکہ اس کا موازنہ بعد کے زمانہ سے کیا جائے۔ ۱۸۹ھ کو وفات پا گئے۔ چند مشہور تصانیف: مؤطا امام محمد، جامع صغیر، جامع کبیر۔ مزید حالات کے لئے دیکھئے: الجواہر المصیہ فی طبقات المحنفیہ: ص ۳۲۵، اور البدایہ والنہایہ ۴۸۱/۱۰ اور شذرات الذہب فی اخبار من ذہب: ۲۰-۱۷/۲

(۱) ابوالحارث محمد بن محمد بن محمد غزالی شافعی، ۴۵۰ھ میں پیدا ہوئے، ابتدائی تحصیل علم سرزمین طوس پر کی، پھر نیشاپور چلے گئے اور امام جوینی کے حلقہ درس میں شامل ہوئے۔ بہت کم مدت میں فنون متداولہ کی تعلیم سے فراغت حاصل کر لی، اور بہت کم عمر میں اپنے زمانے کے ممتاز علماء میں شمار ہونے لگے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد درس و تدریس میں مشغول ہو گئے۔ امام جوینی آپ کی ذات گرامی کو اپنے لئے وجہ افتخار سمجھتے تھے۔ علم فقہ کے امام ہوئے۔ اپنے مذہب کے بھی پورے واقف تھے اور دوسرے مذاہب کے بھی۔ طوس میں آپ نے ایک خانقاہ اور ایک مدرسہ بھی قائم کیا، خانقاہ میں دور دراز سے لوگ آتے اور کتاب فیض کرتے۔ آپ اپنی نگرانی میں انہیں مختلف وظائف کی تعلیم دیتے، حلقہ درس میں بھی طلباء کا ہجوم رہتا۔ آپ زیادہ تر تفسیر، حدیث اور تصوف کی کتابیں پڑھاتے، ۱۴ جمادی الاخریٰ بروز شنبہ ۵۰۵ھ میں وفات پائی۔ چند مشہور تصانیف: احیاء العلوم، المستصفی فی اصول الفقہ، جواہر القرآن۔ مزید حالات کے لئے دیکھئے: البدایہ والنہایہ: ۱۴/۱۵، اور طبقات الشافعیۃ الکبریٰ: ۴۱۶/۳-۵۳۶

علامہ ابن صلاح رحمہ اللہ (۱) نے بھی فقہاء خراسان کی اصطلاح کو اپنی کتاب میں نقل کرنے کے بعد بطور استشہاد ابوالقاسم الفورانی رحمہ اللہ کا قول بھی نقل کیا ہے:

”الْفُقَهَاءُ يَقُولُونَ: الْخَبْرُ مَا يَرَوِي عَنْ النَّبِيِّ ﷺ وَالْأَثَرُ مَا يَرَوِي عَنْ الصَّحَابَةِ“ (۲)
 ”کہ فقہاء خراسان کا کہنا ہے کہ خبر تو وہ ہے، جو آپ ﷺ سے روایت کی جائے،
 اور اثر وہ ہے، جو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہو۔“

چونکہ یہ اصطلاح بھی بکثرت مستعمل ہے، اس لئے علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ (۳) نے بھی

۱۔ تقی الدین ابو عمر عثمان بن عبد الرحمان بن عثمان ابن الصلاح شہر زوری شافعی کے ۵۷۰ھ کو شرخان میں پیدا ہوئے، تحصیل علم کے لئے موصل، بغداد، بلاد عجم، مرو، نیشاپور، ہمزان، حران، دمشق اور حلب وغیرہ کا سفر کیا، تحصیل علم کے بعد درس و تدریس میں مشغول رہے، سب سے پہلے مدرسہ ناصریہ میں، پھر مدرسہ رواجیہ میں اور آخر میں مدرسہ صلاحیہ میں مدرس بنے اور تیرہ سال تک دمشق کے دار الحدیث کی مسند کو زینت بخشی، موصوف تفسیر، حدیث، اصول حدیث فقہ، اور اسماء رجال کے بہت بڑے عالم تھے، تصنیف و تالیف کی بڑی بصیرت رکھنے والے، ان کے فضل، صدق، زہد و ورع پر علماء کا اتفاق ہے۔ فن اسماء رجال میں بھی موصوف کی رائے بطور سند، کتب جرح و تعدیل میں مذکور ہے، دمشق ہی میں ۶۴۳ھ کو فات پا گئے۔ چند مشہور تصانیف: معرفۃ انواع علم الحدیث، صیانت صحیح مسلم، طبقات فقہاء الشافعیۃ۔ مزید حالات کے لئے دیکھئے: طبقات الشافعیۃ الکبریٰ: ۴/۲۲۸-۴/۲۳۲، اور وفیات الاعیان و انباء ثبنا الزمان: ۱۱۶/۲

۲۔ معرفۃ انواع علم الحدیث ص ۱۱۸

۳۔ حافظ عماد الدین ابوالفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر دمشقی شافعی بصرہ کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں ۷۰۰ھ کو پیدا ہوئے۔ تحصیل علم میں دور دراز شہروں کا سفر کیا، آپ مشہور و معروف محدث، فقیہ، مورخ اور جامع معقول و منقول تھے۔ تحصیل حدیث اپنے زمانہ کے مشاہیر اساتذہ حدیث سے کی۔ فراغت کے بعد درس و تدریس، افتاء اور تصنیف و تالیف میں مشغول ہو گئے اور اس میں بھی فائق ہوئے۔ بڑے بڑے حفاظ حدیث و فضلاء عصر نے آپ سے کسب فیض کیا۔ علامہ ابن تیمیہؒ سے بھی استفادہ کیا، اور باوجود شافعی ہونے کے موصوف سے بڑا تعلق تھا، ۱۶ شعبان ۷۴۳ھ کو وفات پا گئے۔ چند مشہور تصانیف: تفسیر ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جامع المسانید۔ مزید حالات کے لئے دیکھئے: شذرات الذہب فی اخبار من ذہب: ۶/۴۳۲، اور

اپنی کتاب میں اس کو ذکر کیا ہے۔
چنانچہ موصوف لکھتے ہیں:

”ومن هذا يسمي كثير من العلماء الكتاب الجامع لهذا
(بالسنن والآثار) ككتايب (السنن والآثار) للطحاوي
والبيهقي وغيرهما“ (۱)

چنانچہ بہت سے علماء کی وہ کتابیں جو احادیث موقوفہ کی جامع ہو اس کا نام کتاب السنن والآثار
رکھتے ہیں، جیسے امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ اور امام بیہقی رحمہ اللہ (۲) کی کتابیں السنن والآثار کے نام
سے مشہور ہیں۔

سنت:

سنت کی لغوی تعریف:

”السنة: الطريقة“ (۳)

”سنت راستہ اور طریقہ کو کہتے ہیں، خواہ اچھا ہو یا برا۔“

۱ اختصار علوم الحدیث مع شرح الباعث الحثیث: ص ۴۳

۲۔ ابو بکر احمد بن الحسین بن علی بن عبد اللہ بیہقی شافعی، شعبان ۳۸۴ھ کو پیدا ہوئے، تحصیل علم کے
لئے مکہ مکرمہ، خراسان، عراق، حجاز، بغداد، وغیرہ شہروں کا سفر کیا، اور اپنے زمانہ کے کبار علماء
سے علم کی تکمیل کی، موصوف مشہور و معروف جلیل القدر محدث تھے، بڑی بڑی گراں قدر تصانیف
لکھیں۔ امام الحرمین شافعی کا قول ہے کہ دنیا میں سوائے امام بیہقی کے اور کسی کا احسان امام شافعی
پر نہیں، کیونکہ امام بیہقی نے اپنی تمام تصانیف میں امام شافعی کے مذہب کی تائید کی ہے اور اسی
وجہ سے ان کے مذہب کا رواج زیادہ ہوا۔ امام شافعی کی فقہ اور فن حدیث و علل میں پوری
مہارت رکھتے تھے۔ ۱۰ جمادی الاولیٰ ۴۵۸ھ کو وفات پائی۔ چند مشہور تصانیف: سنن الکبریٰ
، کتاب الاسماء والصفات، دلائل النبوة۔ مزید حالات کے لئے دیکھئے: طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ۲

۳۸۷-۳۵۱، اورستان الحمد شین: ص ۱۳۴-۱۳۵

۳۔ لسان العرب: ۲۲۶/۱۳: فصل السنین

اس کی دلیل نبی اکرم ﷺ کی یہ حدیث ہے:

”من سن في الاسلام سنة حسنة فعمل بها بعده، كتب له مثل أجر من عمل بها، ولا ينقص من أجورهم شيء ومن سن في الاسلام سنة سيئة، فعمل بها بعده، كتب عليه مثل وزر من عمل بها، ولا ينقص من أوزارهم شيء.“ (۱)

(ترجمہ) ”جس شخص نے اسلام میں کسی نیک کام کی بنیاد رکھی، تو اسے اس کا اجر ملے گا اور اس پر عمل کرنے والے تمام لوگوں کا بھی اور ان کی اجور میں سے کچھ کمی نہیں کی جائے گی۔ اسی طرح جس شخص نے اسلام میں کوئی برا طریقہ ایجاد کیا تو اس پر اس برائی کا گناہ ہوگا اور جو شخص اس پر عمل کرے گا اس کا بھی۔ اور ان کے گناہوں سے کچھ کمی نہیں کی جائے گی۔“

سنت کی اصطلاحی تعریف:

محدثین آپ ﷺ کی ذات مبارکہ سے صادر ہونے والے ہر قول، فعل، تقریر، جسمانی اور اخلاقی صفت کو سنت کہتے ہیں اگرچہ ان کا تعلق آپ کے زمانہ بعثت سے قبل ہی کیوں نہ ہو۔ مذکورہ تعریف کے لحاظ سے بعض محدثین کے نزدیک حدیث اور سنت دونوں ایک ہی چیز ہیں۔ (۲)

اصولیین کے نزدیک حضور ﷺ کی ذات مبارکہ سے منقول ہر قول، فعل، یا تقریر کو سنت کہتے ہیں۔ (۳)

اس صورت میں بھی، سنت اور حدیث میں مترادف کی نسبت ہوگی، لیکن بعض اصولیین دونوں میں عموم و خصوص مطلق کی نسبت بیان فرماتے ہیں یعنی حدیث فقط اقوال رسول کا نام ہے

۱۔ الجامع الاصح للإمام مسلم: ۳/۲۰۶۔

۲۔ السنۃ ومكانتها في التشريع الاسلامي: ص ۶۵

۳۔ فواتح الرحموت بشرح مسلم الثبوت: ۲/۱۱۷، شرح اللکوکب المیسر: ۲/۱۶۰

اور سنت قول، فعل، تقریر وغیرہ سب کو شامل ہے۔ چنانچہ اس رائے کو علامہ عمیر بن امیر اتقانی رحمہ اللہ^(۱) اور علامہ طاہر جزائری رحمہ اللہ^(۲) نے نقل فرمایا ہے۔^(۳)

فقہاء کے نزدیک جو فعل آنحضرت ﷺ سے ثابت ہو، مگر فرض اور واجب نہ ہو، اس کو سنت کہتے ہیں۔^(۴)

سنتِ قولی کی تعریف:

شرعی احکام سے متعلق جو بات آپ نے کسی موقع پر ارشاد فرمائی ہو۔ اس کو سنتِ قولی کہتے ہیں۔ مثلاً آپ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے: ”إنما الأعمال بالنیات۔“^(۵) کہ اعمال کا انحصار و مدار نیت پر ہے۔

۱۔ قوام الدین عمیر بن امیر غازی اتقانی حنفی، شوال ۶۸۵ھ کو پیدا ہوئے، اپنے زمانہ کے اکابر محدثین و اہل فضل سے تحصیل علوم کی۔ حدیث، فقہ، لغت و عربیت کے امام تھے۔ ایک مدت تک مدرسہ مشہد امام اعظم میں درس و تدریس اور قضاء و افتاء میں مشغول رہے۔ امام ذہبی کی وفات پر ظاہریہ میں مدرسہ دارالحدیث کے مدرس ہوئے ۲۱ شوال ۷۵۸ھ کو وفات پا گئے۔ چند مشہور تصانیف: التبیین، غایۃ البیان شرح ہدایہ، الشامل۔ مزید حالات کے لئے دیکھئے: الدرر الکامیۃ فی اعیان الملکۃ الثامیۃ: ۱/ ۲۲۲-۲۲۳ اور الطبقات السنیۃ فی تراجم الحنفیہ: ۲/ ۲۲۱، اور الفوائد البہیۃ فی تراجم الحنفیہ: ص ۵۰-۵۲

۲۔ طاہر بن صالح (محمد صالح) بن احمد بن مہوب سمعونی جزائری دمشقی، ۱۲۶۸ھ کو دمشق میں پیدا ہوئے، اپنے زمانہ کے اکابر علماء امت و اہل فضل سے تحصیل علوم کی، اصول حدیث، لغت و ادب کے بلند پایہ علماء میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ موصوف نے بیشتر وقت مخطوطات پر صرف کیا، ۱۳۳۵ھ کو دمشق میں وفات پا گئے۔ چند مشہور تصانیف: التبیان لبعض المباحث القرآن، التقریب الی اصول التعریب، توجیہ النظر۔ مزید حالات کے لئے دیکھئے: الاعلام ۲/ ۲۲۱-۲۲۲

۳۔ التبیین: ۱/ ۵۷۵، توجیہ النظر الی اصول الآثار: ۱/ ۴۰

۴۔ السنۃ و مکانتھا فی التشریع الاسلامی: ص ۶۶

۵۔ جامع الصحیح للامام بخاری: ص ۱

سنت فعلی کی تعریف:

صحابہ کرام نے عبادات یا دیگر معاملات سے متعلق حضور ﷺ کے جو افعال نقل کئے ہوں ان کو سنت فعلی کہتے ہیں۔ مثلاً نمازوں کی ادائیگی، احکام حج، آداب صیام وغیرہ۔^(۱)

سنت تقریری کی تعریف:

”تقریر“ سے مراد یہ ہے کہ کسی صحابی نے حضور ﷺ کے سامنے کوئی کام کیا ہو، یا کوئی بات کہی ہو اور اس پر آپ ﷺ نے سکوت^(۲) فرمایا ہو، نکیر نہ فرمائی ہو۔ مثلاً آپ ﷺ نے غزوہ خندق کے بعد صحابہ کو حکم دیا تھا کہ عصر کی نماز بنو قریظہ کے قبیلہ میں جا کر ادا کریں۔ بعض صحابہ نے اس حکم کو حقیقت پر محمول کیا۔ جب بنو قریظہ کے قبیلہ میں پہنچے تو مغرب کا وقت ہو چکا تھا۔ انہوں نے عصر کی نماز مغرب کے بعد ادا کی۔ بعض صحابہ نے سمجھا کہ آپ ﷺ کا مقصد یہ تھا کہ صحابہ جلد از جلد وہاں پہنچنے کی کوشش کریں، انہوں نے صحیح وقت پر راستہ میں عصر کی نماز پڑھ لی۔ جب آنحضرت ﷺ کو اس واقعہ کا علم ہوا تو آپ نے سکوت فرمایا اور کسی پر بھی نکیر نہ فرمائی۔^(۳)

سنت کے معنی و مفہوم میں علماء کا اختلاف:

سنت کے معنی و مفہوم میں یہ اختلاف درحقیقت اہل علم کے مقاصد کے اختلاف کے نتیجے میں وجود میں آیا۔

محدثین:

حضرات محدثین بحیثیت مقتدا اور پیشوا آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی سے بحث کرتے ہیں، کیونکہ رب کائنات نے آپ ﷺ کو عالم انسانیت کے لئے مقتدا اور پیشوا بنا کر مبعوث فرمایا ہے۔

۱۔ السنۃ ومکانتھا فی التشریع الاسلامی: ص ۶۵

۲۔ لمعات للشیخ شرح مشکاة المصابیح: ۲۲/۱

۳۔ الجامع الصحیح للإمام بخاری: ص ۶۹۸

اس لئے آپ ﷺ سے متعلقہ جملہ اقوال و افعال، اخبار و شمائل اور اخلاق و عادات اس لائق ہیں کہ انہیں نقل کیا جائے۔ قطع نظر اس سے کہ ان سے کوئی شرعی حکم ثابت ہوتا ہے یا نہیں۔
اصولیین:

علماء اصول رسول اللہ ﷺ کے افعال، اقوال اور تقریرات سے ایسے زاویے سے بحث کرتے ہیں جن کا ثمرہ مجتہدین کے لئے ظہور قواعد اور انسانیت کے لئے دستور حیات ہوتا ہے۔
فقہاء:

فقہاء کرام رسول اللہ ﷺ کے اقوال، افعال اور تقریرات میں شرعی احکام کے ثبوت کی حیثیت سے بحث کرتے ہیں۔ چنانچہ اُن کا موضوع حدیث سے وجوب حرمت، حلت اور اباحت جیسے احکام کا استنباط ہے۔^(۱)

بہر حال لفظ حدیث عام ہے بخلاف سنت کے کہ سنت کا اطلاق اُن امور پر ہوتا ہے جن پر امت عمل پیرا رہی ہوں۔ چنانچہ اسی وجہ سے ارشاد نبوی ہے: ”علیکم بسنتی و سنتی الخلفاء الراشدین المہدیین۔“^(۲)

(ترجمہ) ”تم پر میری اور خلفاء راشدین کی سنت لازم ہے۔“

نیز ارشاد گرامی ہے: ”ترکت فیکم امرین لن تضلوا اما تمسکتم بہما کتاب اللہ و سنتہ رسولہ۔“^(۳)

(ترجمہ) ”آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں، جب تک ان دو نلوں کا دامن مضبوطی سے تھامے رہو گے، ہرگز گمراہ نہ ہو گے: کتاب اللہ، اور سنت رسول اللہ ﷺ۔“

۱۔ السنۃ و مکانتھا فی التشریع الاسلامی: ص ۶۷

۲۔ شرح مشکل الآثار: ۳/۲۲۳

۳۔ الوطی للامام مالک: ۲/۴۸۰

علامہ محمد اکرم سندھی رحمۃ اللہ علیہ (۱) نے سنت اور حدیث کے درمیان تین نسبتیں بتائیں ہیں: پہلا: دونوں کے مابین مترادف کی نسبت ہے۔ اس لئے کہ دونوں قول رسول، فعل رسول اور تقریر رسول کو شامل ہیں۔ دوسرا: دونوں کے درمیان عموم و خصوص مطلق کی نسبت ہے، اس لئے کہ حدیث آپ ﷺ کے قول اور فعل کو شامل ہے اور سنت آپ کے قول اور فعل کے ساتھ ساتھ صحابی اور تابعی کے قول و فعل کو بھی شامل ہے۔

تیسرا: دونوں کے درمیان عموم و خصوص من وجہ کی نسبت ہے؛ اس لئے کہ حدیث، قول، فعل اور تقریر رسول کا نام ہے، اور سنت رسول اللہ ﷺ، صحابی اور تابعی کے قول اور فعل کا نام ہے۔ (۲) یہاں پر یہ بات ضرور ملحوظ خاطر رکھنی چاہئے کہ آپ ﷺ کے کلام میں جہاں بھی لفظ ”سنت“ استعمال ہوا ہے جیسا کہ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ”علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدين المهديين.“ (۳)

اور اسی طرح آپ کا ارشاد مبارک ہے: ”النكاح من سنتي“ (۴) تو یہاں لفظ ”سنت“ کا معنی ہر جگہ وہ نہیں ہوگا جو عوام کے ذہنوں میں راسخ ہے بلکہ اس کا معنی موقع محل کے اعتبار سے بدلتا رہے گا۔ لہذا اس فرق کا ضرور خیال رکھنا چاہئے۔ یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ علماء کے مابین یہ اختلاف صرف تعبیر میں ہے

۱۔ محمد اکرم بن عبدالرحمان نصرپوری حنفی، ۱۰۰ھ کے اوائل میں پیدا ہوئے۔ تحصیل علم اپنے والد ماجد اور شیوخ سندھ سے کیا اور علم حدیث شیوخ سندھ کے علاوہ شیوخ مکہ مکرمہ سے بھی حاصل کیا۔ موصوف فقہ، حدیث اور عربیت میں بلند مقام پر فائز تھے، اپنی ساری عمر درس حدیث اور تصنیف و تالیف میں بسر کردی۔ چند مشہور تصانیف: شرح بخاری، امعان النظر۔ مزید حالات کے لئے دیکھئے: مقدمہ امعان النظر: ص ۱۰، اور نزہۃ الخواطر و بہجۃ المسامح والنواظر: ۶۷

۲۸۹-۲۹۰

۲۔ امعان النظر شرح نخبة الفكر: ص ۱۱، ۱۲

۳۔ شرح مشکل الآثار للإمام الطحاوی: ۲۲۳/۳

۴۔ کتاب السنن للإمام ابن ماجہ: ۴۱۵/۲: کتاب النکاح

”ولا مناقشة في الاصطلاح“ اور نفس الامر میں کوئی اختلاف نہیں۔ اس لئے کہ محدثین کا طرز عمل یہ بتلاتا ہے کہ جمہور خلف و سلف کے نزدیک یہ محقق بات ہے کہ عام استعمال میں یہ تمام الفاظ مترادف ہیں اور ایک کو دوسرے کی جگہ بکثرت استعمال کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اسی رائے کو علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے جمہور کا مختار مذہب قرار دیا ہے۔

باب اول

حدیثِ ضعیف اور اسبابِ ضعف:

تمہید:

ضعیف احادیث کو صرف اس وجہ سے ناقابلِ عمل قرار دے کر موضوع کے پلڑے میں ڈال دینا کہ ان روایات کو ”ضعیف“ یا ”مردود“ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے ایک بہت بڑی غلطی ہے۔ یہ درحقیقت فن اور اہل فن کے اصول و ضوابط سے ناواقفیت ہی کا نتیجہ ہے۔

حدیث اور سنت کی جو بھی تعریف محدثین اور اصولیین نے کی ہے۔ قدیم ہو چاہے جدید اس میں کوئی ایسی قید نہیں جس سے ضعیف احادیث کو نکال باہر کیا جائے، اسی لئے انہوں نے ہمیشہ حدیث کی دوسری انواع کی طرح اس کو بھی استدلال و استنباط میں حیثیت دی ہے، اگرچہ اس کے ضعف اور درجہ کا خیال ضرور رکھا ہے۔

جہاں تک موضوع احادیث کی بات ہے تو وہ اس وقت تک اس تعریف کے دائرہ میں رہتی ہیں جب تک اس کا موضوع ہونا معلوم نہیں ہوتا۔ واقفیت اور اطلاع کے بعد وہ قول، فعل اور تقریر منسوب الی الرسول ﷺ کے دائرہ سے خارج ہو جاتی ہیں۔

ضعیف احادیث کو امکانِ خطا کی وجہ سے صحیح کا درجہ سے دینے کی بجائے ضعیف کے جداگانہ اصطلاح سے موسوم کیا گیا؛ تاکہ خطا کا جو امکان تھا وہ بھی نہ رہے، ورنہ ایک ہی مجلس میں سنی ہوئی احادیث ہی تو ہیں، سب کو ایک ہی درجہ دینا چاہئے تھا۔ ساری احادیث ضعیفہ کا ایک مرتبہ نہیں جیسا کہ تمام احادیث صحیحہ کا ایک درجہ نہیں بلکہ صحیح احادیث کی طرح ضعیف کے اندر بھی مراتب و درجات کا فرق ہے جیسا کہ آنے والی تفصیلات سے واضح ہوتا ہے۔

حدیثِ ضعیف:

حدیثِ ضعیف کی تعریف:

”ضعیف ہر وہ حدیث ہے جس میں صحیح اور حسن کی شرائط نہ پائی جائیں۔“

چنانچہ علامہ ابن الصلاح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”کل حدیث لم یجتمع فیہ صفات الحدیث الصحیح“

ولا صفات الحدیث الحسن۔“ (۱)

حدیثِ صحیح کی پانچ شرائط ہیں: (۱) راوی عادل ہوں (۲) کامل الضبط ہوں (۳) سند متصل ہو (۴) شاذ نہ ہو (۵) معلل نہ ہو اور حدیثِ حسن کی بھی پانچ شرائط ہیں: (۱) راوی عادل ہوں (۲) کامل الضبط نہ ہوں (۳) سند متصل ہو (۴) شاذ نہ ہو (۵) معلل نہ ہو (۲)

کسی بھی فنی اصطلاح کو تعریف کے قالب میں ڈھالنا اس بات کا مقتضی ہوتا ہے کہ تعریف اپنے موضوع کی جملہ جزئیات کو شامل رہے اور کسی دوسری اصطلاح سے خلط نہ ہو۔ چنانچہ کسی بھی چیز کی ایسی ہمہ جہت حد بندی اس کی تعریف کہلاتی ہے۔

حدیثِ صحیح کی جزئیات چونکہ وجودی شرائط کے نتیجے میں تعریف کے سانچے میں باسانی ڈھل جاتی ہیں نیز حدیثِ حسن کی تعریف بھی اکثر وجودی شرائط کی وجہ سے جامعیت میں حدیثِ صحیح کے مشابہ نظر آتی ہے، لیکن اس کے بالمقابل حدیثِ ضعیف کو پہچاننے میں کافی دقت پیش آتی ہے۔ کیونکہ اس کی اکثر شرائط منفی (احترازی) ہیں اور کسی ایک بھی شرط کے نہ ہونے کی وجہ سے حدیثِ ضعیف کہلاتی ہے اس لئے حدیثِ ضعیف کی پہچان نہایت مشکل ہو جاتی ہے اور اضطراب کی صورت پیش آ جاتی ہے۔

۱۔ معرفۃ انواع علم الحدیث: ص ۱۱۲

۲۔ نزہۃ النظر شرح نخبۃ الفکر: ص ۶۲، ۵۵

یہ بھی واضح رہے کہ حدیث ضعیف کے اسباب کو عملی طور پر منطبق کرنے میں بھی بہت دقت پیش آتی ہے مثلاً حدیث ضعیف کے لئے ایک سبب سند کا متصل نہ ہونا ہے۔ یہ بظاہر تو بہت آسان ہے لیکن عملی طور پر بعض مرتبہ سند متصل نہیں ہوتی اور اس کے باوجود اس پر ضعف کا حکم نہیں لگایا جاسکتا مثلاً: حدیث مرسل، حدیث منقطع تو ہوتی ہے لیکن بالجزم اس پر ضعف کا حکم نہیں لگایا جاسکتا۔ لہذا تمام جہات کو مد نظر رکھنا ضروری ہے۔

حدیث صحیح اور حدیث حسن کی پانچ شرائط کو مختصراً دو میں جمع کیا جاسکتا ہے (۱) اتصال سند (۲) راوی کا ثقہ ہونا۔ آگے انہی دونوں کی بنیاد پر بحث کو علاحدہ علاحدہ فصول میں ذکر کیا جاتا ہے۔

فصل اول

ضعف بوجہ عدم اتصال:

اتصال سند کے نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ حدیث کی سند کے راویوں میں سے کوئی راوی رہ جائے۔ خواہ ایک ہو یا ایک سے زائد، اول سے ہو، درمیان سے یا آخر سے، راوی کا رہ جانا واضح اور ظاہر ہو یا مخفی، قصداً ہو یا بلا قصد کے۔ اسکو انقطاع بھی کہتے ہیں۔
انقطاع کی اقسام: (۱) انقطاع ظاہری (۲) انقطاع خفی۔

(۱) انقطاع ظاہری کی تعریف:

انقطاع ظاہری کا مطلب یہ ہے کہ حدیث کی سند میں کسی راوی کا رہ جانا اس طرح واضح ہو کہ اس کے جاننے کے لئے بہت زیادہ تحقیق اور جستجو کی ضرورت نہ ہو۔ اس کا علم ائمہ حدیث اور حدیث سے شغف رکھنے والے حضرات کو آسانی ہو جاتا ہے بایں طور کہ زمانہ ایک نہ ہونے کی وجہ سے راوی اور مروی عنہ میں ملاقات ثابت نہیں ہوتی! یا تو اس وجہ سے کہ زمانہ ایک نہیں ہوتا، یا زمانہ تو ایک ہوتا ہے مگر دونوں کے ایک جگہ پر جمع ہونے کی نوبت نہیں آئی ہوتی مثلاً تابعی نبی ﷺ سے براہ راست روایت کرے۔

انقطاع ظاہری کے لحاظ سے ضعیف حدیث کی تقسیم درج ذیل ہے:

(۱) معلق (۲) مرسل (۳) منقطع (۴) معضل

(۱) حدیث معلق:

حدیث معلق کی تعریف:

معلق ہر وہ حدیث ہے جس کی سند کے ابتدائی حصہ سے ایک یا زیادہ راویوں کو حذف

کر دیا گیا ہو۔

چنانچہ علامہ ابن الصلاح رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

”الذي حذف من مبتدأ سناد ه واحد أو أكثر.“ (۱)

حدیث معلق کی مثال:

امام بخاری رحمہ اللہ کی وہ حدیث جو انہوں نے ”باب ما یذکر فی الفخذ“ کے مقدمہ

میں ذکر کی ہے:

”وقال موسى غطي النبي ﷺ ركبتيه حين دخل عثمان.“ (۲)

اس حدیث میں امام بخاری رحمہ اللہ نے بجز صحابی کے پوری سند کو حذف کر دیا ہے۔

حدیث معلق کی اقسام:

معلق کی چند صورتیں ہیں:

(۱) قائل کی طرف اضافت کر کے باقی پوری سند کو حذف کر دیا جائے جیسے امام بخاری رحمہ

اللہ کا قول:

”وقال النبي ﷺ لصاحب القبر: كان لا يستتر من بوله.“ (۳)

۱۔ معرفۃ انواع علم الحدیث: ص ۹۲

۲۔ الجامع الصحیح للإمام البخاری: ص ۶۶

۳۔ الجامع الصحیح للإمام البخاری: ص ۴۱

(۲) قائل کی طرف اضافت کئے بغیر پوری سند کو حذف کر دیا جائے جیسے امام بخاری رحمہ اللہ کا قول:

”كانت أم الدرداء تجلس في الصلاة جلسة الرجل، وكانت فقيهة.“ (۱)

(۳) صحابی کے علاوہ پوری سند کو حذف کر دیا جائے جیسے امام بخاری رحمہ اللہ کا قول: ”قال أنس رضي الله عنه عن النبي ﷺ عن فخذة“ (۲)

(۴) صحابی و تابعی کے علاوہ پوری سند کو حذف کر دیا جائے جیسے امام بخاری رحمہ اللہ کا قول: ”وقال حميد عن أنس رضي الله عنه عن النبي ﷺ لا يزيق في القبلة ولا عن يمينه، ولكن عن يساره أو تحت قدمه.“ (۳)

(۵) اپنے شیخ کو حذف کر کے اوپر کے راوی کو ذکر کیا جائے خواہ وہ اوپر والا اس ناقل کا استاذ ہو یا نہ ہو جیسے امام بخاری رحمہ اللہ کا قول: ”كان النبي ﷺ إذا دخل الخلاء قال: اللهم إني أعوذ بك من الخبث والخبائث“ (۴)

حدیث معلق کا حکم

معلق حدیث بظاہر اتصال سند کے نہ ہونے کی وجہ سے ضعیف کے اقسام میں شمار ہوتی ہے لیکن اس کے باوجود اس کی عملی حیثیت ضعیف حدیث کی دیگر انواع سے مختلف ہے لہذا معلق حدیث کو یکسر ضعیف نہیں کہا جاسکتا بلکہ تحقیق کر کے اصل حقیقت کی طرف جانا ضروری ہوتا ہے کیونکہ بیشتر معلق احادیث کی اسانید موجود ہوتی ہیں اور محدثین اختصار کے پیش نظر یاد دیگر وجوہات کی بنا پر سند حذف کر دیتے ہیں۔ چنانچہ بخاری شریف کی تمام معلق احادیث مسند ہیں۔

- ۱۔ الجامع الصحیح للإمام البخاری: ص ۱۳۴
- ۲۔ الجامع الصحیح للإمام البخاری: ص ۶۶
- ۳۔ الجامع الصحیح للإمام البخاری: ص ۹۹
- ۴۔ الجامع الصحیح للإمام البخاری: ص ۳۰

یہی وجہ ہے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس پر مستقل کتاب لکھی ہے ”تغلیق التعلیق“۔ صحیح بخاری شریف کے بعد موطا امام مالک اس سلسلہ میں بہت مشہور ہے اس میں تعلقات روایات بکثرت ہیں لیکن علامہ ابن عبد البر رحمہ اللہ نے ”المتمہید“ میں اس کی تمام تعلقات کو مسند ثابت کیا ہے۔ ان سے جو روایات رہ گئی تھیں علامہ ابن الصلاح رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر ”وصل بلاغات الموطا“ لکھ دی۔ لہذا تحقیق کر کے اصل حقیقت کی طرف جانا چاہئے۔

دوسری بات اس فن کو جن حضرات نے موضوع بنایا ہے ان کے کلام میں اس کا ذکر اس طرح نہیں ملتا جیسا کہ مرسل منقطع اور معضل کا ملتا ہے، مثلاً امام رامہرمزی رحمۃ اللہ علیہ (۱)، امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ (۲) علامہ خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ (۳)

۱۔ ابو محمد حسن بن عبد الرحمان بن خلاد رامہرمزی فارسی۔ اپنے زمانہ کے کبار علماء امت سے علم حاصل کیا۔ عجم کے محدث، ادیب، مورخ اور مشہور شاعر تھے۔ وفات ۳۶۰ھ کو ہوئی۔ چند مشہور تصانیف: الحدیث الفاصل، ادب الناطق، العلل فی مختار الاخبار۔ مزید حالات کے لئے دیکھئے سیر اعلام النبلاء: ۷۳/۱۶، اور الأعلام: ۱۹۴/۲

۲۔ ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن محمد حاکم نسیابوری ۳۲۱ھ کو نسیابور میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کرنے کے بعد تکمیل اپنے زمانہ کے کبار علماء سے کی۔ موصوف مشہور محدث اور حافظ حدیث تھے۔ آپ کو علوم حدیث میں مہارت تامہ حاصل تھی، اس لئے ان کی اکثر تصانیف حدیث اور علوم حدیث سے متعلق ہیں۔ نسیابور میں قاضی مقرر ہوئے اور اسی وجہ سے حاکم لقب پڑ گیا اور نسیابور ہی میں ۴۰۵ھ کو وفات پائی۔ چند مشہور تصانیف: المستدرک علی المحسن، معرفۃ علوم الحدیث، تاریخ نسیابور۔ مزید حالات کے لئے دیکھئے: البدایہ والنہایہ: ۲۴/۱۳، ۲۵، اور الأعلام: ۲۲۷/۶

۳۔ ابو بکر احمد بن علی بن ثابت بغدادی، جو کہ خطیب بغدادی کے نام سے مشہور ہیں، ۳۹۲ھ کو پیدا ہوئے، گیارہ سال کی عمر سے طلب علم اور سماع حدیث کا سلسلہ شروع کیا اور دور دراز بلاد و ممالک کا سفر کر کے علم و فضل میں امتیاز حاصل کیا۔ ۴۶۳ھ کو وفات پا گئے۔ چند مشہور تصانیف: تاریخ مدینۃ السلام المعروف بتاریخ بغداد، الکفایہ فی علم الروایہ، شرف اصحاب الحدیث۔ مزید حالات کے لئے دیکھئے: البدایہ والنہایہ: ۱۷۶/۱۳، ۱۷۹، اور شذرات الذہب فی أخبار من ذہب: ۲۹۷/۳

اور ابن دقیق العید رحمۃ اللہ علیہ^(۱) ان کے بعد جب ان قوانین کو مرتب کرنے والوں نے اس موضوع پر قلم اٹھایا، تو انہوں نے ہر ہر جزئی کو بھی اپنے کلام کا حصہ بنایا۔ چنانچہ بقول حافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ کے کہ ”امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ^(۲) وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے معلق کو اپنے کلام کا حصہ بنایا، اور ان کے بعد امام حمیدی رحمۃ اللہ علیہ^(۳) وغیرہ نے۔ اس کے بعد اس کا عام استعمال ہونے لگا۔“^(۴)

۱۔ ابوالفتح تقی الدین محمد بن علی بن وہب بن مطیع قشیری شافعی جو کہ ابن دقیق العید کے نام سے مشہور ہیں، ”سابل بیج“ کے مقام پر ۱۵ شعبان ۶۲۵ھ میں ان کی ولادت ہوئی، ابتدا میں قرآن مجید پڑھا، فقہ کی تعلیم اپنے والد اور ان کے شاگرد بہاء الدین بہت اللہ سے پائی۔ قاہرہ میں آکر عز الدین بن عبدالسلام سے تفقہ حاصل کیا، حدیث اس دور کے نامور محدثین سے پڑھی اور اس کے طلب میں دمشق اور اسکندریہ وغیرہ کا بھی سفر کیا۔ جب ان علوم میں کمال پیدا ہو گیا تو درس و تدریس کا شغل اختیار کیا، موصوف مجتہد اور اصول کے ماہر عالم تھے۔ دیار مصریہ کے حج کے عہدے پر فائز ہوئے۔ ان کی جلالت علمی کا سب کو اعتراف ہے۔ قاہرہ میں بروز جمعہ ۱۱ صفر ۷۰۲ھ کو وفات پائی۔ چند مشہور تصانیف: الالمام فی احادیث الاحکام، الاحکام فی شرح حدیث سید الانام، الاربعین۔ مزید حالات کے لئے دیکھئے: طبقات الشافعیۃ الکبریٰ: ۱۱۵/۵، ۱۱۳۹، اور الاعلام: ۲۸۳/۶

۲۔ ابوالحسن علی بن عمر دارقطنی شافعی، آپ ۳۰۶ھ میں پیدا ہوئے۔ طلب علم کے لئے بغداد، کوفہ، شام، مصر اور دوسرے اسلامی شہروں کی سیر و سیاحت کی۔ علم نحو و فن تجوید میں بھی کامل مہارت رکھتے تھے۔ فن معرفت علل حدیث و اسماء رجال میں بے نظیر اور اپنے وقت کے یگانہ تھے۔ ۳۸۵ھ کو وفات ہوئی۔ چند مشہور تصانیف: سنن الدارقطنی، کتاب العلل، الالتزامات و التبع۔ مزید حالات کے لئے دیکھئے: البدایہ والنہایہ: ۳۳۹/۱۳، اور شذرات الذہب فی اخبار من ذہب: ۲۴۱/۳، ۲۴۲

۳۔ ابو عبد اللہ محمد بن ابی نصر فتوح بن عبد اللہ بن حمیدی از دی اندلسی ظاہری ۴۲۰ھ سے قبل پیدا ہوئے۔ طلب علم کے لئے اندلس، مصر، شام، عراق اور حرم شریف میں رہ کر حدیث کی سماعت کی۔ موصوف علل حدیث کی معرفت اور اصول کے موافق تحقیق معانی میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ علم عربیت و ادب، قرآن مجید کی ترکیب اور لطائف بلاغت بیان کرنے میں بھی حق تعالیٰ نے انہیں

کامل دست گاہ عطا فرمایا تھا۔ ۴۸۸ھ کو وفات ہوئی۔ چند مشہور تصانیف: الجمع بین المحکمین، تاریخ اندلس، کتاب ذم النمیمہ۔ مزید حالات کے لئے دیکھئے: شذرات الذہب فی اخبار من ذہب: ۹۹/۳، اور بستان المحمدین: ص ۲۱۲

۴۔ فتح المغنیف بشرح الفیہ الحدیث: ۱۰۲/۱

چنانچہ بعض حضرات نے اس کو ضعیف کی دیگر اقسام کی طرح مستقل حیثیت دی اور بعض نے ضمایا اس کا ذکر کیا۔ جیسا کہ علامہ ابن الصلاح رحمہ اللہ نے اس کو صحیح کے فوائد میں ذکر کیا ہے۔^(۱)

(۲) حدیث مرسل:

حدیث مرسل کی تعریف:

”ہر وہ حدیث ہے جس کی سند کے آخری حصہ میں تابعی کے بعد کاراوی مذکور نہ ہو۔“

چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”هو ما سقط من آخره من بعد التابعي.“^(۲)

حدیث مرسل کی مثال:

مسلم شریف کی روایت ہے ”حد ثنا محمد بن رافع، عن حجین، عن اللیث،

عن عقیل، عن ابن شہاب، عن سعید بن المسیب أن رسول الله ﷺ نہی
عن المزمنة.“^(۳)

اس حدیث کو سعید بن مسیب نے (جو کہ کبار تابعین میں سے ہیں) اپنے مابعد کے راوی کو

حذف کر کے براہ راست حضور ﷺ سے نقل کیا ہے۔

حدیث مرسل کا حکم:

جمہور فقہاء و محدثین کے ہاں یہ مسلمہ اصول رہا ہے، کہ ”قرون ثلاثہ“ کے مراہیل قابل

استدلال و حجت ہیں؛ اس لئے کہ صرف ارسال، ان حضرات کے نزدیک ضعف کی علت

نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حافظ ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ نے تو اس پر سب کا اجماع

نقل کیا ہے۔^(۴)

۱۔ معرفۃ انواع علم الحدیث: ص ۹۲

۲۔ نزہۃ النظر شرح نخبة الفكر: ص ۷۹

۳۔ الجامع الصحیح للإمام مسلم: ۱۱۶۸/۳

۴۔ قواعد فی علوم الحدیث: ص ۱۳۶، ۱۳۷

سب سے پہلے امام شافعی رحمہ اللہ (۱) نے حجیت مرسل کو چند شرائط کے ساتھ مقید کیا۔ (۲)
اگر مرسل روایت کو صرف ارسال (جس کو قرون ثلاثہ میں صحیح ہی کی طرح درجہ دیا جاتا تھا) کی وجہ سے ضعیف قرار دے کر اسے قابل حجت نہ سمجھا جائے تو حدیث کا ایک معتد بہ حصہ (جس پر قرون اولیٰ میں امت کا عمل رہا ہے) کو چھوڑنا پڑے گا۔

یہاں پر یہ بات بھی یاد رہے کہ حدیث مرسل بظاہر اتصالِ سند نہ ہونے کی وجہ سے ضعیف کے اقسام میں شمار تو ہوتی ہے لیکن اس کے باوجود اس کی عملی حیثیت ضعیف حدیث کی دیگر انواع جیسی یکسر نہیں۔ لہذا حدیث مرسل کو یکسر ضعیف نہیں کہا جاسکتا بلکہ تحقیق کر کے اصل حقیقت کی طرف جانا چاہیے۔ کیونکہ بیشتر مرسل احادیث کی اسانید موجود ہوتی ہیں، مگر ناقل اختصار کے پیش نظر یاد دیگر وجوہات کی وجہ سے سند حذف کر دیتا ہے۔

(۳) حدیث منقطع:

حدیث منقطع کی تعریف:

”منقطع ہر وہ حدیث ہے جس کی سند کے درمیان میں سے ایک یا زائد راوی غیر مسلسل یعنی الگ الگ جگہوں سے حذف ہوں۔“

۱۔ ابو عبد اللہ محمد بن ادريس بن عباس بن عثمان بن شافعی، موصوف ائمہ اربعہ میں سے ہیں، ۱۵۰ھ کو غزہ (فلسطین) میں پیدا ہوئے۔ دو سال کی عمر میں مکہ معظمہ لائے گئے۔ دو دفعہ بغداد گئے، ۱۹۹ھ کو مصر تشریف لے گئے اور آخر عمر تک وہیں رہے، آپ شعر، لغت، ایام عرب، فقہ اور حدیث کے بہت بڑے عالم تھے۔ نہایت ذکی، فطین اور حاضر جواب تھے۔ پہلا فتویٰ بیس سال کے عمر میں دیا تھا۔ رمضان المبارک میں ساٹھ بار قرآن ختم کرنے کا معمول تھا۔ ۲۰۴ھ کو مصر میں وفات پائی۔ تصانیف: کتاب الام، الرسالہ، الامالی الصغیر۔ مزید حالات کے لئے دیکھئے:

البدایہ والنہایہ: ۱۱/۱۳۶-۲۰، اور تاریخ مدینۃ السلام المعروف بتاریخ بغداد: ۲/۳۹۲-۴۰۴

۲۔ الرسالہ: ص ۱۰۳، ۱۰۵

چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”فإن كان الساقط باثنين غير متواليين في موضعين مثلاً فهو المنقطع وكذا لك إن سقط واحد فقط، أو أكثر من اثنين لكن يشترط عدم التوالي“ (۱)

لغوی اعتبار سے انقطاع کا اطلاق راویوں کے عدم ذکر کی ہر صورت پر ہوتا ہے اور بہت سے اہل فن اس کی اصطلاحی تعریف بھی یہی کرتے ہیں۔ مگر متقدمین اور متأخرین کے نزدیک اکثر مذکورہ بالا صورت پر ہی اس کا اطلاق معروف ہے۔ علامہ عراقی رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اسی کے قائل ہیں۔ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ ”منقطع“ کا اطلاق اکثر اس حدیث پر ہوتا ہے جسے صحابی سے تابعی کے نیچے کے لوگ روایت کریں۔ (۲)

حدیث منقطع کی مثال:

امام عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ کی روایت جو انہوں نے حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کی ہے:

”عبد الرزاق قال: ذكر الثوري عن أبي اسحاق، عن زيد بن شيع، عن حذيفة قال: قال رسول الله ﷺ: إن وليتموها أبا بكرٍ فقوي أمين وهو منقطع في موضعين؛ لأن عبد الرزاق لم يسمع من الثوري، وإنما سمعه من العمان بن أبي شيبه الجندي، عن الثوري، ولم يسمعه الثوري أيضاً من أبي اسحاق، إنما سمعه من شريك، عن إسحاق.“ (۳)

اس سند میں دو جگہ انقطاع ہے۔ امام عبد الرزاق رحمہ اللہ نے یہ روایت حضرت سفیان

۱۔ نزہۃ النظر شرح نخبۃ الفکر: ص ۸۰، ۸۱

۲۔ تدریب الراوی فی شرح تقریب النوادی ۲۳۵

۳۔ معرفۃ النواع علم الحدیث: ص ۱۳۲-۱۳۳، معرفۃ علوم الحدیث: ص ۲۹

ثوری رحمہ اللہ سے براہ راست نہیں سنی، نیز حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ اور ابواسحاق کے درمیان ایک راوی (شریک نامی) مذکور نہیں، اس لئے کہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے براہ راست ابواسحاق سے نہیں سنی ہے، بلکہ شریک سے سنی ہوئی ہے اور شریک نے ابواسحاق سے سنی ہے۔

حدیث منقطع کا حکم:

چونکہ حدیث منقطع میں راوی مذکور نہیں ہوتا، جس کی وجہ سے اس کی ثقاہت معلوم نہیں ہوتی یا مجہول ہوتی ہے! لہذا حدیث منقطع ضعیف ہوتی ہے۔

(۴) حدیث معضل:

حدیث معضل کی تعریف:

”معضل ہر وہ حدیث ہے جس کی سند سے دو یا دو سے زائد راوی یکے بعد دیگرے مذکور نہ ہو یا حذف کئے گئے ہوں۔“

چنانچہ علامہ ابن الصلاح رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”سقط من إسناد إثنان فصاعدا مع التوالي.“ (۱)

حدیث معضل کی مثال:

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے جو انہوں نے امام قعنبی رحمۃ اللہ علیہ کے واسطے سے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کی ہے:

”عن مالك أنه بلغه أن أبا هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: للمملوك

طعامه وكسوته بالمعروف، ولا يكلف من العمل إلا ما يطيق.“ (۲)

۱۔ معرفۃ انواع علم الحدیث: ص ۱۳۶ نزہۃ النظر شرح منجیۃ الفکر ص: ۸۰

۲۔ معرفۃ علوم الحدیث: ص ۳۷

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ یہ حدیث معضل ہے؛ کیونکہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ”موطأ“ میں اسے معضلاً ذکر کیا ہے؛ (اگرچہ موطأ کے علاوہ میں اسے موصولاً بھی ذکر کیا ہے) اس لئے کہ اس میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان پے درپے دو راوی مذکور نہیں ہیں؛ ”عن مالک عن محمد بن عجلان عن أبيه عن أبي هريرة.“ (۱)

حدیث معضل کا حکم:

حدیث معضل حدیث منقطع کی طرح بعض راویوں کے مذکور نہ ہونے کی وجہ سے مجہول السند ہوتی ہے جس کی وجہ سے ضعیف کے درجہ میں شمار ہوتی ہے۔

(۲) انقطاع خفی:

انقطاع خفی کے لحاظ سے ”ضعیف حدیث“ کی دو قسمیں ہیں: (۱) حدیث مدلس (۲) مرسل خفی (۱) حدیث مدلس:

حدیث مدلس کی تعریف:

”ہر وہ حدیث جس کی سند کے عیب کو چھپا کر اس طرح پیش کیا جائے کہ بظاہر اس میں عیب کا کوئی وہم و شبہ نہ ہو!“۔

چنانچہ ملا محمد خفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”هو ما أخفي عيبه على وجه يوهم أنه لا عيب فيه.“ (۲)

تدلیس کی اقسام

تدلیس الاسناد:

تدلیس الاسناد کا مطلب یہ ہے کہ راوی ایسے شیخ سے روایت کرے جو اس کا ہم عصر ہو اور اس سے مل چکا ہو مگر اس سے اس کا سماع ثابت نہ ہو یا ایسے ہم عصر سے روایت کرے جس سے ملا

۱۔ معرفۃ علوم الحدیث: ص ۳۷

۲۔ شرح الدبیان الجہدب: ص ۴۶

نہ ہو مگر دوسرے کو یہ تاثر دے کہ اس نے اپنے معاصر سے سن کر یہ روایت کی ہے۔
ایسی روایت کی نشانی یہ ہوتی ہے کہ مدلس راوی ”حدثنا فلان“ اور ”أخبرنا فلان“ کے بجائے ”عن فلان“ کہتا ہے۔^(۱)

تدلیس الاسناد کی مثال:

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے ”علی بن خشرم“ سے روایت کی ہے کہ ہم سے ابن عیینہ نے بیان کیا، ”عن الزہری“ تو ان سے پوچھا گیا: ”کیا آپ نے براہ راست زہری سے سنا ہے؟“ انہوں نے انکار کیا اور کہا: ”نہ میں نے ان سے سنا، نہ ان سے سننے والوں میں سے کسی سے سنا، بلکہ مجھ سے عبدالرزاق نے بواسطہ معمر، زہری سے نقل کیا ہے۔“^(۲)

تدلیس الاسناد کی پانچ قسمیں ہیں جو درج ذیل ہیں:

(۱) تدلیس الحذف والإسقاط:

اس کا مطلب یہ ہے کہ راوی اپنے شیخ کو حذف کر کے شیخ الشیخ کو ذکر کرے جس سے مطلقاً سماع تو حاصل ہے لیکن اس روایت میں سماع حاصل نہیں۔

(۲) تدلیس القطع والاقطاف:

اس کا مطلب یہ ہے کہ راوی ”سمعت“ یا ”حدثنا“ کہے اور اس کے بعد تھوڑی دیر کے لئے خاموش رہے پھر کہے اعمش، اس سے سننے والا یہ تاثر لے گا کہ اس نے اعمش سے سنا حالانکہ راوی کا اس سے سماع حدیث ثابت نہیں۔

(۳) تدلیس باسقاط اداة الروایة:

اس کا مطلب یہ ہے کہ الفاظ اداء جیسے ”قال فلان“ ”عن فلان“ ”حدثنا فلان“ یعنی شیخ کے نام سے پہلے جو الفاظ لائے جاتے ہیں ان کو ذکر کئے بغیر ”شیخ“ کا نام لینا، مثلاً: ”الزہری عن فلان“ کہے۔

۱۔ معرفۃ انواع علم الحدیث: ص ۱۵۷

۲۔ معرفۃ علوم الحدیث: ص ۱۰۵ معرفۃ انواع علم الحدیث: ص ۱۵۷

(۴) تذلیس العطف:

اس کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً راوی کہے: ”حدثنا فلان وفلان“ اگرچہ راوی نے اس دو سرے شخص سے کچھ بھی نہ سنا ہو۔

(۵) تذلیس التسویہ:

اس کا مطلب یہ ہے کہ راوی اپنے شیخ سے روایت نقل کرے، مگر آگے سند میں آنے والے دو ایسے ثقہ راوی جن کی ملاقات ثابت ہو، ان کے درمیان آنے والے کسی کم حیثیت راوی کو گرا دے، خواہ اسکے ضعف کی وجہ سے یا کم عمری کی بنا پر، اور ایسے الفاظ استعمال کرے کہ جن سے براہ راست سننے کا گمان ہو اور بظاہر یہ سمجھا جائے کہ کوئی معتمد راوی معتمد راوی سے ہی روایت کر رہا ہے۔ جیسے راوی کا استاذ ثقہ و معتمد ہے، اور استاذ کے استاذ کا استاذ بھی ثقہ و معتمد ہے، اور دونوں کے درمیان ملاقات بھی ثابت ہے مگر استاذ کا استاذ، ضعیف یا کم عمر ہے، راوی نقل روایت میں یہ کرے کہ اپنے استاذ کے بعد بجائے اپنے استاذ کے استاذ کا ذکر کرنے کے ان کے استاذ کے استاذ کو ذکر کرے اور احتمال والے الفاظ استعمال کرے۔^(۱)

تذلیس الاسناد کی مثال:

علامہ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ کی ذکر کردہ روایت ہے جو انہوں نے اپنے والد سے سنی اور وہ اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں:

”عن بقیة، قال: حدثني أبو وهب الأسدي، قال: حدثنا نافع، عن ابن عمر، قال: لا تحمدوا إسلام إمرئ، حتى تعرفوا عقدة رأيه.“^(۲)

علامہ ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ اس حدیث میں ایسی خامی ہے جسے بہت کم ہی لوگ سمجھ سکتے ہیں، اس حدیث کو ابو وہب اسدی (جن کا نام عبید اللہ بن عمر ہے) نے بواسطہ اسحاق بن ابی فروہ حضرت نافع سے روایت کیا ہے، بقیہ جس سے اسحاق بن راہویہ نے روایت لی ہے

۱۔ التامیل الشرعی لقواعد الحمد ثین: ص ۵۹۲، ۵۹۳

۲۔ کتاب العلل لابن ابی حاتم: ۱۵۶، ۱۵۷

اس نے یہ کیا ہے کہ اسحاق بن ابی فروہ کو درمیان سے حذف کر دیا ہے اور اپنی اس عمل کو ظاہر نہ کرنے کے لئے عبید اللہ بن عمر کے نام کے بجائے (جس سے وہ معروف تھے) ان کی کنیت (جو کہ ابو وہب ہے) اور خاندانی نسبت جو کہ (اسدی ہے) ذکر کی ہے حالانکہ وہ ان سے معروف نہیں ہے؛ تا کہ جو لوگ ان روایات کے احوال سے واقف ہیں وہ بقیہ کی اس عمل کو سمجھ نہ سکیں۔

تذلیس الاسناد کا حکم:

تذلیس الاسناد: تذلیس کی بدترین قسم ہے اس لئے علماء نے اس عمل کو نہایت مکروہ قرار دیا ہے اور بہت مذمت کی ہے حتیٰ کہ امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ ^(۱) نے تذلیس کو جھوٹ کے بھائی سے تعبیر کیا ہے!۔ ^(۲) لیکن اس سے زیادہ مذموم تذلیس الترویہ ہے؛ اس لئے کہ اس میں یہ بات ضروری ہے کہ راوی تمام سند کے روایات کی تصریح "سمعت" یا "حدثنا" سے کرے؛ ^(۳) کیونکہ ہر طبقے میں تذلیس کا احتمال موجود ہے، جبکہ تذلیس الاسناد میں یہ بات نہیں؛ اس لئے صرف سماع کی تصریح کافی ہے۔

(۲) تذلیس الشیوخ:

تذلیس الشیوخ کی دو اقسام ہیں:

۱۔ ابو بسطام شعبہ بن حجاج بن ورد عسکلی، ازدی، واسطی، بصری۔ موصوف کی ولادت باسعادت ۸۲ھ ۸۳ھ میں ہوئی۔ ابان بن تغلب، ایوب سختیانی، جبلة بن تحیم، سعید بن مرزوق، عمرو بن دینار وغیرہ سے علم حاصل کیا۔ موصوف اپنے دور کے یکتائے زمانہ محدث اور اس فن کے نامور شہسوار ہیں جن کی جلالت شان اور حدیث کی گراں قدر خدمات پوری امت تسلیم کرتی ہے۔ چنانچہ موصوف کو "امیر المؤمنین فی الحدیث" کا خطاب دیا گیا۔ ۱۰۶ھ کو وفات پائے۔ مزید حالات کے لئے دیکھیے: تاریخ مدینہ السلام: ۳۵۳/۱۰-۳۶۷، اور الاعلام: ۱۶۴/۳

۲۔ معرفۃ انواع علم الحدیث: ص ۱۵۸

۳۔ تذلیس واحکامہ: ص ۳۶۸

(۱) تدلیس الشیوخ:

تدلیس الشیوخ کا مطلب یہ ہے کہ راوی اپنے استاذ سے نقل کرتے ہوئے، اس کے لئے کوئی غیر معروف نام، لقب یا کنیت ذکر کرے۔

تدلیس الشیوخ کی مثال:

ابوبکر بن مجاہد جو ائمہ قراء میں سے ہیں، ان کا قول ہے: حدثنا عبد اللہ بن ابی عبد اللہ، انہوں نے اس سے ابوبکر بن ابوداؤد سجستانی مراد لیا ہے، جو عبد اللہ بن ابی عبد اللہ کے نام سے مشہور نہیں ہیں؛ تاکہ اسے پہچانا نہ جاسکے؛ کیونکہ وہ ضعیف اور غیر معتبر راوی ہے!۔ (۱)

(۲) تدلیس الاماکن:

تدلیس الاماکن کا مطلب یہ ہے کہ راوی اپنے شیخ کی تعظیم کے لئے ایک مبہم اور متشابہ لفظ کا استعمال کرتا ہے اور اسی طرح کسی شہر یا قبیلہ کی عظمت یا فضیلت کے پردہ میں شیخ کی عظمت جتاننا چاہتا ہے، مثلاً ایک مصری شخص کہے: ”حدثني فلان بالاندلس“، یعنی مجھے فلاں شخص نے اندلس میں حدیث بیان کی، اور اندلس سے مراد وہ مقام لے جو ”القرافہ“ میں واقع ہے۔ یا ”زقاق حلب“ کہے اور ”قاہرہ“ کی ایک جگہ مراد لے، یا ایک بغدادی شخص کہے ”حدثني فلان بسماوراء النهر“ یعنی ماوراء النہر کے ایک شخص نے مجھے حدیث بیان کی اور اس سے مراد یہ لے کہ دریائے دجلہ کے پار مجھے حدیث بیان کی، یا یوں کہے ”حدثني فلان بالرقہ“ فلاں شخص نے مجھے رقہ (ایک شہر کا نام ہے) میں حدیث بیان کی اور اس سے مراد دریائے دجلہ کے کنارے پر ایک باغ مراد لے۔

ان تمام الفاظ کے سننے سے سامع کے ذہن میں یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ یہ شخص طلب حدیث کے لئے بہت سے شہروں کا سفر کر چکا ہے۔ (۲)

۱۔ معرفۃ انواع علم الحدیث: ص ۱۵۸

۲۔ التلک علی کتاب ابن الصلاح لابن حجر: ۱۵۶/۲

تذلیس الاماکن کا حکم:

پہلی قسم ”یعنی تذلیس الاسناد“ سے کم درجہ کی ہے، اس لئے کہ اس میں کوئی راوی محذوف نہیں ہوتا بلکہ راوی کا غیر معروف نام ذکر کرنے سے سننے والے الجھن و دشواری میں پڑتے ہیں اور راوی کی عرفی حیثیت متاثر ہوتی ہے۔ البتہ چونکہ ایسا کرنے کی اغراض مختلف ہوتی ہیں اس لئے اس کے پیش نظر درجہ گراہت مختلف ہوگا۔^(۱) اگر راوی اپنے استاذ سے سماع کی تصریح کرے تو روایت مقبول ہوگی۔

(۲) حدیث مرسل خفی:

حدیث مرسل خفی کی تعریف:

”ہر وہ روایت ہے جسے راوی کسی ایسے شخص سے نقل کرے، جس سے اس کی معاشرت کے باوجود ملاقات و سماع ثابت نہ ہو بلکہ دونوں کے درمیان واسطہ ہو۔“ چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”المرسل الخفی إذا صدر من معاصر لم یلق من حدث عنه بل بینہ و بینہ واسطة.“^(۲)

حدیث مرسل خفی کی مثال:

سنن ابن ماجہ کی حدیث ہے: ”عمر بن عبد العزیز عن عقبہ بن عامر مرفوعاً رحمہ اللہ حارس الحرس.“^(۳)

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں ہے، جس کی تصریح علامہ مزی رحمۃ اللہ علیہ نے ”تحفۃ الاشراف“^(۴) میں کی ہے۔

۱۔ معرفۃ النواع علم الحدیث: ص ۱۶۱

۲۔ نزہۃ النظر شرح نخبة الفكر: ص ۸۲

۳۔ سنن ابن ماجہ: ۳/۳۴۹

۴۔ تحفۃ الاشراف بمعرفۃ الاطراف: ۳۱۴/۷

حدیث مرسل خفی کا حکم:

حدیث مرسل خفی بھی راوی کے مذکور نہ ہونے کی وجہ سے مجہول السند بن کر ضعیف بن جاتی ہے۔!

مدلس اور مرسل خفی میں فرق:

۱۔ تدلیس میں مدلس جس سے روایت کر رہا ہے اس سے ملاقات اور سماع دونوں ثابت ہوتے ہیں بخلاف مرسل خفی کے کہ ارسال کرنے والا اگرچہ اپنے مروی عنہ کا معاصر ہوتا ہے مگر اس سے اس کی ملاقات اور سماع دونوں ثابت نہیں ہوتے۔

۲۔ تدلیس میں ملاقات اور سماع دونوں شرط ہے جبکہ ارسال خفی اسے کہتے ہیں جس میں سماع اور ملاقات ثابت نہ ہو۔

۳۔ محدثین کا اتفاق ہے کہ ابو عثمان نہدی، قیس ابن حازم وغیرہ مخضرمین (یعنی وہ لوگ جنہوں نے زمانہ جاہلیت اور زمانہ اسلام دونوں دیکھے) آنحضرت ﷺ سے جو روایت کرتے ہیں یہ تدلیس نہیں؛ بلکہ ارسال خفی ہے پس اگر تدلیس کا مدار صرف معاصرت پر ہوتا تو ان حضرات کا شمار مدلسین میں ہوتا، کیونکہ یہ آنحضرت ﷺ کے معاصر تو تھے، مگر انکی آپ سے ملاقات ہوئی یا نہیں ہوئی، یہ معلوم نہیں ہے، چنانچہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور ابو بکر رازی رحمۃ اللہ علیہ اس بات کے قائل ہیں کہ تدلیس میں ملاقات شرط ہے اور ”کفایہ“ میں علامہ خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام بھی اس کا تقاضا کرتا ہے اور قابل اعتماد بھی یہی ہے۔^(۱)

فصل دوم

راوی کے غیر ثقہ ہونے کی وجہ سے ضعف کا واقع ہونا:-

چونکہ ہماری بحث ضعیف احادیث سے متعلق ہے نہ کہ موضوع احادیث سے؛ کیونکہ موضوع سے استدلال واستنباط نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی اسے دوسری حدیث کی تقویت و تائید کے لئے پیش کیا جاسکتا ہے، اس لئے ہم نے موضوع حدیث کو چھوڑ کر متروک سے آغاز کیا! کیونکہ متروک یعنی متہم بالکذب کے بارے میں مختلف آراء موجود ہیں۔ اگرچہ مصطلحات پر لکھنے والے حضرات نے موضوع کو ضعیف میں شمار کیا ہے، کیونکہ انہوں نے ترتیب رتبہ کو ملحوظ رکھا تو موضوع بھی اس جہت سے اس میں داخل ہوگئی۔

راوی میں اسباب طعن دس ہیں، جن کی بنا پر راوی مجروح قرار دیا جاتا ہے۔ البتہ موضوع کو نکال دینے سے پیچھے نو اسباب رہ جاتے ہیں، جن کی بنا پر درج ذیل اقسام وجود میں آتی ہیں:-

(۱) حدیث متروک

حدیث متروک کی تعریف:

”ہر وہ حدیث جس کے راوی پر جھوٹ کی تہمت ہو“۔

چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”هو ما يكون بسبب تهمة الراوي بالكذب.“ (۱)

حدیث متروک کی مثال:

عمر بن شمر جعفی کو فی شیعہ کی روایت ہے: ”عن جابر، عن أبي الطفيل، عن علي

وعمار قالا: كان رسول الله ﷺ ... يقنت في الفجر ويكبر يوم عرفة من صلاة

الغداة ويقطع صلاة العصر آخر أيام التشريق.“ (۲)

۱- نزہۃ النظر شرح نخبۃ الفکر: ص ۸۹

۲- سنن دارقطنی: ۳۷۲

اس حدیث کے راوی (جو کہ عمرو بن شمر ہے) کے متعلق امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ اور امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ حضرات نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ یہ راوی ”متروک الحدیث“ ہے۔^(۱)

حدیث متروک کا حکم:

بعض حضرات کے نزدیک اگر یہ شخص تائب ہو جائے، جس کی صورت یہ ہے کہ اس میں توبہ کی سچائی کی علامات ظاہر ہو جائیں تو ایسے شخص کی روایت مقبول ہے ورنہ نہیں۔^(۲)

(۲) حدیث منکر:

حدیث منکر کی تعریف:

”ہر وہ حدیث جس کی سند میں ایسا راوی ہو جو فسق یا فحش غلط یا کثرت غفلت کے ساتھ متصف ہو۔“

چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”فمن فحش غلطه أو كثرت غفلته أو ظهر فسقه فحدیثه منکر.“^(۳)

حدیث منکر کی مثال:

سنن ابن ماجہ کی روایت ہے جو ابو زکیر یحییٰ بن محمد بن قیس سے عن ہشام عن اُبیہ عن عائشہ مرفوعاً مروی ہے۔

”كلوا البلح بالتمر، كلوا الخلق بالجدید، فإن الشيطان يغضب ويقول: بقي ابن آدم حتى أكل الخلق بالجدید“^(۴)

۱۔ میزان الاعتدال: ۳۲۴/۵

۲۔ منہل الروی فی مختصر علوم الحدیث: ص ۶۷، مقدمہ فی اصول الحدیث: ص ۷۲

۳۔ نزہۃ النظر شرح نخبۃ الفکر: ص ۸۹ ۴۔ سنن ابن ماجہ: ۴/۳۳۳/۳۳۴

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ (۱) کا بیان ہے کہ یہ حدیث ”منکر“ ہے، اس لئے کہ یہ صرف ”ابو زکیر“ کے طریق سے مروی ہے باوجود اس کے کہ صالح اور نیک شخص ہے، امام مسلم نے متابعات میں ان کی روایات لی ہیں، مگر اس درجہ کا آدمی نہیں ہے کہ ان کا تفرّد قابل قبول ہو، بلکہ بعض ائمہ حضرات جیسے ابن معین، ابن حبان اور عقیلی وغیرہ نے ان کو ضعیف قرار دیا ہے۔ (۲)

”منکر“ کی مذکورہ تعریف حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ”نخبۃ الفکر“ میں ذکر کی ہے اگرچہ اس کی شرح نزہۃ النظر میں اس کی نسبت دوسروں کی طرف کی ہے اور خود وہ تعریف پسند کی ہے جس کو زیادتِ ثقہ کی بحث میں بیان کیا ہے (یعنی ضعیف راوی ثقہ راوی کی مخالفت کرے) حافظ ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ نے ”منکر“ کی دو اقسام قرار دیتے ہوئے پہلی قسم (یعنی ثقہ راوی اوثق کی مخالفت کرے) کو شاذ قرار دیا ہے اور دوسری قسم کی تعریف ان الفاظ کے ساتھ کی ہے ”وہو الفرد الذی لیس له فی راویہ من الثقة والاتقان ما یحتمل معہ تفرّدہ“ وہ غریب روایت جس کا راوی اعتماد و اعتبار میں اس درجہ کا نہ ہو کہ اس کا تفرّد قابل قبول ہو“ اس کا حاصل تقریباً وہی ہے جو اوپر بیان ہو چکا ہے۔ چنانچہ موصوف نے بطور مثال مذکورہ بالا روایت ہی ذکر کی ہے اور ”اسباب طعن“ کے مناسب بھی یہی تعریف ہے جو اوپر ذکر کی گئی۔ (۳)

منکر کی تعریف میں انتہائی اضطراب کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ درحقیقت یہ اضطراب سطحی نظر کا نتیجہ ہے۔ بغور جائزہ لیں تو صاف نظر آتا ہے کہ لفظ ”منکر“ متقدمین اور متاخرین میں ایک خاص

۱۔ ابو عبد الرحمن احمد بن علی بن شعیب نسائی، آپ ۳۱۵ھ میں نسائی میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم اپنے شہر کے شیوخ سے حاصل کی، اس کے بعد مختلف مقامات خراسان، عراق، حجاز، جزیرہ، شام، مصر وغیرہ کا سفر کر کے علم میں کمال حاصل کیا، موصوف زہد و تقویٰ میں بھی یکتائے روزگار تھے، صوم داودی پر ہمیشہ عمل پیرا رہے، دن رات کا اکثر حصہ عبادت میں گزرتا، کثرت سے حج بیت اللہ کیا کرتے، وفات ۳۰۳ھ کو ہوئی۔ چند مشہور تصانیف: کتاب السنن، کتاب عمل الیوم واللیلة۔ مزید حالات کے لئے دیکھئے: سیر اعلام النبلاء: ۱۳۰، ۱۲۵، ۱۳۰، اور بستان المحمدین: ۱۹۵، ۱۹۸

۲۔ تدریب الراوی فی شرح تقریب النوادی ۲/۲۷۸

۳۔ معرفۃ انواع علم الحدیث: ۱۷۱، ۱۷۲

”پس منظر“ رکھتا ہے۔ متاخرین محدثین کرام عام طور پر ”مـارواه الضعیف
مخالف اللثقة“ کے تناظر میں لفظ ”منکر“ استعمال کرتے ہیں۔ متقدمین علماء کرام اکثر و بیشتر لفظ
”منکر“ کو مخالفت کے بغیر محض تفردِ راوی کے لئے بھی استعمال کرتے ہیں، اگرچہ راوی ثقہ ہی
ہو مثلاً امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ افلح بن حمید الانصاری، (جو صحیحین کے راویوں میں سے ایک
راوی ہے) ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

”روی أفلح حديثين منكرين: أن النبي ﷺ أشعر، وحديث:
وقت لأهل العراق ذات عرق.“ (۱)

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے ان دونوں حدیثوں کو افلح بن حمید کے تفرد کی وجہ سے منکر
کہا حالانکہ افلح ثقہ راوی ہے۔

اس تفصیل کے بعد اب ہم فی زمانہ ایک کوتاہی کی نشاندہی کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ بعض
معاصرین لفظ ”منکر“ دیکھ کر جلدی سے بلا تامل اس پر ضعف کا حکم لگا دیتے ہیں، جب کہ یہ عین
ممکن ہے کہ زیر بحث روایت کو صرف تفرد بلا مخالفت کی وجہ سے منکر کہا گیا ہو اور وہ فی نفسہ حسن یا
صحیح ہو۔ جیسا کہ گزشتہ مثال سے یہ بات واضح ہو چکی ہے۔

حدیث منکر کا حکم:

”حدیث منکر“ کا حکم مختلف ہوگا، اگر راوی کی مناکیر بکثرت نہیں ہے تو پھر اس پر ضعف شدید کا
حکم نہیں لگایا جائے گا۔ اگر مناکیر بکثرت ہوں تو ضعف شدید کا حکم لگایا جائے گا، یہ حدیث پھر
فضائل اعمال میں بھی قابل عمل نہیں ہوگی اور نہ ہی اس کو متابعت اور شواہد میں ذکر کیا جاسکتا ہے۔

(۳) حدیث معلل:

حدیث معلل کی تعریف:

”ہر وہ حدیث جو ظاہراً علل سے محفوظ ہو مگر حقیقت میں اس کے اندر کوئی علت قادحہ ہو“

چنانچہ علامہ ابن الصلاح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”هو الحديث الذي اطلع على علة تقدر في صحته مع أن

ظا هرہ السلامة منها“ (۱)

حدیث معلل کی اقسام:

حدیث معلل کی دو قسمیں ہیں:

(۱) معلل سنداً (۲) معلل متناً

معلل سنداً کی تعریف اور مثال:

علل سنداً اس کو کہتے ہیں جس میں علت قادحہ سند میں ہو۔ مثلاً: یعلیٰ بن عبید کی روایت ہے

جوسفیان ثوری سے بواسطہ عمرو بن دینار عن ابن عمر مرفوعاً مروی ہے، ”البيعان بالخيار“ اس میں

یعلیٰ بن عبید کو سفیان کے شیخ کے بارے میں وہم ہوا ہے، اور عبد اللہ بن دینار کی جگہ عمرو بن دینار کا

نام لیا ہے، اس غلطی کی وجہ سے اگرچہ سند مجروح ہے لیکن متن بالکل محفوظ ہے کیونکہ اصل ثقہ کی

جگہ دوسرے ثقہ کا نام لیا ہے۔ نیز دوسری صحیح ترین اسانید کے ساتھ یہ روایت بھی حدیث کی

کتابوں میں موجود ہے۔ (۲)

معلل متناً کی مثال:

یہ قلیل الوقوع ہے مثلاً موطاً امام مالک اور مسلم شریف کی حدیث ہے:

۱۔ معرفۃ انواع علم الحدیث: ص ۱۸۷

۲۔ معرفۃ انواع علم الحدیث: ص ۱۸۹، تدریب الراوی فی شرح تقریب النوادی: ۲۹۷/۱

”عن أنس بن مالك^(۱)؛ أنه قال: قمت وراء أبي بكر وعمر وعثمان، فكلهم كان لا يقرأ^(۲) بسم الله الرحمن الرحيم^(۳) إذا افتتحوا الصلاة.“ (۱)

یہ حدیث کئی وجوہ سے معلول ہے، جن کو حافظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے مختصر نقل کیا ہے۔ اس کی تفصیل کے لئے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔ (۲) راوی پر طعن کے اسباب میں سے ایک سبب ثقات کی مخالفت ہے جس کی مختلف صورتیں ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

(۴) حدیث مدرج

حدیث مدرج کی تعریف:

”ہر وہ حدیث ہے جس کی متن میں راوی ایسا اضافہ کرے جسے سننے والا حدیث کا جز تصور کرے۔“

چنانچہ علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”هو: أن تزداد لفظة في متن الحديث من كلام الراوي، فيحسبها من يسمعها منه مرفوعة في الحديث“ (۳)

حدیث مدرج کی دو اقسام ہیں:

(۱) مدرج الاسناد:

ہر وہ حدیث جس میں سیاق سند بدل جانے سے ثقات کی مخالفت ہو جائے۔ اس کی مختلف صورتیں ہیں:

(۱) راوی نے متعدد اساتذہ سے مختلف سندوں کے ساتھ ایک حدیث سنی مگر اسے بیان

۱۔ الموطأ للإمام مالك: ۱۳۶/۱ الجامع الصحيح للإمام مسلم: ۲۹۹/۱

۲۔ تدریب الراوی: ۳۰۲، ۲۹۷/۱

۳۔ اختصار علوم الحدیث مع الباعث الحثیف ج ۵۸

کرتے وقت ہر استاد کی سند کو علیحدہ علیحدہ بیان کرنے کے بجائے سب سندوں کو ملا کر ایک سند سے بیان کرے مثلاً؛

جامع الترمذی کی حدیث ہے:

”عن سفیان، عن منصور والأعمش، عن أبي وائل، عن عمرو بن شرحبيل، عن عبد الله، عن النبي ﷺ أي الذنب أعظم؟ الحديث.“ (۱)

اس حدیث میں سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کے تین شیوخ مذکور ہیں جن کا سند کے اگلے حصے میں یہ اختلاف ہے کہ ان میں سے ”واصل“ نے ”ابو وائل“ اور ”عبد اللہ“ کے درمیان ”عمرو بن شرحبیل“ کا واسطہ نہیں بیان کیا ہے، باقی دو نے اس واسطے کا ذکر کیا ہے مگر روایت کرنے والوں نے تینوں سے بالاتفاق ”عمرو“ کا واسطہ ہونا نقل کیا ہے۔ (۲)

(۲) شیخ نے حدیث کسی سند سے روایت کی اور اس کا کچھ حصہ دوسری سند سے بیان کیا۔ راوی نے پوری روایت پہلی ہی سند سے روایت کی، یا ایک حدیث ایک شیخ سے سنی اور اس کا کچھ حصہ اس شیخ کے کسی شاگرد سے اور پھر پوری حدیث شیخ کی سند سے روایت کی اور اس شاگرد کو بچ سے حذف کر دیا۔

(۳) کسی راوی کے پاس دو حدیثیں مختلف سندوں سے تھیں مگر بیان کرتے وقت ایک ہی سند سے دونوں کی روایت کی، یا ایک حدیث کو اس کی مخصوص سند سے بیان کیا مگر دوسری حدیث کا کوئی حصہ اس میں شامل کر دے۔

(۴) شیخ نے کسی سے حدیث کی سند بیان کی، پھر اس کا متن بیان کرنے سے پہلے کوئی دو سر اکلام کیا جسے شاگرد نے غلط فہمی سے اسے متن سمجھ کر اسے اس سند سے روایت کیا۔ (۳)

۱۔ جامع الترمذی: ۲۲۵/۵

۲۔ تدریب الراوی فی شرح تقریب النوادی: ۳۲۲، ۳۲۱/۱

۳۔ نزہۃ النظر شرح نخبة الفكر: ص ۹۰، ۹۱

(۲) مدرج الہمتن:

ہر وہ حدیث ہے جس کے متن میں غیر متن کو داخل کر دیا جائے (جو کبھی صحابی کا قول ہو تا ہے اور کبھی بعد کے راویوں میں سے کسی کا)۔

مدرج الہمتن کی اقسام:

(۱) ”ادراج“ کی ایک قسم یہ ہے کہ راوی حدیث کے شروع میں اپنا کلام درج کرے لیکن ایسا بہت کم ہوتا ہے، مثلاً راوی اپنے کسی قول پر حدیث سے استدلال کرنا چاہتا ہے تو اس قول کو ذکر کر کے پھر حدیث نقل کرتا ہے، سننے والا پورے مجموعے کو حدیث سمجھ کر اسی حیثیت سے روایت کرتا ہے، جیسے خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت نقل کی ہے، ”ابو قطن و شبابہ“ سے بواسطہ شعبہ ”عن محمد بن زیاد عن أبي هريرة“ قال: قال رسول الله ﷺ: أسبغوا الوضوء، ويل للأعقاب من النار۔“ (۱)

اس میں ”أسبغوا الوضوء“ کا ٹکڑا مدرج ہے جو کہ آغاز حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے؛ اس لئے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بواسطہ آدم عن شعبہ سے اسی سند سے روایت کو یوں نقل کیا ہے: ”أسبغوا الوضوء، فإن أبا القاسم ﷺ قال: ويل للأعقاب من النار۔“ (۲) خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ ابو قطن اور شبابہ کو وہم ہو گیا ہے کہ انہوں نے اس ٹکڑے کو بھی بطور حدیث نقل کر دیا حالانکہ آدم کے علاوہ دوسروں نے بھی شعبہ سے آدم کے الفاظ کے ساتھ روایت نقل کی ہے۔ (۳)

(۲) ادراج کی ایک قسم یہ ہے کہ ادراج درمیان میں ہو، جس کا وقوع نہ ہونے کے برابر ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث جو کہ آغاز وحی کے بیان میں بہت مشہور ہے: کان النبی

۱ الفصل للوصل المدرج فی النقل: ۱۰۷/۱

۲ الجامع الصحيح للإمام البخاری: ص ۳۳

۳ الفصل للوصل المدرج فی النقل: ۱۰۸/۱

ﷺ يتحنث في غار حرا وهو التعبد الليالي ذوات العدد. (۱) اس میں ”هو التعبد“ درمیان حدیث میں مدرج ہے جو کہ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے جس سے لفظ ”تحنث“ کی تشریح مقصود ہے۔

(۳) ادراج کی تیسری قسم یہ ہے کہ ادراج حدیث کے آخر میں ہو جس کا وقوع بکثرت ہے، جیسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے:

”عن أبي هريرة مرفوعا: للعبد المملوك الصالح

أجران، والذي نفسي بيده لولا الجهاد في سبيل

الله، والحج، وبرأمي، لأحببت أن أموت، وأنا مملوك.“ (۲)

اس میں ”والذي نفسي“ سے آخر تک مدرج ہے، جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا ارشاد

ہے، اس لئے کہ حضور ﷺ غلامی کی تمنا کیسے کر سکتے ہیں اور نہ ہی آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ با حیات تھیں۔ (۳)

ادراج کا حکم:

تمام فقہاء و محدثین کا اتفاق ہے کہ صحابہ کے بعد کسی اور کے لئے ادراج حرام ہے۔ البتہ اگر کسی نے غریب لفظ کی تفسیر و تشریح کے طور پر ادراج کیا ہو تو اجازت ہے نیز اگر خطا ہو تب بھی مضائقہ نہیں مگر بکثرت ایسا ہو تو اس وقت اس کی حدیث ضعیف قرار پائے گی۔

(۵) حدیث مقلوب

حدیث مقلوب کی تعریف:

”ہر وہ حدیث جس کی سند یا متن میں تقدیم یا تاخیر کی وجہ سے مخالفت واقع ہو جائے۔“

۱۔ الجامع الصحيح للإمام البخاری: ص ۱

۲۔ الجامع الصحيح للإمام البخاری: ص ۴۱۱، ۴۱۲

۳۔ تلخیص الراوی فی شرح تقریب النواوی: ۳۱۷/۱

چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”إن كانت المخالفة بتقديم أو تأخير: فهو المقلوب“ (۱)

مقلوب کی دو اقسام ہیں:

(۱) مقلوب السند (۲) مقلوب المتن

(۱) مقلوب السند کی تعریف:

ہر وہ حدیث جس کی سند میں تقدیم و تاخیر کے ذریعے رد و بدل کیا جائے۔ مثلاً کسی راوی اور اس کے والد کے نام میں تقدیم و تاخیر کر دی جائے، جیسے ”کعب بن مرہ“ کو ”مرہ بن کعب“ کر دینا۔ اسی طرح کسی حدیث کے مشہور راوی کی جگہ دوسرے کا نام لینا، جیسے حضرت سالم بن عبد اللہ سے منقول کسی مشہور حدیث کو ”حضرت نافع“ سے نقل کرنا۔

مقلوب السند کی مثال:

”عن عمرو بن خالد عن حماد بن عمرو النصبي، عن الأعمش، عن أبي صالح، عن أبي هريرة مرفوعاً: إذا لقيتم المشركين في طريق فلا تبدأوهم بالسلام، واضطروهم إلى أضيقتها.“ (۲)

یہ حدیث مقلوب السند ہے۔ حماد بن عمرو نے اعمش سے نقل کیا ہے، حالانکہ یہ حدیث سہیل بن ابی صالح سے مروی ہے، جیسا کہ مسلم شریف میں ہے۔ (۳)

(۲) مقلوب المتن کی تعریف:

متن حدیث کے کسی حصے کو مقدم و موخر کر دیا جائے یا کئی احادیث میں سے ہر ایک کی سند کو

۱۔ نزہۃ النظر شرح نخبہ المفکر: ص ۹۲

۲۔ میزان الاحوال: ۳۶۸/۳

۳۔ الجامع الصحیح للإمام مسلم: ۱۷۰۷/۴

دوسری حدیث کے سند کے ساتھ جوڑ دیا جائے، جیسے اہل بغداد نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی بغداد تشریف آوری کے موقع پر ان کے امتحان کے لئے کیا تھا۔

مقلوب الممتن کی مثال:

مسلم شریف کی حدیث ہے:

”عن أبي هريرة^{رض} عن النبي ﷺ، قال: سبعة يظلهم الله في ظله يوم لا ظل إلا ظله: الإمام العادل، وشاب نشأ بعبادة الله، ورجل قلبه معلق في المساجد، ورجلان تحابا في الله اجتمعا عليه وتفرقا عليه، ورجل دعت امرأته ذات منصب وجمال فقال: إني أخاف الله، ورجل تصدق بصدقة فأخفاها حتى لا تعلم يمينه ما تنفق شماله ورجل ذكر الله خاليا ففاضت عيناه.“ (۱)

اس حدیث میں ایک جملہ ہے ”رجل تصدق بصدقة فأخفاها حتى لا تعلم يمينه ما تنفق شماله“ اس میں کسی راوی سے آخری ٹکڑے میں قلب ہو گیا ہے، صحیح یوں ہے: ”حتى لا تعلم شماله ما تنفق يمينه.“

حدیث مقلوب کا حکم:

اگر قلب ”اغراب“ کی وجہ سے ہو تو بالاتفاق ناجائز ہے اور اگر امتحان کی غرض سے ہو تو جائز ہے اور اگر کسی راوی سے خطا بکثرت ایسا ہو تو اس راوی کی حدیث ضعیف قرار پائے گی۔

(۶) المزید فی متصل الاسانید

المزید فی متصل الاسانید کی تعریف:

”ہر وہ حدیث جس کی سند میں راوی ایسے شخص کا اضافہ کرے جس کو اس کے غیر نے ذکر نہ کیا ہو۔“

(۱) الجامع الصحیح للإمام مسلم: ۱۵/۲

چنانچہ علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”هو أن يزيد راو في الإسناد رجلا لم يذكره غيره“ (۱)
المزید فی متصل الاسانید کی مثال:

مسلم شریف میں عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے:

”حدثنا سفیان، عن عبد الرحمان بن يزيد، حدثني بسر بن عبيد الله قال: سمعت أبا ادريس، قال: سمعت وأثله، يقول: سمعت أبا مرثد، يقول: سمعت رسول الله ﷺ يقول: لا تجلسوا على القبور ولا تصلوا اليها“ (۲)

اس حدیث کی سند میں دو جگہ زیادتی ہے: (۱) سفیان کی (۲) ابو ادریس کی، اور یہ زیادتی محض وہم کی بنا پر ہے۔

(۱) ”سفیان“ کی زیادتی، عبد اللہ بن مبارک سے نقل کرنے والوں کے وہم کی بنا پر ہے؛ اسلئے کہ ثقات کی ایک جماعت نے عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے براہ راست عبد الرحمن بن یزید سے اس روایت کو نقل کیا ہے اور بعض نے ”عن“ کے بجائے صریح لفظ ”أخبر“ استعمال کیا ہے۔

(۲) ”ابو ادریس“ کی زیادتی خود عبد اللہ بن مبارک کا وہم ہے؛ اس لیے کہ ان کے استاذ عبد الرحمان بن یزید سے روایت کرنے والوں میں سے ثقات کی ایک جماعت نے ”ابو ادریس“ کا ذکر نہیں کیا ہے اور بعض نے یہ تصریح کی ہے کہ ”بسر“ نے براہ راست ”وأثله“ سے سنا ہے۔ (۳)

۱۔ اختصار علوم الحدیث مع الباعث الحسیتی: ص ۱۳۱

۲۔ الجامع الصحیح للإمام مسلم: ۶۶۹/۲

۳۔ معرفة انواع علم الحدیث: ص ۳۹۲، ۳۹۳

(۷) حدیث مضطرب

حدیث مضطرب کی تعریف:

”ہر وہ حدیث جو ایک ہی درجہ کی قوت و مرتبہ رکھنے والی مختلف صورتوں کے ساتھ مروی ہو، خواہ راوی ایک ہی ہو اور اختلاف دو یا تین مرتبہ روایت کرنے کی وجہ سے ہوا ہو یا راوی ایک سے زائد ہونے کی وجہ سے اختلاف ہو۔“

چنانچہ علامہ ابن جماعہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”هو الذي يروي على وجه مختلفه متقاربة.“ (۱)

مضطرب کی دو قسمیں ہیں:

(۱) مضطرب السند (۲) مضطرب المتن

(۱) مضطرب السند کی تعریف:

ہر وہ حدیث جس کی سند میں اضطراب واقع ہو (اکثر یہی صورت پیش آتی ہے) مضطرب السند کی مثال:

جامع الترمذی میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے

حضور ﷺ سے عرض کیا: ”یا رسول اللہ! أراك شبت

، قال رسول الله ﷺ شيبتي هود وأخواتها.“ (۲)

امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یہ روایت مضطرب السند ہے، اس لیے کہ یہ صرف

ابو اسحاق کے طریق سے مروی ہے اور اس میں دس وجہوں سے اختلاف ہے، بعض نے مرسل روایت کی ہے اور بعض نے موصولاً، بعض نے مسانید ابی بکر میں اس کو شمار کیا ہے اور بعض نے مسانید عائشہ وغیرہ میں۔

۱۔ المنہل الروي في مختصر علوم الحديث: ص ۵۲

۲۔ جامع الترمذی: ۳۲۵/۱۵

اور تمام روایات ثقات، ہم پلہ وہم درجہ ہیں اس لئے ترجیح و تطبیق کی صورت ممکن نہیں۔ (۱)
(۲) مضطرب المتن کی تعریف:

ہر وہ حدیث ہے جس کے متن میں اضطراب واقع ہو۔

مضطرب المتن کی مثال:

جامع الترمذی کی روایت ہے:

”عن شريك، عن أبي حمزة، عن الشعبي، عن فاطمة بنت قيس^{رض} قالت: سئل رسول الله ﷺ عن الزكوة فقال: إن في المال لحقاً سوى الزكوة.“ (۲)

امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو اسی سند سے بایں الفاظ نقل کیا ہے: ”ليس في المال حق سوى الزكوة“۔ (۳)

حافظ عراقی رحمۃ اللہ علیہ ان دونوں روایات کو نقل کر کے لکھتے ہیں: یہ ایسا اضطراب ہے کہ اس کی توجیہ ممکن ہی نہیں۔ (۴)

حدیث مضطرب کا حکم:

چونکہ اضطراب راوی ”ضبط“ نہ ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے اس لئے مضطرب روایت ضعیف کہلاتی ہے لیکن کبھی کبھار اضطراب کے باوجود حدیث صحیح ہوتی ہے اور وہ اس طرح کہ، کسی راوی اور اس کے باپ یا اس کی نسبت میں اختلاف واقع ہو جائے لیکن وہ راوی ثقہ ہو تو اس اضطراب کے باوجود حدیث صحیح کہلائے گی۔ (۵)

۱۔ تدریب الراوی فی شرح تقریب النوادی: ۳۱۴/۱

۲۔ جامع الترمذی: ۴۰/۲

۳۔ سنن ابن ماجہ: ۳۸۱/۲

۴۔ شرح التہمید والدکرہ: ۲۹۳/۱

۵۔ تدریب الراوی فی شرح تقریب النوادی: ۳۱۴/۱

(۸) حدیث مصحّف

حدیث مصحّف کی تعریف:

”ہر وہ حدیث جس میں راوی نے کسی کلمہ کے نقطوں کو تبدیل کر کے مخالفت کی ہو باوجود اس کے کہ اس کلمہ کی صورت خطی باقی ہو۔“

چنانچہ علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”هو ما وقعت المخالفة فيه بتغيير النقط في الكلمة مع بقاء صورة الخط فيها.“ (۱)

مصحّف کی دو قسمیں ہیں:

(۱) مصحّف فی السند (۲) مصحّف فی المتن:

(۱) مصحّف فی السند کی تعریف:

ہر وہ حدیث جس کی سند میں تصحیف واقع ہو۔

مصحّف فی السند کی مثال:

امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث ہے ”عن العوام بن مراحم، عن أبي عثمان النهدي، عن عثمان بن عفان، قال: قال رسول الله ﷺ لتؤدون الحقوق إلى أهلها.“ (۲)

اس روایت میں ابن معین رحمۃ اللہ علیہ نے تصحیف کر کے ”عوام بن مراحم“ کو ”عوام بن مزاحم بنادیا۔“ (۳)

(۲) مصحّف فی المتن کی تعریف:

ہر وہ حدیث ہے جس کی سند میں تصحیف واقع ہو۔

۱۔ فتح الملہم شرح صحیح مسلم: ۱۶۰/۱

۲۔ کتاب العلل: ۶۴۳-۶۵

۳۔ معرفۃ النواع علم الحدیث: ص ۳۸۴

مصحف فی الہمتن کی مثال:

”عن زید بن ثابت: ”أن رسول الله ﷺ احتجر في المسجد“ (۱)

اس روایت میں ابن لہیعہ نے تصحیف کر کے ”احتجر“ کو ”احتجم“ بنا دیا۔

حدیث مصحف کا حکم:

اگر کسی راوی سے اتفاقاً یہ عمل سرزد ہو جائے تو اس کی وجہ سے اس کا ضبط متاثر نہیں ہوتا، اس لیے کہ تھوڑی بہت غلطی سے تو شاذ و نادر ہی کوئی محفوظ رہا ہوگا اور اگر بکثرت ہو تو اس سے راوی کا ضبط متاثر ہوتا ہے جس کی بنا پر روایت ضعیف کہلاتی ہے۔

(۹) جہالت

راوی پر طعن کے اسباب میں سے ایک سبب ”جہالت“ ہے اس پر مشتمل حدیث کا کوئی خاص نام نہیں ہے، بلکہ جو راوی اس وصف کے ساتھ متصف ہو اس کو حضرات محدثین ”مجہول“ سے یاد کرتے ہیں۔

مجہول کی تعریف:

ہر وہ راوی جس کی ذات یا صفات کا علم نہ ہو۔

مجہول کی اقسام: (۱) مجہول الذات (۲) مجہول العین (۳) مجہول الحال

(۱) مجہول الذات:

ہر وہ راوی جس کے نام کی تصریح نہ کی جائے۔ اسے حضرات محدثین ”مبہم“ کے عنوان سے ذکر کرتے ہیں۔ (۲)

۱۔ الجامع الصحیح للإمام البخاری: ص ۶

۲۔ نزہۃ النظر شرح نخبة الفكر: ص ۹۲

جہالت کی قسمیں:

(۱) کثرت صفات:

جن الفاظ و کلمات سے راوی کو ذکر کیا جاتا ہے ان کی کثرت خواہ حقیقی نام و کنیت ہو یا لقب و وصف، یا نسب و پیشہ، راوی ان میں سے کسی ایک سے معروف و مشہور ہوتا ہے اور ذکر کرنے والا کسی خاص غرض کے تحت غیر مشہور نام و وصف کو استعمال کرتا ہے، جس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ کوئی دوسرا راوی ہے اور اس نام و وصف سے معروف نہ ہونے کی وجہ سے راوی مجہول قرار پاتا ہے۔

کثرت صفات کی مثال:

”محمد بن سائب بن بشر کلبی“ کو بعض نے ”دادا“ کی طرف منسوب کر کے ”محمد بن بشر“ کہا ہے، بعض نے ان کا نام ”حماد“ ذکر کیا ہے، بعض نے ان کی کنیت ”ابونصر“ بعض نے ”ابوسعید“ اور بعض نے ”ابوہشام“ ذکر کی ہے، جس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ پوری ایک جماعت کے نام ہیں، حالانکہ ان سب کا مصداق ایک ہی شخص ہے۔^(۱)

(۲) نام کی عدم صراحت:

اختصار یا کسی دوسری غرض سے راوی حدیث کا نام نہ لینا۔

نام کی عدم صراحت کی مثال:

راوی کا قول ”أخبرني فلان، أخبرني شيخ، أخبرني رجل“ وغیرہ۔

مجہول کا حکم:

اگر راوی نام کی تصریح کرے یا کسی دوسری سند سے اس کے نام کا علم ہو جائے تو اس کی روایت صحیح قرار پائے گی ورنہ ضعیف۔

(۲) مجہول العین

مجہول العین کی تعریف:

”ہر وہ راوی ہے جس کا نام تو لیا گیا ہو، لیکن اس سے روایت کرنے والا ایک ہی شخص ہو۔“

چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”فإن سمي الراوي وانفرد راو واحد بالرواية عنه.“ (۱)

مجہول العین کا حکم:

اگر اس مجہول سے روایت کرنے والے کے علاوہ کوئی دوسرا شخص یا خود راوی توثیق کر دے، بشرطیکہ راوی اس مرتبہ واہلیت کا حامل ہو تب اس کی حدیث صحیح قرار پائے گی ورنہ ضعیف کہلائے گی۔

(۳) مجہول الحال: (مستور)

مجہول الحال کی تعریف:

”ہر وہ راوی جس سے روایت کرنے والے دو یا دو سے زائد ہوں، مگر اس کی توثیق منقول نہ ہو۔“

چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”إن روى عنه اثنان فصاعدا ولم يوثق.“ (۲)

(۱) نزہۃ النظر شرح نخبة الفكر: ص ۹۷

(۲) نزہۃ النظر شرح نخبة الفكر: ص ۹۹

مجہول الحال کا حکم:

بقول ابن جماعہ رحمۃ اللہ علیہ^(۱) کے مختار قول یہی ہے کہ اس کی روایت مقبول ہے، اور سلیم رازی رحمۃ اللہ علیہ^(۲) نے بھی اسی قول کو صحیح قرار دیا ہے، اور متقدمین کے ہاں بھی اسی پر عمل تھا۔^(۳)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ راوی کی حالت معلوم ہونے تک توقف کیا جائے گا۔^(۴)

(۱۰) بدعت:

بدعت کی تعریف:

وہ اعتقادات و اعمال جن کو حضور ﷺ اور صحابہ کرام کے بعد بطور دین ایجاد کیا گیا ہے یا اپنا یا گیا ہے۔ بدعت کی دو قسمیں ہیں:

(۱) بدعت مکفرہ:

ایسا اعتقاد رکھنا جو باعث تکفیر ہو، مثلاً: راوی شریعت کے کسی متواتر حکم کا انکار کرے یا اس کے خلاف اعتقاد رکھے۔ حوالہ بالا

(۱) محمد بن ابراہیم بن سعد اللہ شافعی جو ابن جماعہ کے نام سے مشہور ہیں ۶۳۹ھ میں پیدا ہوئے۔ تحصیل علم اپنے زمانہ کے اعیان سے کی، موصوف تفسیر، حدیث اور فقہ اور دوسرے علوم کے ماہر عالم تھے ۳۳۷ھ کو وفات پا گئی۔ چند مشہور تصانیف: المنہل الروی، التبیان لمهمات القرآن، کشف الغمۃ فی احکام اہل الذمہ۔ مزید حالات کے لئے دیکھئے: طبقات الشافعیۃ

الکبری: ۷۹/۵-۸۳، اور الاعلام: ۲۹۷/۵

(۲) ابوالفتح سلیم بن ایوب رازی شافعی۔ مشہور مفسر، محدث، فقیہ، لغوی اور ادیب تھے ۴۴۷ھ کو وفات پا گئے۔ چند مشہور تصانیف: غریب الحدیث، الاشارہ۔ مزید حالات کے لئے دیکھئے: طبقات

الشافعیۃ الکبری: ۴۹/۳-۵۰، اور تاریخ الاسلام: ۷۲۳/۹، اور الاعلام: ۱۱۷/۳

(۳) المنہل الروی فی مختصر علوم الحدیث: ص ۶۶

(۴) نہیۃ النظر شرح نخبة الفكر: ص ۱۰۰

بدعتِ مکفرہ کا حکم:

ایسے راوی کی روایت جمہور کے نزدیک بالاتفاق مردود ہے۔

(۲) بدعتِ مفسقہ:

ایسا اعتقاد و عمل جو فسق و گمراہی کا باعث ہو۔ اس کے تحت وہ تمام امور آتے ہیں جنہیں اپنی طرف سے دین کی حیثیت دے دی گئی ہو یا ان کو اپنے مرتبے سے گھٹایا بڑھا دیا گیا ہو (۱)۔

بدعتِ مفسقہ کا حکم:

اگر راوی اپنی اس بدعت کی طرف داعی نہ ہو اور اپنی بدعت کی مؤید اور اس کو رواج دینے والی کسی چیز کو روایت نہ کرے تو جمہور کے نزدیک اس کی روایت مقبول ہوگی ورنہ نہیں۔ اسباب طعن میں سے ایک سبب ”سوء حفظ“ ہے۔

(۱۱) سوء حفظ:

سوء حفظ کی تعریف:

”وہ راوی جس کی اصابت (درست گوئی) خطا پر رائج و غالب نہ ہو“۔ چنانچہ حافظ

ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”هو من لم يرجح جانب اصابتہ علی جانب خطئہ۔“ (۲)

سوء حفظ کی دو اقسام ہیں: (۱) سوء حفظ لازمی (۲) سوء حفظ طاری و عارضی۔

(۱) سوء حفظ لازمی:

”سوء حفظ لازمی وہ ہے جو راوی کے ساتھ ہر وقت رہے۔“

چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

۱۔ نزہۃ النظر شرح منجۃ الفکر: ص ۱۰۰

۲۔ نزہۃ النظر شرح منجۃ الفکر: ص ۱۰۱

”إن كان لازماً للراوي في جميع حالاته.“ (۱)

(۲) سوء حفظ طاری و عارضی:

”سوء حفظ طاری و عارضی وہ ہے جو پڑھا پے یا بینائی چلے جانے یا کتابیں جل جانے کی وجہ سے عارض ہو گیا ہو۔“

چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”إن كان سوء الحفظ طارئاً على الراوي، إما لكبر أو لذهاب بصره، أو لاحتراق كتبه.“ (۳)

سوء حفظ کا حکم:

جو روایات اختلاط سے پہلے کی ہیں وہ ”صحیح“ ہیں اور جو اختلاط کے بعد کی ہیں وہ ”ضعیف“ ہیں اور جن کی قبلیت اور بعدیت کا علم نہ ہو سکے وہ حصول علم پر موقوف رہیں گی۔

ضعیف حدیث کی تمام اقسام کا اجمالی حکم:

یہاں تک ضعیف کی تمام اقسام کا تذکرہ بمع ان کی تعریف اور حکم کے ہو چکا ہے تاہم یہاں تمام اقسام کا اجمالی حکم ذکر کیا جاتا ہے۔

”متروک“ (جس کے راوی پر جھوٹ کی تہمت ہو) اور ”منکر“ (جس کا راوی فسق یا فحش غلط یا کثرت غفلت کا شکار ہو) روایت میں بعض مرتبہ ضعف شدید کی بنا پر انہیں بالکل قبول نہیں کیا جاتا البتہ مرسل، منقطع، معضل، مدلس، معلل، مدرج، مقلوب، مضطرب اور مصحف وغیرہ یہ سب جمہور فقہاء و محدثین کے نزدیک تابع اور شاہد کی تائید حاصل کئے بغیر فضائل اور ترغیب و ترہیب میں قابل عمل، ہیں اور اگر مذکورہ اقسام کو کوئی تابع یا شاہد مل جائے، جس کا راوی ان کے روایات سے فائق ہو یا ان کے درجے کا ہو تو یہ تمام روایات درجہ ضعف سے ترقی کر کے ”حسن لغیرہ“ کے درجے میں پہنچ جاتی ہیں جو کہ احکام میں بھی قابل استدلال ہے۔ (۳)

۱۔ نزہۃ النظر شرح نخبة الفكر: ص ۱۰۲

۲۔ نزہۃ النظر شرح نخبة الفكر: ص ۱۰۲

۳۔ الامتاع بالاربعین المتباینہ: ص ۷۰، نزہۃ النظر شرح نخبة الفكر: ص ۱۰۳

باب دوم

ضعیف حدیث سے استدلال اور اس کی عملی حیثیت

حجیت حدیث:

پوری امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ”سنت“ اسلامی قانون کا دوسرا ماخذ ہے چنانچہ اسی وجہ سے سنت کو احکام کی تشریح میں وہ مقام و مرتبہ حاصل ہے جو خود کلام اللہ شریف کو حاصل ہے۔ اسی پر بس نہیں، بلکہ سنت رسول تحلیل و تحریم کے باب میں بھی قرآن ہی کی طرح ہے۔ قرآن کریم حکم دیتا ہے کہ آپ ﷺ کی طرف سے جو کچھ دیا جائے اس کو بلاچوں و چرا قبول کر لیں؛ اور آپ ﷺ کے منع کردہ امور سے باز رہیں۔

ارشاد خداوندی ہے: ﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا﴾^(۱)
(ترجمہ): ”اور رسول تم کو جو کچھ دیدیا کریں وہ لے لیا کرو اور جس چیز سے تم کو روک دیں تم رک جایا کرو“۔ (بیان القرآن)

آپ ﷺ کے امر کی مخالفت کرنے والے لوگوں کو ڈرایا گیا ہے:
﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾^(۲) (ترجمہ): ”سو جو لوگ آپ کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں ان کو اس سے ڈرنا چاہئے، کہ ان کو کوئی آفت آ پڑے یا ان پہ کوئی دردناک عذاب نازل ہو جائے“۔ (بیان القرآن)

یہ بھی اعلان کر دیا گیا، کہ آپ ﷺ کی اطاعت درحقیقت اللہ جل شانہ ہی کی اطاعت ہے:

﴿مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ﴾ (۱)

(ترجمہ): ”جس شخص نے رسول ﷺ کی اطاعت کی، اس نے خدا تعالیٰ کی اطاعت کی۔“

ہر ضلالت کے لئے اسوۂ نبوت تریاقِ اعظم ہے، جب تک کتاب اللہ کے ساتھ سنت رسول اللہ ﷺ کو دینی سند کی حیثیت سے تسلیم کیا جاتا رہے گا۔ امت گمراہی و ضلالت سے محفوظ رہے گی، لیکن جو نہی کتاب و سنت میں تفریق کی جائے گی تو اس وقت امت قرعِ ضلالت میں جا گرے گی۔

”عن مالك بن أنس^{رض} قال: قال النبي ﷺ تركت فيكم أمرين لن تضلوا ما تمسكتم بهما؛ كتاب الله، و سنة رسوله.“ (۲)

(ترجمہ): ”آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں، جب تک ان دونوں کا دامن مضبوطی سے تھامے رہو گے، ہرگز گمراہ نہ ہو گے: کتاب اللہ، اور سنت رسول اللہ ﷺ۔“

”عن مقدم بن معديكرب، قال: قال النبي ﷺ: أ لا هل عسى رجل يبلغه الحديث عني وهو متكئ على أريكته، فيقول: بيننا وبينكم كتاب الله، فما وجدنا فيه حلالا استحللناه وما وجدنا فيه حراما حرمناه، وإن ما حرم رسول الله كما حرم الله.“ (۳)

(ترجمہ): ”حضرت مقدم بن معدیکرب فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ سن رکھو!! وہ شخص جس کو میری طرف سے حدیث پہنچے اور وہ اپنے تکیہ پر ٹیک لگایا ہوا

۱۔ التمام: ۸۰

۲۔ المؤطا للإمام مالک: ۲/۸۰

۳۔ جامع الترمذی: ۳/۳۹۹-۴۰۰

ہو یہ کہنے لگے کہ لوگوں! تمہیں یہ قرآن کافی ہے، بس جو چیز اس میں حلال ملے، اسی کو حلال سمجھو! اور جو چیز اس میں حرام ملے اسی کو حرام سمجھو! حالانکہ اللہ کے رسول کی حرام بتلائی ہوئی چیزیں بھی ویسی ہیں جیسی اللہ تعالیٰ کی حرام بتلائی ہوئی۔

مذکورہ آیات واحادیث مختلف انداز اور اسالیب سے سنت رسول ﷺ کی حجیت پر دلالت کر رہی ہیں۔

تنبیہ: حدیث وسنت کی جو بھی تعریف محدثین یا اصولیین نے کی ہے۔ قدیم ہو یا جدید اس میں کوئی ایسی قید نہیں جس سے ضعیف احادیث کو نکال باہر کیا جائے۔ جہاں تک موضوع احادیث کی بات ہے، تو وہ اس وقت تک داخل رہتی ہے جب تک وضع کا پتہ نہیں چلتا۔

یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ حلت و حرمت کے باب میں سنت رسول ﷺ کا قرآن کی طرح ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ من حیث الثبوت بھی دونوں کا ایک ہی درجہ ہے بلکہ اس حیثیت سے دونوں میں تھوڑا سا فرق ہے، وہ اس طرح کہ کلام اللہ شریف پورا کا پورا قطعی الثبوت ہے اور اس میں اس جہت سے کسی طرح کے بھی اختلاف کی گنجائش نہیں۔ رہا مسئلہ سنت رسول ﷺ کا تو اس میں ایک قسم وہ ہے جو قرآن کی طرح قطعی الثبوت ہے جیسے خبر متواتر، جس سے علم یقینی بدیہی حاصل ہوتا ہے اور ایک قسم وہ ہے جو ظنی الثبوت ہے جیسے اخبار آحاد جن سے علم یقینی حاصل نہیں ہوتا۔

چونکہ ان اخبار سے علم یقینی حاصل نہیں ہوتا اس لئے ان سے وہ عقائد ثابت نہیں ہوتے جن کا تعلق قطعیات سے ہے اس لیے ان سے استدلال نہیں کیا جاسکتا ہے۔ چہ جائیکہ ضعیف یا منکر روایت کے زریعہ عقیدے کا اثبات کیا جائے جس کی تفصیل انشاء اللہ تعالیٰ آگے آئیگی۔

فصل اول:

عقائد کے باب میں ضعیف حدیث کا مقام:

تمہید:

ضعیف حدیث کے ساتھ افراط و تفریط کا معاملہ برتا جاتا ہے۔ ایک طبقہ ضعیف حدیث کو سرے سے قابل اعتبار نہیں سمجھتا اور اس کو موضوع کے درجہ میں رکھتا ہے جبکہ جمہور فقہاء و محدثین حدیثاً و قدیماً فضائل میں ضعیف احادیث سے استدلال کرتے رہے ہیں اور اگر اسی طبقہ سے عقائد کے متعلق پوچھا جائے جس پر ایمان کا دار و مدار ہے تو خبر واحد (جو کہ جمہور فقہاء و محدثین کے نزدیک ظن کا فائدہ دیتی ہے) کو بھی عقائد میں حجت قرار دینے سے گریز نہیں کرتے اور بسا اوقات شدید ضعیف احادیث (جبکہ ان کے نظریہ کی تائید میں ہو) کی صحت کے لئے ایڑی چوٹی کا زور صرف کرنے لگتے ہیں۔ بے اعتدالی کے یہ دونوں پہلو مذموم اور مضرتناج کا پیش خیمہ ہیں، اس لیے صحیح موقف وہی ہے جسے جمہور نے اپنایا ہے۔ ذیل میں اسے تفصیل سے درج کیا جاتا ہے۔

عقیدہ کی تعریف:

”العقائد ما يقصد فيه الاعتقاد دون العمل.“ (۱)

(ترجمہ): ”عقیدے میں عمل نہیں بلکہ نفس اعتقاد مقصود ہوتا ہے۔“

”العقيدة هي القضية التي تصدق بها.“ (۲)

(ترجمہ): ”عقیدہ اس قضیہ کو کہتے ہیں جو تصدیق کے درجے میں ہو۔“

عقیدہ کسی بھی مذہب کی وہ اساس ہے جس پر وہ مذہب قائم ہوتا ہے۔ اگر عقیدہ متزلزل و مشکوک ہو جائے تو مذہب کی بنیادیں استوار نہیں رہتیں، لہذا عقیدے کا ثبوت ایسے امور سے ہو نا چاہئے جو قطعی الثبوت اور قطعی الدلالة ہوں جیسے کتاب اللہ شریف اور خبر متواتر، اور جو امور قطعی

الثبوت نہیں بلکہ ظنی الثبوت ہیں جیسے اخبار آحاد، تو ان سے عقیدے کا ثبوت نہیں ہوگا۔ البتہ یہ بات ملحوظ رکھنی چاہئے کہ یہاں پر ”علم یقینی“ اور ”علم ظنی“ سے مراد عوام کی اصطلاح میں یقین اور ظن و خیال مراد نہیں ہے بلکہ اہل علم کی خاص اصطلاح ہے کہ وہ قرآن مجید اور حدیث متواتر سے حاصل شدہ علم کو علم یقین سے تعبیر کرتے ہیں اور خبر واحد سے حاصل شدہ علم کو علم ظنی سے تعبیر کرتے ہیں ورنہ عوامی اصطلاح کے اعتبار سے خبر واحد سے حاصل ہونے والا علم، یقین کے اونچے درجے کا ہے، ظن و خیال نہیں ہے۔ لہذا ان دونوں اصطلاحات کو خلط ملط نہیں کرنا چاہئے جیسا کہ بعض حضرات نے کیا ہے۔^(۱)

خبر واحد کا حکم:

ائمہ اربعہ سمیت جمہور فقہاء، محدثین، اصولیین اور متکلمین کا یہی مختار مذہب ہے کہ خبر واحد علم یقینی کا فائدہ نہیں دیتی، بلکہ اس کے ذریعے علم ظنی حاصل ہوتا ہے، جبکہ عقیدے کو ثابت کرنے کے لئے علم یقینی کا ہونا ضروری ہے اور یہ مسلمہ اصول ہے کہ ظن یقین کے منافی ہے، اس لئے خبر واحد سے اس عقیدے کا ثبوت نہیں ہوگا جس کا تعلق قطعیات سے ہے۔ چنانچہ اس کی مزید وضاحت کے لئے درجہ ذیل عبارت ملاحظہ فرمائیے۔

علامہ عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”وقد صرحوا بأن أخبار الآحاد وإن كانت صحيحة لا تكفي في باب العقائد فما بالك بالضعيفة منها؟“
والمراد بعدم كفايتها أنها لا تفيد القطع فلا يعتبر بها مطلقاً
في العقائد التي كلف الناس بالإعتقاد الجازم فيها لأنها
لا تفيد الظن أيضاً ولا أنها لا عبرة بها رأساً في العقائد مطلقاً
كما توهمه كثير من أبناء عصرنا.“^(۲)

۱۔ تعلق نزہۃ النظر شرح منجیہ الفکر: ص ۲۸

۲۔ ظفر الامانی بشرح سید شریف جرجانی: ص ۲۰۳

(ترجمہ): ”اور تحقیق بہت سے اہل علم اس بات کی تصریح کر چکے ہیں کہ اخبار آحاد اگرچہ صحیح ہی ہوں لیکن پھر بھی عقائد کے باب میں مستدل نہیں بن سکتی ہیں چہ جائیکہ ضعیف حدیث؟ لیکن یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ خبر واحد کا عقائد کے باب میں کافی نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ قطعیت کا فائدہ نہیں دیتی، یہ ان عقائد میں مطلقاً معتبر نہیں ہوتی جن کے پختہ اعتقاد کے لوگ مکلف ہیں یہ بات نہیں کہ یہ ظن کا بھی فائدہ نہیں دیتی اور نہ یہ مطلب ہے کہ عقائد کے باب میں سرے سے معتبر نہیں جیسا کہ ہمارے زمانے کے بعض حضرات نے سمجھا ہے۔“

خبر واحد سے علم یقینی ثابت نہ ہونے کے دلائل:

متعدد ائمہ کرام سے اس کے حوالہ جات:

(۱) علامہ ابوبکر ہصا ص حنفی رحمۃ اللہ علیہ (۱) ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ﴾ (۲) کے تحت رقمطراز ہیں:

”وفي هذه الآية دلالة على أن خبر الواحد لا يوجب العلم“ (۳)

۱۔ ابوبکر احمد بن علی رازی حنفی ۳۰۵ھ میں پیدا ہوئے، موصوف نے علم کی تحصیل و تکمیل اپنے زمانہ کے مشہور اعیان سے کی، آپ تفسیر، فقہ، حدیث اور اصول میں مسلم امام تھے، دور دراز ممالک سے اہل علم موصوف کی خدمت میں استفادہ کے لئے پہنچے تھے، بقول خطیب بغدادی کے کہ امام ہصا ص اپنے وقت کے امام اصحاب حنیفہ تھے اور زہد و تقویٰ میں بہت مشہور تھے، عہدہ قضاء بار بار پیش کیا گیا مگر اس کو قبول نہ کیا اور درس و تعلیم کے مشغلہ کو ترجیح دی، ۳۷۰ھ کو انتقال ہوا۔ چند مشہور تصانیف: احکام القرآن، الفصول فی الاصول، مزید حالات کے لئے دیکھئے: تاریخ مدینہ السلام: ۵۱۳/۵-۵۱۵ اور تاریخ الاسلام: ۵۷۶/۸-۵۷۷

۲۔ الحجرات: ۶

۳۔ احکام القرآن: ۲۷۹/۵

(ترجمہ): ”اس آیت سے یہی بات معلوم ہوتی ہے کہ خبر واحد سے علم یقینی ثابت نہیں ہوتا۔“

نیز دوسرے مقام پر موصوف یوں رقمطراز ہیں:

”وَأَمَّا نَسْخَ حُكْمِ الْقُرْآنِ وَمَا ثَبَتَ مِنَ السَّنَةِ مِنْ طَرِيقِ التَّوَاتُرِ بِخَبَرِ الْوَاحِدِ، فَإِنَّهُ غَيْرُ جَائِزٍ عِنْدَنَا، لِأَنَّ خَبَرَ الْوَاحِدِ لَا يُوجِبُ الْعِلْمَ“ (۱)

(ترجمہ): ”قرآن اور سنت سے بطریق تواتر ثابت شدہ حکم کو خبر واحد سے منسوخ کرنا ہمارے نزدیک جائز نہیں کیونکہ خبر واحد موجب علم یقینی نہیں ہے۔“

(۲) علامہ ابن عبدالبر مالکی رحمۃ اللہ علیہ (۲) تحریر فرماتے ہیں:

”وَالَّذِي عَلَيْهِ أَكْثَرُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْهُمْ: أَنَّهُ يُوجِبُ الْعَمَلَ دُونَ الْعِلْمِ، وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ وَجُمْهُورِ أَهْلِ الْفِقْهِ وَالنَّظَرِ، قَالَ أَبُو عَمْرٍو: الَّذِي نَقُولُ بِهِ: إِنَّهُ يُوجِبُ الْعَمَلَ دُونَ الْعِلْمِ“ (۳)

(ترجمہ): ”اکثر اہل علم کا یہی کہنا ہے کہ خبر واحد عمل کا فائدہ دیتی ہے، نہ کہ علم کا، اور یہی قول امام شافعیؒ اور جمہور فقہاء کا بھی ہے، اور مالکیہ کا مختار مذہب بھی یہی ہے کہ خبر واحد موجب عمل ہے نہ کہ موجب علم۔“

۱۔ الفصول فی الاصول: ۲/۳۶۵

۲۔ ابو عمر یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر نمری قرطبی مالکی جمعہ کے روز ماہ ربیع الاول ۳۶۸ھ میں

پیدا ہوئے۔ حصول علم کے لئے اندلس کے مشرقی اور مغربی علاقے چھان مارے۔ موصوف

مشہور حافظ حدیث، فقیہ، مورخ اور ادیب تھے۔ اپنے دور میں حافظ مغرب کے نام سے یاد کئے

جاتے تھے۔ صدق، دیانت، اعتقاد، اتباع سنت نزاہت لسان کے اعتبار سے زمرہ علماء میں

آپ کا خاص امتیاز ہے۔ شہوتہ اور خمترین کے قاضی بھی رہے ہیں، شاطبہ میں ۴۶۳ھ کو ان کا

انتقال ہوا۔ چند مشہور تصانیف: التہمید، الاستدکار، الاستیعاب۔ مزید حالات کے لئے دیکھئے:

تاریخ الاسلام: ۱۵۰/۱۵۲، اور الاعلام: ۲۴۰/۵

۳۔ التہمید لما فی الموطن المعانی والاسانید: ۱/۷

(۳) امام الحرمین جوینی شافعی رحمۃ اللہ علیہ (۱) لکھتے ہیں:

”خبر الواحد لا يقتضي العلم ويوجب العمل“ (۲)

(ترجمہ): ”خبر واحد موجب علم نہیں البتہ عمل کو واجب کرتا ہے۔“

(۴) فخر الاسلام علامہ بزدوی حنفی رحمۃ اللہ علیہ (۳) رقمطراز ہیں:

”و هذا (أي خبر الواحد) يوجب العمل ولا يوجب العلم
يقيناً عندنا.“ (۴)

(ترجمہ): ”احناف کے نزدیک خبر واحد وجوب عمل کا فائدہ تو دیتی ہے، لیکن علم یقینی کا فائدہ نہیں دیتی۔“

۱۔ ابو المعالی امام الحرمین عبد الملک بن عبد اللہ بن یوسف بن عبد اللہ بن یوسف شافعی نیسابوری۔ ماہ محر ۴۱۹ھ میں پیدا ہوئے علم کی تکمیل اپنے والد ماجد سے کی خصوصاً فقہ میں امتیاز حاصل کیا ۲۰ سال کی عمر میں والد ماجد کا انتقال ہوا تو والد کے جگہ پڑھانا شروع کیا، مزید علم کے حصول کے لئے نیسابور، مکہ مکرمہ، وغیرہ تشریف لے گئے اور ان علاقوں میں تدریسی سلسلہ کو بھی جاری رکھا۔ موصوف مشہور محدث و فقیہ، رئیس الشافعیہ گزرے ہیں، بڑے مناظر و متکلم، بلند پایہ خطیب و واعظ تھے۔ وفات ۲۵ ربیع الاول ۴۷۹ھ میں ہوئی۔ چند مشہور تصانیف: الارشاد، النہایہ، البرہان۔ مزید حالات کے لئے دیکھئے: تاریخ الاسلام ۱۰: ۳۲۵-۳۲۸، اور طبقات الشافعیۃ الکبریٰ: ۱۵۸/۳

۲۔ کتاب النخیص فی اصول الفقہ: ۱۱۱/۲

۳۔ ابوالحسن علی بن محمد بن حسین بزدوی۔ موصوف فروع و اصول میں اپنے زمانہ کے امام، شیخ حنفیہ، مرجع العلماء تھے، فقیہ کامل، محدث ثقہ اور حفظ مذہب میں ضرب المثل تھے، موصوف نے عرصہ دراز تک سمرقند میں تدریس و قضاء کے فرائض انجام دیئے۔ مؤرخین نے ان کو امام فی الدنیائی الفروع و الاصول لکھا ہے۔ وفات بخارا میں رجب ۴۸۲ھ کو ہوئی۔ چند مشہور تصانیف: مبسوط، اصول بزدوی، تفسیر قرآن مجید۔ مزید حالات کے لئے دیکھئے: الجواہر المفیہ فی طبقات اہل حنفیہ: ص ۳۷۲، اور الاعلام: ۳۲۸/۳

۴۔ اصول البزدوی مع کشف الاسرار: ۶۷۸/۲

موصوف دوسرے مقام پر یوں فرماتے ہیں:

”وَأَمَّا دَعْوَى عِلْمِ الْيَقِينِ بِهِ، فَبِأُتْلُ بِهَا شُبُهَةً؛ لِأَنَّ الْعَيَانَ يَرِدُهُ مِنْ قَبْلِ أَنَا قَدِينَا أَنَّ الْمَشْهُورَ لَا يُوجِبُ عِلْمَ الْيَقِينِ، فَهَذَا أَوَّلِي وَهَذَا لِأَنَّ خَبَرَ الْوَاحِدِ مُحْتَمَلٌ لَا مُحَالَةٌ وَلَا يَقِينٌ مَعَ الْإِحْتِمَالِ وَمَنْ أَنْكَرَ هَذَا فَقَدْ سَفِهَ نَفْسَهُ وَأَضَلَّ عَقْلَهُ.“ (۱)

(ترجمہ): ”جن لوگوں نے اس بات کا دعویٰ کیا ہے کہ خبر واحد سے علم یقینی حاصل ہوتا ہے، تو ان کا یہ دعویٰ بالکل بے بنیاد ہے؛ اس لئے کہ مشاہدہ اس کی تردید کر رہا ہے۔ وہ اس طرح کہ جب خبر مشہور، خبر واحد سے اوپر کے درجے کی ہے اور اس سے علم یقینی حاصل نہیں ہوتا تو خبر واحد سے بطریق اولیٰ علم یقینی حاصل نہیں ہوگا اور یہ اس وجہ سے کہ خبر واحد میں یقیناً احتمال ہوتا ہے، اور احتمال کی موجودگی میں یقین کا پایا جانا ممکن نہیں اور جو شخص اس کے باوجود اس کا انکار کرے تو وہ اپنی ذات سے بے خبر ہے۔“

(۵) شمس الائمہ علامہ سرخسی حنفی رحمۃ اللہ علیہ (۲) لکھتے ہیں:

”فَبِإِنْ خَبَرَ الْوَاحِدَ لَا يُوجِبُ عِلْمَ الْيَقِينِ، لِإِحْتِمَالِ غَلَطٍ مِنَ الرَّائِي وَهُوَ دَلِيلٌ مُوجِبُ الْعَمَلِ“ (۳)

۱۔ اصول البردوی مع کشف الاسرار: ۶۹۴/۲

۲۔ ابو بکر محمد بن احمد بن ابی اہل سرخسی حنفی، آپ نے علم اپنے وقت کے کبار علماء سے حاصل کیا، موصوف مشہور جلیل القدر محدث و فقیہ تھے، امام وقت، مکمل اصولی و مناظر تھے، آپ سے فقہاء و محدثین کی ایک بڑی جماعت نے فقہ و حدیث میں مہارت حاصل کی۔ موصوف بڑے حق گو تھے، خاقان (بادشاہ وقت) کو بھی نصیحت کی جس کی وجہ سے اس نے کنوئیں میں قید کر دیا۔ وہیں سے آپ نے اپنی مشہور مقبول کتاب مبسوط کی املاء کرائی، ۷۹۰ھ میں انتقال ہوا، چند مشہور

تصانیف: المبسوط، شرح السیر الکبیر، الجامع الکبیر، مزید حالات کے لئے دیکھئے: الأعلام ۵/۳۱۵،

اور الفوائد العسییہ فی تراجم اہل الحدیث: ص ۱۵۸

۳۔ اصول السرخسی: ۱۱۲/۱

(ترجمہ): ”یقیناً خبر واحد علم یقین کو واجب نہیں کرتا؛ کیونکہ راوی سے غلطی کا احتمال ہے البتہ وجوب عمل کی دلیل ضرور ہے۔“

(۶) امام غزالی شافعی رحمۃ اللہ علیہ ”ہل خبر الواحد یفید العلم“ کے تحت لکھتے ہیں:
”فنقول: خبر الواحد لا یفید العلم وهو معلوم بالضرورة؛ لأننا لانصدق بكل ما سمع ولو صدقنا وقد رنا تعارض خبرین فیکف نصدق بالضدین“ (۱)

(ترجمہ): ”ہمارا کہنا یہی ہے کہ خبر واحد علم کا فائدہ نہیں دیتی ہے، یہ بات تو بدیہی ہے کہ ہر سنی ہوئی خبر کی ہم تصدیق نہی کرتے، اگر ہم دو متعارض خبروں کو سچا جانیں (حالانکہ اجتماع ضدین ہے) تو ہم کیسے ضدین کی تصدیق کر سکتے ہیں۔“

(۷) علامہ ابن العربی مالکی رحمۃ اللہ علیہ (۲) لکھتے ہیں:

”أما الثاني الذي يوجب العمل دون العلم فهو الخبر الواحد“ (۳)

۱۔ المستصفی فی علم الاصول: ۲۷۲/۱

۲۔ ابو بکر محمد بن عبد اللہ بن محمد بن عبد اللہ ابن العربی معافیری اشبیلی سے مشہور ہیں۔ ۴۶۸ھ میں پیدا ہوئے یہ اندلس کے آخری عالم اور آخری حافظ حدیث تھے، انہوں نے مشرقی بلاد کا سفر کیا، مثلاً شام، بغداد، دمشق، مصر، بیت المقدس وغیرہ اور ہر ملک کے بڑے بڑے علماء سے علم حاصل کر کے روایت میں وسعت تامہ حاصل کی، نیز علم اصول و کلام اور دوسرے فنون میں بھی مہارت تامہ حاصل کی۔ تمام کمالات کے باوجود حسن خلق، تحمل ایذا، دوستی میں ثابت قدمی اور حسن عہد میں بلند مرتبہ کے مالک تھے۔ موصوف کو اشبیلہ کا منصب قضاء بھی سپرد تھا۔ موصوف کو درجہ اجتہاد بھی حاصل تھا۔ حدیث، فقہ، اصول، قرآن، علوم دینیہ، نحو اور تاریخ میں بھی مہارت تامہ حاصل تھی۔ وفات ۵۴۶ھ میں ہوئی۔ چند مشہور تصانیف: احکام القرآن، عارضۃ الاحوذی فی شرح جامع الترمذی، النسخ والمسنوخ۔ مزید حالات کے لئے دیکھئے: شذرات الذہب فی اخبار من ذہب: ۳۰۸/۳، ۳۱۰، تاریخ الادب العربی:

۲۷۵/۶-۲۷۶، اورستان المحدثین: ص ۳۲۶-۳۳۳

۳۔ المحصول فی اصول الفقہ: ۱۱۵/۱

(ترجمہ): ”بہر حال دوسری قسم جس سے عمل ثابت ہوتا ہے نہ کہ علم، تو وہ خبر واحد ہے۔“

ملک العلماء علامہ کاسانی حنفی رحمۃ اللہ علیہ^(۱) جبیرہ پر مسح کے بارے میں بحث کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

”ووجوب المسح علی الجبائر ثبت بحديث علي b، وإنه من الآحاد، فيوجب العمل دون العلم“^(۲)

(ترجمہ): ”جبیرہ پر مسح کا وجوب حدیث علیؑ سے ثابت ہے اور یہ حدیث خبر آحاد میں سے ہونے کی وجہ سے عمل کو واجب کرتا ہے نہ کہ علم کو۔“

(۸) امام رازی شافعی رحمۃ اللہ علیہ^(۳) **إِذَا قَالُوا لِلنَّبِيِّ لَّهُمْ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا** ^(۴) کے تحت لکھتے ہیں:

۱۔ ابوبکر بن مسعود بن احمد کاسانی۔ موصوف کاسان میں پیدا ہوئے اور اپنے زمانہ کے ارباب کمال سے علوم کی تحصیل کی۔ فقہ کی تکمیل علاء الدین صاحب تحفۃ الفقہاء، وغیرہ حضرات سے کی اور فقہ میں ایسا کمال بہم پہنچایا کہ مرجع خلافت بن گئے، موصوف امام عصر، فقیہ کامل، جامع علوم و فنون تھے۔ آپ استحضار مذاہب میں بے نظیر تھے، موصوف نے حلب کے مدرسہ حلاویہ میں تاحیات درس دیا۔ ۵۸۷ھ میں انتقال ہوا۔ تصانیف: البدائع والصنائع۔ مزید حالات کے لئے دیکھئے الاعلام: ۶۴/۲، اور تاج التراجم فی من صنف من الحنفیہ: ص ۲۹۴-۲۹۷

۲۔ بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع: ۱۵۵/۱

۳۔ فخر الدین ابو عبد اللہ محمد بن عمر بن الحسین بن علی رازی شافعی۔ ۲۵ رمضان ۵۴۴ھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی، اس کے بعد طلب علم کے لئے خوارزم، ماوراء النہر، ری اور خراسان وغیرہ کا سفر کیا اور ان علاقوں کے اعیان وقت سے علوم کو حاصل کیا۔ موصوف مشہور مفسر قرآن، فقیہ، اصولی، طبیب حاذق اور امام محکمین تھے۔ موصوف کی جلالت شان کی سب نے گواہی دی ہے۔ وعظ اور تصنیف میں موصوف کو کمال حاصل تھا، وفات ۶۰۶ھ میں ہوئی۔ چند مشہور تصانیف: التفسیر الکبیر، المحصول، المعالم فی اصول الدین۔ مزید حالات کے لئے دیکھئے: تاریخ الاسلام: ۶۵۵/۱۲-۶۶۱، اور شذرات الذہب فی اخبار من ذہب: ۹۲/۵-۹۳

”أما خبر الواحد فإنه لا يفيد إلا الظن“ (۱)

(ترجمہ): ”بہر حال خبر واحد تو ظن ہی کا فائدہ دیتی ہے۔“

(۹) علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی رحمۃ اللہ علیہ (۲) فرماتے ہیں:

”اختلف الرواية، عن إمامنا في حصول العلم بخبر الواحد، فروى أنه لا يحصل به وهو قول الأكثرين والمتأخرين من أصحابنا؛ أنا نعلم ضرورة أنا لا نصدق كل خبر نسمعه، ولو كان مفيداً للعلم، لما صح ورود خبرين متعارضين لاستحالة اجتماع الضدين، ولجاز نسخ القرآن والأخبار المتواترة؛ به لكونه بمنزلتها في إفادة العلم، وَلَوْ جَبَّ الْحُكْمُ بِالشَّاهِدِ الْوَاحِدِ، وَلَا سَتَوَى فِي ذَلِكَ الْعَدْلُ وَالْفَاسِقُ كَمَا فِي الْمَتَوَاتِرِ.

وروى عن أحمد أنه قال في أخبار الرؤية يقطع على العلم بها وهذا يحتمل أن يكون في أخبار الرؤية وما أشبهها مما كثرت روايته وتلقته الأمة بالقبول ودلت القرائن على صدق ناقله فيكون إذن من المتواتر، إذ ليس للمتواتر عدد محصور“ (۳)

ابن قدامہ رحمہ اللہ کی اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ امام احمد بن حنبل سے

۱۔ التفسیر الکبیر: ۵۰۲/۲

(۲) ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ مقدسی حنبلی شعبان ۵۳۱ھ میں پیدا ہوئے ۵۵۱ھ میں دمشق آئے یہاں علوم دینیہ کی تکمیل کی اور ان علوم میں کمال حاصل کیا۔ موصوف کا شمار اپنے عصر کے نامور فقہاء اور محدثین میں تھا۔ ابن کثیر لکھتے ہیں: موصوف امام اور ایسے زبردست عالم تھے کہ ان کے زمانہ ہی میں کیا ان سے بہت پہلے بھی کوئی ان سے زیادہ فقیہ نہ ہوا۔ وفات ۶۱۰ھ میں ہوئی۔ چند مشہور تصانیف: المغنی، روضة الناظر، کتاب الاعتقاد۔ مزید حالات کے لئے دیکھئے: البدایہ والنہایہ: ۱۵/۱۲۷-۱۲۹، اور شذرات الذهب فی أخبار من ذهب: ۵/۱۷۹-۱۸۳

۳۔ روضة الناظر ورحمة المناظر: ص ۵۲

اس بارے میں اگرچہ دو قول نقل کئے گئے ہیں، لیکن صحیح و معتمد قول وہی ہے جس کی تصریح خود یہاں کر رہے ہیں کہ خبر واحد علم کا فائدہ نہیں دیتی اور یہی جمہور متقدمین و متاخرین حنابلہ کا مختار مذہب ہے اور پھر اپنی اس رائے کی تائید کے لئے پانچ دلیلیں ذکر کی ہیں۔

(۱) اگر خبر واحد علم کا فائدہ دیتی ہوتی، تو ہر خبر کی تصدیق ہم پر ضروری ہوتی، حالانکہ ایسا نہیں، بسا اوقات ثقات کی خبر ہمارے سامنے آتی ہے لیکن ہم اس کی تصدیق نہیں کرتے۔

(۲) اخبار آحاد آپس میں متعارض بھی ہوتی ہیں اور قطعیات میں کوئی تعارض نہیں ہوتا۔ اگر خبر واحد علم کا فائدہ دیتی ہوتی تو ان کے درمیان ہرگز تعارض واقع نہ ہوتا۔

(۳) اگر اخبار آحاد علم کا فائدہ دیتیں تو قواعد کلیہ قرآنیہ اور خبر متواتر کے مقابلے میں انہیں ترک نہ کیا جاتا؛ کیونکہ پھر یہ بھی علم کا فائدہ دیتیں، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ اور اس صورت میں خبر واحد سے نسخ قرآن و خبر متواتر جائز ہوتا جبکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں۔

(۴) خبر متواتر میں فاسق و عادل برابر سمجھے جاتے ہیں، اگر خبر واحد علم کا فائدہ دیتی تو اس میں بھی فاسق و عادل کو برابر سمجھا جاتا، حالانکہ ایسا نہیں۔

(۵) معاملات میں دو گواہ مقرر کئے گئے ہیں تب جا کر کہیں یقین حاصل ہوتا ہے، اگر خبر واحد علم کا فائدہ دیتی، تو ایک گواہ بھی کافی تھا دو کی ضرورت ہی نہ ہوتی۔

جہاں تک امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا دوسرا قول ہے، اس کی یہ توجیہ بیان کی ہے، کہ یہ وہ اخبار آحاد ہیں جن کو تلقی بالقبول کا درجہ حاصل ہے یا وہ محتف بالقرائن ہیں، چنانچہ ان وجوہ کی وجہ سے یہ اخبار آحاد پھر اخبار آحاد نہیں رہتیں بلکہ وہ بمنزلہ متواتر بن جاتی ہیں۔

(۱۰) علامہ محمود بخاری حنفی رحمۃ اللہ علیہ (۱) صاحب المحیط البرہانی لکھتے ہیں:

۱۔ برہان الدین محمود بن احمد بن عبد العزیز بن عمر بخاری حنفی۔ موصوف مرغینان کے ایک علمی گھرانے میں پیدا ہوئے، علوم کی تحصیل و تکمیل اپنے والد اور چچا سے کی، امت کے کبار علماء میں آپ کا شمار ہوتا ہے، موصوف جلیل القدر فقیہ، اختلافات علماء کے بڑے عالم اور تصنیف و تالیف کی بڑی بصیرت رکھنے والے تھے۔ آپ کے فضل، صدق، زہد و ورع پر اتفاق ہے۔ موصوف کی وفات ۶۱۶ھ کو ہوئی۔ چند مشہور تصانیف: المحیط البرہانی، الترغیر، التجرید، مزید حالات کے لئے دیکھئے: الاعلام: ۱۶۱/۷

”وهذا الخبر من جملة أخبار الآحاد، وخبر الواحد يوجب العمل دون العلم“ (۱)

(ترجمہ): ”اور یہ خبر جملہ اخبار آحاد میں سے ہے، اور یہ تو معلوم ہی ہے کہ خبر واحد سے عمل ثابت ہوتا ہے نہ کہ علم یقین“۔

(۱۱) علامہ نسفی حنفی رحمۃ اللہ علیہ (۲) لکھتے ہیں:

”وأما دعوى علم اليقين به فباطل، لأننا قد بينا أن المشهور لا يوجب علم اليقين، فخبر الواحد أولى، وهذا! لأن خبر الواحد محتمل في نفسه، وكيف يثبت اليقين مع وجود الاحتمال.“ (۳)

(ترجمہ): ”بہر حال اس بات کا دعویٰ کرنا کہ خبر واحد سے علم یقینی حاصل ہوتا ہے، تو ان کا یہ دعویٰ بالکل بے بنیاد ہے؛ کیونکہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں: کہ جب خبر مشہور (جو خبر واحد سے اوپر کے درجے کی ہے) اس سے علم یقینی حاصل نہیں ہوتا، تو خبر واحد سے بطریق اولیٰ علم یقینی حاصل نہیں ہوگا، اور وجہ اس کی یہی ہے کہ خبر واحد میں بذات خود احتمال موجود ہے، اور احتمال کی موجودگی میں یقین کا پایا جانا ممکن نہیں!!“

۱۔ المحیط البرہانی فی الفقہ النعمانی: ۹۶/۳

۲۔ ابوالبرکات حافظ الدین عبداللہ بن احمد بن محمود نسفی حنفی، موصوف نے علوم کی تحصیل و تکمیل اپنے وقت کے اکابر علماء امت سے کی، آپ مشہور محدث و فقیہ و مفسر تھے، آپ نے فقہ حنفی اور علوم قرآن کی بڑی خدمت انجام دی ہے، وفات ۷۱۰ھ میں ہوئی۔ چند مشہور تصانیف: مدارک التنزیل، کنز الدقائق، المنار، مزید حالات کے لئے دیکھئے: الدرر الكامنة فی أعيان الملة الثامنة: ۱۵۱/۲۔ تاج التراجم فی من صنف من الحنفية: ص ۱۱۱-۱۱۲، اور الاعلام: ۶۷/۳

۳۔ کشف الاسرار بشرح المنار: ۱۹/۲

(۱۲) علامہ زیلعی حنفی رحمۃ اللہ علیہ (۱) صاحب تبیین الحقائق رقمطراز ہیں:

”لأن خبر الواحد يوجب العمل دون العلم“ (۲)

(ترجمہ): ”اس لئے کہ خبر واحد عمل کو ثابت کرتا ہے نہ کہ علم کو“۔

(۱۳) علامہ تاج الدین سبکی شافعی رحمۃ اللہ علیہ (۳) رقمطراز ہیں:

”النص قسمان: أحاد لا يفيد إلا الظن ومتواتر وهو مقطوع“ (۴)

(ترجمہ): ”نص کی دو قسمیں ہیں: آحاد: جو ظن کا فائدہ دیتی ہیں۔ متواتر: جو یقین کا فائدہ دیتی ہے۔“

(۱۴) علامہ نووی شافعی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”وخالفه المحققون والأكثرون، فقالوا: يفيد الظن ما لم يتواتر“ (۵)

(ترجمہ): ”جمہور محققین نے حافظ ابن الصلاح رحمۃ اللہ سے اس بارے میں اختلاف کیا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ خبر واحد جب تک متواتر نہ ہو اس وقت تک ظن کا فائدہ دیتی ہے۔“

۱۔ ابو محمد عثمان بن علی بن نجح زیلعی حنفی، آپ نے اپنے زمانہ کے کبار علماء سے علم حاصل کیا، موصوف بڑے محدث و فقیہ اور نحوی تھے، ۵۰۵ھ میں قاہرہ آئے تدریس، افتاء اور تنقید و تحقیق علمی میں مشغول ہوئے اور اپنے زمانہ میں خاص امتیاز پایا بڑے بڑے علماء نے آپ سے استفادہ کیا، موصوف کی وفات ۴۳۳ھ میں ہوئی، چند مشہور تصانیف: تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق، شرح جامع الکبیر، شرح المختار ترجمہ کے لئے دیکھئے: الفوائد البہیہ تراجم الحنفیہ: ص ۱۱۵-۱۱۶، اور تاج التراجیم فی من صنف من الحنفیہ: ص ۱۳۴

۲۔ تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق: ۵۹/۲

۳۔ ابوالنصر عبدالوہاب بن تقی الدین بن زین الدین سبکی شافعی ۷۲۷ھ کو مصر کے ایک علمی گھرانہ میں پیدا ہوئے۔ بچپن میں قرآن حفظ کیا۔ موصوف نے تحصیل علم اپنے زمانہ کے اساطین علم سے کیا، جیسے علامہ مزنی اور علامہ ذہبی وغیرہ۔ موصوف بہت ہی کم عمری میں تدریس و افتاء میں مشغول ہو گئے تھے۔ وفات ۷۷۷ھ ذی الحجہ میں ہوئی۔ چند مشہور تصانیف: طبقات الشافعیۃ الکبریٰ، جمع الجوامع فی اصول الفقہ، الاشباہ والنظائر فی الفروع۔ مزید حالات کے لئے دیکھئے: شذرات الذہب فی أخبار من ذہب: ۴۲۰/۶، اور الاعلام: ۱۸۳/۴

(۴) ۱۱۱/۱ ج ۱، ۳۸

(۵) ۱۱۱/۱ ج ۱، ۳۸

(۱۵) علامہ سعد الدین تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ^(۱) رقمطراز ہیں

”والأولى أن لا يقتصر على عدد في التسمية فقد قال الله تبارك وتعالى: (منهم من قصصنا عليك ومنهم من لم نقصص عليك)، ولا يؤمن في ذكر العدد أن يدخل فيهم من ليس منهم، أن ذكر عدد أكثر منهم أو يخرج منهم من هو فيهم، أن ذكر أقل من عدد هم يعني أن خبر الواحد على تقدير اشتماله على جميع الشرائط المذكورة في أصول الفقه لا يفيد إلا الظن، ولا عبرة بالظن في باب الاعتقاد يات.“ (۲)

(ترجمہ): ”بہتر یہی ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تعداد کسی عدد میں محصور نہ کی جائے، کیونکہ باری تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے: ”ہم نے بعض حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے حالات آپ کو بتائے ہیں اور بعض کے احوال نہیں بتائے۔“

اور عدد اگر ان کے صحیح عدد اور تعداد سے زیادہ ذکر کیا گیا تو ہو سکتا ہے کہ غیر نبی کو نبی مان لیا جائے اور اگر ان کی صحیح تعداد سے کم عدد بیان کیا گیا تو ہو سکتا ہے کہ کسی نبی کی نبوت کا انکار لازم آئے، یعنی خبر واحد اگرچہ تمام ان شرائط سے موصوف ہو جو اصول فقہ میں بیان ہوئی ہیں تب بھی یہ ظن ہی کا فائدہ دے گی اور اعتقادیات میں ظن کا سرے سے کوئی اعتبار نہیں ہے۔“

۱۔ سعد الدین مسعود بن عمر بن عبد اللہ تفتازانی۔ حراسان کے شہر تفتازان میں ۱۲۷۱ھ کو پیدا ہوئے، تحصیل علم اپنے زمانہ کے کبار علماء امت سے کیا۔ موصوف عربیت بلاغت اور منطق میں مسلم امام تھے۔ بقول حافظ ابن حجرؒ کے کہ علم بلاغت کی انتہاء ان پر ہے۔ ان کے بعد ایسا کوئی شخص نہیں آیا، وفات ۷۹۲ھ میں ہوئی۔ چند مشہور تصانیف: مختصر المعانی، شرع قائد، المطول، مزید حالات کے لئے دیکھئے: الدرر الكامنة فی اعیان الملائکة الثامنة: ۲۱۴/۳، اور الاعلام: ۲۹/۷

(۱۶) علامہ زرکشی شافعی رحمۃ اللہ علیہ (۱) نے لکھا ہے:

”خبر الواحد یوجب العمل دون العلم“ (۲)

(ترجمہ): ”خبر واحد عمل کو ثابت کرتا ہے نہ کہ علم کو“۔

(۱۷) محقق ابن ہمام حنفی رحمۃ اللہ علیہ (۳) ”مسایرہ“ میں اور کمال الدین ابن ابی شریف

۱۔ بدرالدین محمد بن بہادر بن عبداللہ زرکشی شافعی۔ آپ ۷۴۵ھ میں پیدا ہوئے۔ اپنے زمانہ کے ارباب کمال سے علم حاصل کیا۔ موصوف مشہور محدث و فقیہ و مفسر تھے۔ آپ نے فقہ شافعی اور علوم قرآن کی بڑی خدمت انجام دی ہے۔ وفات ۸۲۴ھ میں ہوئی۔ چند مشہور تصانیف: التلک علی کتاب ابن الصلاح، التجرید، شرح منہاج۔ مزید حالات کے لئے دیکھئے: الدرر الکامیۃ فی اعیان المائۃ الثامیۃ: ۲۴۱/۳-۲۴۲، اور شذرات الذہب فی اخبار من ذہب: ۸۵/۷

۲۔ البحر المحیط فی اصول الفقہ: ۳۲۳/۳

۳۔ کمال الدین محمد بن عبدالواحد بن عبدالحمید بن مسعود سیواسی قاہری حنفی جو ابن ہمام کے نام سے مشہور و معروف ہیں۔ ابن ہمام ایک علمی خاندان کے چشم و چراغ تھے، ان کی ولادت ۷۹۰ھ میں ہوئی ہے۔ بچپن میں قاہرہ آگئے اور مختصرات فنون کو یاد کر کے استادوں کو سنایا اور پھر وطن سے واپس آ کر قاہرہ میں علوم عقلیہ اور نقلیہ کی تحصیل اہل فن علماء و فضلاء سے کی۔ موصوف نے ان جملہ فنون میں درجہ کمال حاصل کیا۔ پھر درس و تدریس کا مشغلہ اختیار کیا۔ سلطان اشرف نے اپنے مدرسہ میں منصب تدریس کے لئے ان ہی کا انتخاب کیا۔ ان کی جلالت علمی، وسعت نظر، ژرف نگاہی، تقویٰ اور پرہیزگاری کا تمام اہل عصر نے اعتراف کیا ہے۔ موصوف اپنے زمانہ میں اپنے علوم میں یگانہ تھے۔ دور دور تک ان کا شہرہ اور چرچا تھا۔ چھوٹوں کا تو ذکر ہی کیا، ان کے بہت سے شیوخ نے ان کو اپنے پر فضیلت دی ہے۔ متعدد مدرسوں میں درس دیا، اصول، تفسیر، فقہ، فرائض، حساب، تصوف، نحو، صرف، معانی، بیان، بدیع، منطق، مناظرہ اور ادب میں امام تھے۔ جمعہ کے دن ۷ رمضان المبارک ۸۶۱ھ میں انتقال ہوا۔ چند مشہور تصانیف: فتح القدر، التحریر، مسایرہ۔ مزید حالات کے لئے دیکھئے: شذرات الذہب فی اخبار من ذہب: ۲۳۵/۷-۲۳۷، اور الفوائد المبیہ فی تراجم الکھفۃ:

ص ۱۸۰-۱۸۱، اور الاعلام: ۲۵۵/۶

شافعی رحمۃ اللہ علیہ (۱) اس کی شرح ”مسامرہ“ میں لکھتے ہیں:

”ولا ينبغي في الإيمان بالأنبياء القطع بحصرهم في عدد هم، إذ لم يرد بحصرهم دليل قطعي؛ لأن الحديث الوارد في ذلك أي في عدد هم خبر واحد لم يقترب بما يفيد القطع“ (۲)

(ترجمہ): ”حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ السلام پر ایمان لانے کے سلسلہ میں یہ مناسب نہیں ہے کہ قطعیت کے ساتھ ان کی تعداد کو کسی عدد میں منحصر سمجھا جائے کیونکہ ان کے کسی عدد میں منحصر ہونے پر کوئی قطعی دلیل وارد نہیں ہوئی اور جو حدیث اس بارے میں وارد ہے وہ خبر واحد ہے جس سے قطعیت کا ثبوت نہیں ملتا۔“
علامہ ابن نجیم حنفی رحمۃ اللہ علیہ (۳) باب المسح علی الخفین کے تحت لکھتے ہیں:

۱۔ ابوالعالی ابن ابی شریف محمد بن محمد ابی بکر بن علی مقدسی شافعی۔ بروز ہفتہ ۵ ذی الحجہ ۸۲۲ھ میں پیدا ہوئے۔ بچپن میں قرآن مجید حفظ کرنے کے بعد اپنے زمانہ کے اعیان سے علوم و فنون میں مہارت تامہ حاصل کی۔ موصوف کو مورخین نے ان الفاظ کے ساتھ یاد کیا ہے۔ شیخ الأئمہ، شیخ الاسلام، ملک العلماء، موصوف مشہور فقیہ اور اصولی تھے۔ وفات ۹۰۶ھ میں ہوئی۔ چند مشہور تصانیف: المسامرہ شرح مسایرہ، الفرائد فی حل شرح العقائد۔ مزید حالات کے لئے دیکھئے شذرات الذہب فی اخبار من ذہب: ۶۲/۸-۶۳، اور الاعلام: ۵۳/۷

۲۔ المسامرہ شرح المسایرہ: ص ۱۹۰، ۱۹۱

۳۔ زین الدین بن ابراہیم بن محمد بن محمد۔ موصوف نے قاسم بن قطلوبغا حنفی وغیرہ سے علوم کی تحصیل و تکمیل کی۔ آپ کو ان الفاظ کے ساتھ یاد کیا گیا ہے، امام اعلام، بحر فہامہ، وحید دہر، فرید عصر، عمدۃ العلماء، قدوة الفقہاء، ختام المحققین والمفتیین۔ موصوف نے بہت سے کتب و رسائل لکھے۔ آپ کی سب کتابیں بہترین نوادر۔ علمی تحقیقات و تدقیقات کی حامل ہے۔ موصوف کی وفات ۹۷۰ھ کو ہوئی ہے۔ چند مشہور تصانیف: البحر الرائق شرح کنز الدقائق، الاشباہ والنظائر، شرح المنار، مزید حالات کے لئے دیکھئے: شذرات الذہب فی اخبار من ذہب: ۴۲۱/۸-۴۲۲، اور الاعلام: ۶۳/۳

”وحدیث علیؓ من أخبار الآحاد، فأوجب العمل دون العلم“ (۱)

(ترجمہ): ”اور حدیث علیؓ اخبار آحاد میں سے ہے جو عمل کو ثابت کرتا ہے نہ کہ علم کو۔“

(۱۸) علامہ امیر بادشاہ رحمۃ اللہ علیہ (۲) لکھتے ہیں:

”بأن روى ثقة أن الصحابة أجمعوا على كذا، فإنه بمنزلة السنة المنقولة بالآحاد فيوجب العمل لا العلم عند العلماء.“ (۳)

(ترجمہ): ”اگر کوئی ثقہ شخص یہ نقل کرے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کافلاں بات پر اجماع تھا، تو یہ اجماع علماء کے نزدیک اس سنت کے مانند ہے جو آحاد سے منقول ہو کر عمل کو واجب کرتا ہے نہ کہ علم کو۔“

(۱۹) علامہ ملا علی قاری حنفی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

”نعم الأولى أن لا يقتصر على الأعداد فإن الآحاد لا تفيد الاعتماد في الاعتقاد بل يجب كما قال الله تعالى (كل آمن بالله وملائكته، وكتبه، ورسوله) أن يؤمن إيماناً إجمالياً من غير تعرض لتعدد الصفات، وعدد الملائكة والكتب والأنبياء وأرباب الرسالة من الأصفياء.“ (۴)

۱۔ البحر الرائق شرح كنز الدقائق ۳۲۱/۱

۲۔ محمد بن امین بن محمود بخاری۔ موصوف نے علوم کی تکمیل اپنے زمانہ کے اکابر علماء سے کی۔ آپ مشہور فقیہ، محقق اور مدقق تھے۔ موصوف کی وفات ۹۷۲ھ میں ہوئی۔ تصانیف: تیسرا تحریر شرح التحریر مزید حالات کے لئے دیکھئے: الاعلام: ۶/۳۱۶

۳۔ تیسرا تحریر شرح التحریر: ۳/۳۷۳

۴۔ شرح فقہ اکبر: ص ۵۷

(ترجمہ): ”ہاں مناسب یہی ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تعداد کسی معین عدد میں محصور نہ کی جائے؛ کیونکہ خبر واحد پر اعتقادات کے باب میں کوئی اعتماد نہیں کیا جاسکتا؛ بلکہ یہی واجب ہے کہ فرشتوں، کتابوں، انبیاء و رسل کی تعداد و صفات سے تعرض کئے بغیر اجمالی طور پر ایمان لایا جائے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

”تو کہہ کہ سب ایمان لائے اللہ تعالیٰ پر اور اللہ تعالیٰ کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر“۔

(۲۰) علامہ عبدالحی لکھنوی حنفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”والصحيح المختار عند الجمهور هو الأول: أنه يوجب العمل دون العلم.“ (۱)

(ترجمہ): ”جمہور کے ہاں صحیح اور مختار قول وہ پہلا ہی ہے: کہ خبر واحد موجب عمل ہے نہ کہ موجب علم“۔

(۲۱) علامہ عبدالقادر دمشقی حنبلی رحمۃ اللہ علیہ (۲) فرماتے ہیں:

”عن الامام أحمد بن حنبل في حصول العلم بخبر الواحد قولان، أحدهما: لا يحصل العلم به وهو قول الأكثرين والمتأخرين من أصحابه، قال البطوفى وهو الأظهر من

۱۔ ظفر الامانی بشرح سید شریف جرجانی: ص ۶۱

۲۔ عبدالقادر بن احمد بن مصطفیٰ بن عبدالرحیم بن محمد بدران دمشق کے قریب دومہ مقام میں پیدا ہوئے۔ اور اپنی زندگی یہی بسر کی۔ موصوف مذہب حنبلی کے مشہور فقیہ، اصولی، ادیب، مورخ اور شاعر تھے، خوش اخلاق، بہت تھوڑے پر قناعت کرنے والے۔ دمشق میں عرصہ تک قضاء کے فرائض انجام دیئے۔ وفات ۳۴۶ھ میں ہوئی۔ چند مشہور تصانیف: المدخل الی مذہب الامام احمد بن حنبل، شرح روضة الناظر لابن قدامة، تہذیب تاریخ ابن عساکر۔ مزید حالات کے لئے دیکھئے: الاعلام: ۳/۳۷

القولین۔ الثانی: یحصل بہ العلم و هو قول جماعة المحدثین قال الآ مدی: و هو قول بعض أهل الظاهر، وحمل بعض العلماء قول الإمام أحمد^۱ الثانی علی أخبار مخصوصة كثرت رواتها وتلقتها الأمة بالقبول، ودلت

القرائن علی صدق ناقلها، فیکون إذن من المتواتر“ (۱)

(ترجمہ): ”ابن بدران رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس بارے میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے دو قول نقل کئے ہیں: ایک قول یہ کہ خبر واحد علم کا فائدہ نہیں دیتی ہے اور یہی جمہور متقدمین و متاخرین حنابلہ کا مذہب ہے، امام طوفی رحمۃ اللہ علیہ (۲) جو مشہور حنبلی فقیہ ہیں، وہ انتہائی یقین سے بتا رہے ہیں کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے ظاہری قول یہی ہے (جس کو ابن قدامہ اور ابن بدران نے نقل کیا ہے) کہ خبر واحد علم کا فائدہ نہیں دیتی ہے۔ جہاں تک دوسرا قول ہے: تو یہ محدثین کی ایک جماعت، اور بعض اہل ظاہر کا مذہب ہے کہ خبر واحد علم کا فائدہ دیتی ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا جو دوسرا قول ہے کہ خبر واحد علم کا فائدہ دیتی ہے، امام آدمی رحمۃ اللہ علیہ (۳) کا یہی کہنا ہے کہ بعض علماء نے اس قول کو ان اخبار آحاد پر محمول کیا ہے جن کو تلقی بالقبول کا

۱۔ المدخل: ۲۰۴/۱

۲۔ ابوالربیع سلیمان بن عبد القوی بن عبد الکریم طوفی حنبلی۔ ۶۵ھ کو بغداد کے قریب مقام طوف میں پیدا ہوئے۔ اپنے زمانہ کے اعیان وقت سے علم حاصل کیا، موصوف مذہب حنبلی کے مشہور فقیہ تھے، قوی حافظہ کے مالک، زکی اور فطین، کثیر المطالعہ۔ رجب ۱۶۵ھ کو وفات پا گئے۔ چند مشہور تصانیف: نخبة السائل فی امہات المسائل، الاکسری فی قواعد التفسیر، معراج الوصول۔ مزید حالات کے لئے دیکھئے: الدرر

الکامر فی اعیان الملیۃ الثمینیہ: ۹۱/۲-۹۲، اور الأعلام: ۱۲۷/۳-۱۲۸

۳۔ ابو عبد اللہ محمد بن عثمان بن یوسف بن محمد بن الحداد آدمی موصوف نے علم اپنے زمانہ کے کبار علماء امت سے حاصل کیا، آپ مذہب حنبلی کے مشہور امام، فقیہ اور محدث تھے، ایک عرصہ دراز تک دمشق اور حلب میں خطیب رہے۔ معاصرین نے موصوف کی بہت مدح سرائی کی ہیں ۲۲۴ھ کو وفات پا گئے۔ مزید حالات کے لئے دیکھئے: الدرر الکامنہ فی اعیان الملیۃ الثمینیہ: ۲۹/۳، اور شذرات الذہب فی

أخبار من ذہب: ۲۲۱/۶-۲۲۲

درجہ حاصل ہے یا وہ مخفف بالقرائن ہیں، تو اس صورت میں یہ اخبار آحاد بمنزلہ متواتر بن جاتی ہے۔ یہاں یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے! کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا اس بارے میں وہی مسلک ہے جو جمہور کا ہے، جیسا کہ مذکورہ عبارتوں سے واضح ہو چکا، مگر بعض حضرات نے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی طرف اس قول کو منسوب کیا ہے کہ ان کے نزدیک خبر واحد مطلقاً علم کا فائدہ دیتی ہے، ان حضرات میں علامہ عبدالعزیز بخاری رحمۃ اللہ علیہ^(۱)، علامہ سبکی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ امیر الحاج^(۲) وغیرہ شامل ہیں۔ تاہم جمہور حنابلہ میں سے کسی نے بھی اس قول کی تائید نہیں کی ہے، بلکہ صریح عبارتوں کے ذریعے اس بات کو ثابت کیا ہے کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی خبر واحد علم کا فائدہ نہیں دیتی ہے، الا یہ کہ وہ مخفف بالقرائن ہو یا اس کو تلقی بالقبول کا درجہ حاصل ہو، (اور یاد رہے کہ ان صورت میں تو جمہور بھی اس کے قائل ہیں کہ ان صورتوں میں خبر واحد علم کا فائدہ دیتی ہے) ان حضرات میں مشہور فقیہ ابن قدامہ، علامہ طوفی اور ابن بدران وغیرہ شامل ہیں اور یہ تمام حضرات فقہ اور اصول میں مذہب حنبلی کے ترجمان ہونے کے ساتھ ساتھ ”صاحب البيت أدرى بما فيه“ کے مصداق بھی ہیں۔

۱۔ عبدالعزیز بن احمد بن محمد بخاری حنفی۔ مصوف نے تفقہ اپنے چچا محمد بن محمد فخر الدین اور دوسرے حضرات سے حاصل کیا، مصوف مشہور حنفی فقیہ اور علماء اصول میں سے تھے۔ ۳۰۷ھ کو اس دنیا فانی سے کوچ کر گئے۔ چند مشہور تصانیف: کشف الاسرار، شرح منتخب الحسامی، کتاب الافیہ۔ مزید حالات کے لئے دیکھئے: الاعلام: ۴/۱۵، اور الجواهر المصیہ ص: ۳۱۷-۳۱۸

۲۔ محمد بن محمد بن محمد حنفی جو ابن امیر الحاج کے نام سے مشہور ہیں۔ مصوف حلب کے جلیل القدر عالم حدیث، تفسیر وفقہ اور امام وقت علامہ و مصنف تھے۔ آپ سے بڑے بڑوں نے علم حاصل کیا اور آپ کی شاگردی پر فخر کیا ہے، وفات ۸۷۹ھ میں ہوئی۔ چند مشہور تصانیف: التقریر والتخیر ذخیرۃ الفقہ فی تفسیر سورۃ العصر معیۃ الناسک فی خلاصۃ المناسک۔ مزید حالات کے لئے دیکھئے: شذرات الذہب فی اخبار من ذہب: ۳/۴۷، اور الاعلام: ۴/۲۹

اسی طرح شارح ”مسلم الثبوت“ بحر العلوم (۱) نے بھی اس نظریہ کی سختی سے تردید کی ہے کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی طرف یہ نسبت کرنا (کہ وہ علی الاطلاق خبر واحد سے علم حاصل ہونے کے قائل ہیں) کسی طرح بھی درست نہیں۔

(۲۲) چنانچہ موصوف رقمطراز ہیں:

”وهذا بعيد عن مثله ، فإنه مكابرة ظاهرة.“ (۲)

(ترجمہ): ”کہ ایسی عظیم الشان ہستیوں سے ایسے قول کا صدور ممکن نہیں، بلکہ مخالفت و عناد ہی کی بنیاد پر اس قول کی نسبت ان کی طرف کی گئی ہے۔“

خلاصہ کلام یہ کہ امام احمدؒ کے نزدیک بھی خبر واحد علم کا فائدہ نہیں دیتی، اور جہاں بھی اس قول کی نسبت ان کی طرف کی ہے، وہاں وہ اخبار آحاد مراد ہوں گی، جو تحف بالقرائن ہونے، یا تلقی بالقبول کا درجہ حاصل ہونے کی بنا پر علم کا فائدہ دیتیں ہیں، چنانچہ اس بارے میں فقہاء و محدثین، جیسے امام احمد، امام الحرمین، امام غزالی، امام آمدی، امام رازی، ابن حجب (۳)، ابن ہمام اور

۱۔ عبدالعلی بن نظام الدین بن قطب الدین انصاری لکھنوی حنفی۔ لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ والد سے علم حاصل کیا، اور سترہ سال کے عمر میں فارغ ہو گئے تھے، موصوف کو مورخین نے ان الفاظ کے ساتھ یاد کیا ہے۔ بحر العلوم، ملک العلماء، رأسانی الفقہ والاصول، جوالانی المنطق، والحکمة، والكلام، مجتہدانی الفروع ماہرانی التصوف والفقہ۔ ساری زندگی تدریس و تالیف میں مشغول رہے۔ وفات ۱۲۲۵ھ میں ہوئی۔ چند مشہور تصانیف: فواتح الرحموت الارکان الاربعہ، تنویر المنار شرح منار الاصول،۔ مزید حالات کے لئے دیکھئے: نزہۃ الخواطر و بیجۃ المسامع والنواظر: ۳۱۳/۷-۳۱۸

۲۔ فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت: ۱۳۸/۲

۳۔ ابو عمر وابن الحاجب عثمان بن عمر بن ابی بکر کردی اسانی مالکی ۵۷۵ھ کے اواخر میں پیدا ہوئے۔ قاہرہ میں اپنی تعلیمی سلسلہ کو شروع کیا، سب سے پہلے قرآن مجید کو حفظ کیا، اور قرأت کا کچھ حصہ علامہ شاطبی سے بھی پڑھا، قرأت سبع علی ابی الجود سے پڑھا۔ موصوف مشہور نحوی، فقیہ، اصولی، اور عربیت میں بھی کمال حاصل کیا، موصوف کو مورخین نے ان الفاظ کے ساتھ یاد کیا ہے: فقیہ، مفتی، مناظر، مبرز فی عدۃ علوم، متبحر مع مہتہ و دین و ورع و تواضع۔ مصر کے مدرسہ فاضلیہ میں تدریس کے فرائض انجام دیئے، وفات ۶۳۶ھ میں ہوئی۔ چند مشہور تصانیف: الکافیہ، مختصر الفقہ، جامع الامہات۔ مزید حالات کے لئے دیکھئے: تاریخ الاسلام: ۸۳۷/۱۳-۸۳۸، اور شذرات الذہب فی اخبار من ذہب: ۳۵۹/۵

امیر الحاج رحمہم اللہ کی تصریحات موجود ہیں۔ (۱)

(۲۳) حضرت علامہ انور شاہ کشمیری حنفی رحمۃ اللہ علیہ (۲) رقمطراز ہیں:

”إِنَّ خَيْرَ الْوَاحِدِ لَا يَفِيدُ إِلَّا الظَّنَّ فَعَمَلُنَا بِهِ مَعَامِلَةُ الظَّنِّ.“ (۳)
(ترجمہ): ”خبر واحد چونکہ ظن کا فائدہ دیتی ہے اس لئے اس کے ساتھ ہم نے ظن والا معاملہ کیا۔“

(۲۴) علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”أَنَّ أَخْبَارَ الْآحَادِ مَعَ تَجَرُّدِهَا عَنِ الْقَرَائِنِ تَفِيدُ الظَّنَّ،
وَالْمُتَوَاتِرُ يَفِيدُ عِلْمَ الْيَقِينِ.“ (۴)
(ترجمہ): ”ایسی اخبار آحاد جو قرائن سے خالی ہو ظن کا فائدہ دیتی ہیں، اور خبر متواتر علم یقینی کا۔“

۱۔ التقرير والتحجير: ۳۴۶/۲ روضۃ الناظر: ص ۵۲ المدخل: ۲۰۴/۱ شرح کوکب المنیر: ۳۴۸/۲ التمهید: ۸۳/۳

۲۔ محمد انور شاہ بن مولانا محمد معظم شاہ بن شاہ عبد الکریم بن شاہ عبد الخالق کشمیری حنفی۔ موصوف کی ولادت ۲۷ شوال ۱۲۹۲ھ میں بمقام ودوان (علاقہ لولان) میں ہوئی، موصوف کے والد ماجد بہت بڑے عالم ربانی، زاہد اور کشمیر کے نہایت مشہور خاندانی پیر و مرشد تھے، آپ نے قرآن مجید اور بہت سی فارسی و عربی کی درسی کتابیں والد ماجد سے پڑھیں، پھر کشمیر و ہزارہ کے دوسرے علماء کبار سے تحصیل کے بعد ۱۳۰۸ھ میں تکمیل کے لئے دیوبند تشریف لائے۔ موصوف نہایت عظیم القدر محدث، محقق و مدقق، جامع معقول و منقول تھے، موصوف کا جس طرح علم و فضل، تبحر، وسعت مطالعہ، زہد و تقویٰ بے نظیر اور نمونہ سلف تھا اس طرح قوت حافظہ بھی بے مثل تھا اور وہ گویا ان منکرین حدیث کا جواب تھا جو محدثین کے حافظ پر اعتماد نہ کر کے ذخیرہ حدیث کو مشتبہ نظروں سے دیکھتے ہیں۔ وفات ۱۳۵۲ھ میں ہوئی۔ چند مشہور تصانیف: فیض الباری، العرف الشدی علی جامع الترمذی، نیل الفرقہ دین۔ مزید حالات کے لئے دیکھئے: انوار الباری شرح صحیح البخاری: ۴۱۸/۱-۴۴۲

۳۔ العرف الشدی علی جامع الترمذی: ص ۱۹۸

۴۔ فتح الملہم شرح صحیح مسلم: ۲۰/۱

کیا صحیحین کی حدیثیں علم یقینی کا فائدہ دیتی ہیں؟

علامہ ابن الصلاح رحمۃ اللہ علیہ کے موقف کی وضاحت:
ما قبل میں یہ بات بالتفصیل گزر چکی ہے، کہ خبر واحد علم کا فائدہ اس وقت دیگی، جب وہ مخف بالقرائن ہو، یا اس کو تلقی بالقبول کا درجہ حاصل ہو، اب یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا کسی روایت کا ”صحیحین“ میں ہونے سے اس کو مخف بقریۃ التلقی کا درجہ حاصل ہے؟ اور پھر اس سے علم یقینی نظری حاصل ہوگا؟ تو حافظ ابن الصلاحؒ اور ان کے متبعین کا یہ دعویٰ ہے کہ ”صحیحین“ کی روایات کو مخف بالقرائن ہونے کی بنا پر تلقی

بالقبول کا درجہ حاصل ہے؛ اس وجہ سے ان روایات سے علم یقینی نظری حاصل ہوتا ہے۔

چنانچہ علامہ ابن صلاح شافعی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”وهذا القسمُ جميعه مقطوعٌ بصحته، والعلم اليقيني النظري واقع به،... إنما تلقته الأمانة بالقبول سوى أحرف يسيرة تكلم عليها بعض أهل النقد من الحفاظ.“ (۱)

(ترجمہ): ”یعنی وہ روایات جن کے اخراج پر شیخین متفق ہیں، اس نوع کی روایات صحت کے اعلیٰ درجے پر فائز ہونے کی وجہ سے، ان سے علم یقینی نظری حاصل ہوتا ہے، سوائے ان چند روایات کے کہ جن پر بعض ناقدین نے کلام کیا ہے۔“

صحیحین کی احادیث کا علم یقینی کا فائدہ نہ دینے کے حوالہ جات:

یہاں پر یہ بات ملحوظ خاطر رہے؛ کہ کسی روایت کا صحیحین میں ہونا، قطعاً اس بات کے لئے کافی نہیں! کہ اس سے علم یقینی نظری حاصل ہوگا؛ کیونکہ حضرات محققین کے ہاں حدیث کی صحت کا مدار اس بات پر نہیں ہوتا کہ فلاں حدیث صحیح بخاری یا صحیح مسلم یا فلاں کتاب میں ہے، بلکہ اس کا مدار تو شروط صحت کے وجود پر ہوتا ہے، جس حدیث میں شروط صحت جس قدر مکمل ہوں گی وہ حدیث صحت کے اسی مرتبہ پر فائز ہوگی۔

(۱) چنانچہ علامہ قاسم بن قطلوبغا حنفی رحمۃ اللہ علیہ (۱) تصریح فرماتے ہیں:

”قوة الحديث إنما هي بالنظر إلى رجاله لا بالنظر إلى كونه في كتاب كذا.“ (۲)

(ترجمہ): ”یعنی حدیث کی صحت کا مدار تو سند کی رجال پر ہے نہ کہ اس بات پر کہ یہ حدیث فلاں کتاب میں ہے۔“

رہی یہ بات کہ حافظ ابن صلاح اور ان کے متبعین کا یہ کہنا کہ صحیحین کو ”تلقی امت بالقبول“ حاصل ہے، اس لئے ان کی احادیث سے علم یقینی نظری حاصل ہوتا ہے۔

تاہم ان حضرات کے اس نظریہ کو جمہور فقہاء و محدثین نے قبول نہیں کیا ہے۔

(۲) چنانچہ سلطان العلماء عز الدین بن عبدالسلام شافعی رحمۃ اللہ علیہ (۳) رقمطراز ہیں:

”أن بعض المعتزلة يرون أن الأمة إذا عملت بحديث اقتضی

۱۔ ابوالعدل علامہ زین الدین قاسم بن قطلوبغا بن عبداللہ مصری حنفی ماہ محرم میں ۸۰۲ھ کو قاہرہ میں پیدا ہوئے۔ حفظ قرآن مجید و دیگر کتب علوم و فنون سے فارغ ہو کر اکابر علماء و محدثین عصر سے تکمیل کی، موصوف امام عصر، محدث اعظم، فقیہ کامل، جامع علوم و فنون، استحضار مذاہب میں بے نظیر تھے، مناظرہ اور اسکاٹ خصم میں ید طولی رکھتے تھے، وفات بروز جمعرات ۴ ربیع الآخر ۸۷۹ھ میں ہوئی۔ چند مشہور تصانیف: تاج التراجم، القول المبتکر علی شرح نخبۃ الفکر، ثقات الرجال۔ مزید حالات کے لئے دیکھئے: شذرات الذہب فی أخبار من ذہب: ۴۷۶/۷، اور البدر الطالع بحاسن من بعد القرن السابع: ۴۵۱/۱

۲۔ القول المبتکر علی شرح نخبۃ الفکر: ص ۷۵

۳۔ ابو محمد عبدالعزیز بن عبدالسلام بن حسن بن محمد بن مہذب سلمی دمشقی شافعی۔ ۵۷۷ھ میں پیدا ہوئے اور اس زمانہ کے نامور علماء و فنون سے علوم و فنون کی تکمیل کی، فقہ و حدیث، اصول و کلام میں مہارت حاصل کی، موصوف علم و فضل کے ساتھ زہد و ورع کے اوصاف سے بھی آراستہ تھے چنانچہ زاویہ غزالی میں تدریس اور خطابت کا عہدہ ملا، اور جامع اموی میں خطیب مقرر ہوئے، پھر قاہرہ آئے تو عہدہ قضاء سپرد کیا گیا۔ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں: شافعی مذہب کی سیادت ان پر ختم ہو گئی تھی گوشہ گوشہ سے ان سے فتوے طلب کئے جاتے تھے، موصوف بڑے پر لطف اور خوش مذاق تھے۔ وفات ۶۶۰ھ میں ہوئی تصانیف: الالمام فی ادلة الاحکام، بحار القرآن، مفاتیح الكنوز۔ ترجمہ کے لئے دیکھئے: البدایہ والنہایہ: ۳۸۳/۱۵-۳۸۴، اور شذرات الذہب فی أخبار من ذہب: ۴۳۹/۵-۴۴۰

ذلك القطع بصحته قال: وهذا مذهب ردي. “ (۱)
(ترجمہ): ”بعض معتزلہ کا یہ کہنا کہ جب امت کسی حدیث پر عمل کرے تو یہ بات صحت حدیث کی قطعیت کا تقاضا کرتی ہے، فرمایا: کہ یہ مذہب لائق التفات نہیں۔“
علامہ جعفر بن ثعلب ادنوی شافعی رحمۃ اللہ علیہ (۲) رقمطراز ہیں:

”إن الأمة تلت كل حديث صحيح و حسن بالقبول وعملت به عند عدم المعارض و حينئذ لا يختص بالصحيحين وقد تلت الأمة الكتب الخمسة أو الستة بالقبول.“ (۳)

(ترجمہ): ”علامہ ادنوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امت نے ”تلقی“ صرف صحیحین کی نہیں بلکہ کتب خمسہ اور ستہ کی بھی کی ہے، جن میں صرف صحیح احادیث ہی نہیں حسن احادیث بھی داخل ہیں۔“

(۳) علامہ ادنوی شافعی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”وخالفه المحققون والأكثرون، فقالوا: يفيد الظن ما لم يتواتر.“ (۴)
(ترجمہ): ”جمہور محققین نے حافظ ابن الصلاح رحمۃ اللہ علیہ سے اس بارے میں

- ۱۔ التقييد والايضاح: ۲۹۶/۱، التلک علی مقدمۃ ابن الصلاح: ص ۸۹
- ۲۔ ابوالفضل جعفر بن ثعلب بن جعفر بن علی ادنوی شافعی۔ ماہ شعبان ۶۸۰ھ میں پیدا ہوئے حصول علم کے لئے قوص اور قاہرہ وغیرہ کا سفر کیا، اور اپنے زمانہ کے کبار فقہاء و محدثین خاص کر ابن دقیق العید سے علم حاصل کر کے بلند مرتبہ پایا، موصوف فقیہ، متقن، محدث، عالم باعمل، بہت کم پر قناعت کرنے والے دنیا سے بے رغبتی رکھنے والے تھے۔ وفات ماہ رمضان المبارک ۷۴۸ھ میں ہوئی۔ چند مشہور تصانیف: الامتاع فی احکام السماء، کشف القناع، الطالع السعيد فی تاریخ السعيد۔ ترجمہ کے لئے دیکھئے: الدرر الکامیۃ فی أعیان الملایۃ الثامیۃ: ۳۱۸-۳۱۹، اور شذرات الذہب فی أخبار من ذہب: ۳۳۴/۶
- ۳۔ التعقبات علی دراسات الملیب: ص ۳۸۵
- ۴۔ شرح مسلم للنووی: ۲۰/۱، تدریب الراوی فی شرح تقریب النووی: ۱۴۲/۱

اختلاف کیا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ خبر واحد جب تک متواتر نہ ہو اس وقت تک ظن کا فائدہ دیتی ہے۔“

(۴) علامہ ابن نجیم حنفی رحمۃ اللہ علیہ یوں گویا ہیں:

”ثم اعلم أن قولنا إن خبر الواحد يفيد العمل دون العلم بمفهومه يشمل ما رواه البخاري ومسلم فمرويهما مضمون كمروي غيرهما، جزم ابن الصلاح وجماعة بأنه مقطوع بصحته، لأن الإجماع على قبوله وإن كان عن ظنون فظن معصوم والأكثر على خلافه^(۱)

(ترجمہ): ”پھر تو جان لے کہ ہمارا یہ قول کہ خبر واحد عمل کو ثابت کرتا ہے نہ کہ علم کو تو یہ اپنے مفہوم کے اعتبار سے صحیحین کی روایات کو بھی شامل ہے کیونکہ صحیحین کی روایات بھی دیگر روایات کی طرح ظن ہی کے درجہ میں ہیں، البتہ ابن الصلاح رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی جماعت نے اس کا دعویٰ کیا ہے کہ یہ صحت کے اعتبار سے قطعی ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ ان کی قبولیت پر اجماع ہوا ہے اگرچہ یہ اجماع ظنون ہی پر مشتمل ہے چنانچہ ظنون کا یہ اجماع خطا سے معصوم ہے تاہم اکثر اہل علم اس نظریہ کے خلاف ہیں۔“

(۵) رضی الدین بن الحسبلی حنفی رحمۃ اللہ علیہ^(۲) حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”وقد يقع أخبار الآحاد ما يفيد العلم النظري على

۱۔ فتح الغفار شرح المنار: ص ۲۷۳

۲۔ رضی الدین محمد بن ابراہیم بن یوسف ابن الحسبلی حلبی حنفی موصوف ۹۰۸ھ کو حلب میں پیدا ہوئے اور علوم کی تکمیل اپنے والد ماجد اور دیگر اکابر علماء امت سے کی، آپ مشہور امام وقت، مفتی، مصنف اور مورخ تھے، وفات ۹۷۱ھ کو ہوئی۔ چند مشہور تصانیف: تقوالاثر فی صغیر علوم الاثر، بحر العوام فیما اصاب فیہ العوام، مزید حالات کے لئے دیکھئے: شذرات الذہب فی اخبار من ذہب: ۴۲۹/۸-۴۳۰، اور الاعلام: ۳۰۲/۴-۳۰۳

المختار۔۔۔ منہما ما أخرجه الشيخان في صحيحهما من أخبار الآحاد۔۔۔۔

”أن الخبر المحدث بالقرائن يفيد العلم، ومنه أحاديث الصحيحين: والمختار عندنا معشر الحنفية خلاف هذا المختار حتى إن خبر كل واحد فهو مفيد للظن وإن تفاوت طبقات الظنون قوة وضعفاً“ (۱)

(ترجمہ): ”ہر وہ خبر واحد جو مختلف بالقرائن ہو علم کا فائدہ دے گی، اور اسی میں سے صحیحین کی روایات بھی ہیں: لیکن احناف کی ایک جماعت کے نزدیک مختار قول یہی ہے کہ ہر کسی کی خبر واحد ظن ہی کا فائدہ دے گی اگرچہ قوت اور ضعف کے اعتبار سے ظن کے درجات متفاوت ہوں۔“

(۲) صاحب مسلم الثبوت ”مسلم الثبوت“ میں اور بحر العلوم ”(۲) فوائد الرحمت“ میں رقمطراز ہیں:

”ابن الصلاح وطائفة من الملقبين بأهل الحديث زعموا أن رواية الشيخين محمد بن إسماعيل البخاري ومسلم بن الحجاج صاحب الصحيحين تفيد العلم النظري للاجماع على أن للصحيحين مزية على غيرهما، وتلقاة الأمة بقبولهما، والإجماع قطعي، وهذا بهت، فإن من رجع إلى

۱۔ قولاً اثر في مفعول الأثر: ص ۴۹

۲۔ محبت اللہ بن عبد الشکور بہاری حنفی موصوف بہار کے کرائی نامی قصبہ میں پیدا ہوئے علوم کی تحصیل و تکمیل اس وقت کے نامور علماء سے کی اور کمال حاصل کیا، سلطان عالمگیر کے زمانہ میں لکھنؤ آئے موصوف نے لکھنؤ کے عہدہ قضاء کو آپ کے سپرد کیا، موصوف، اصولی، مصنف، محقق و مدقق، جامع معقول و منقول تھے، ۱۱۱۹ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔ چند مشہور تصانیف: مسلم الثبوت، سلم العلوم، مزید حالات کے لئے دیکھئے: الاعلام: ۵/۸۳، اور ۲/نزہۃ الخواطر و بہجۃ المسامح والنواظر: ۶/۲۵۷-۲۵۹

وجدانه يعلم بالضرورة أن مجرد روايتهما لا يوجب اليقين البتة، وقد روي فيهما أخبار متناقضة، فلو أفادت روايتهما علما لزم تحقق النقيضين في الواقع وهذا أي ما ذهب إليه ابن الصلاح وأتباعه بخلاف ما قاله الجمهور من الفقهاء والمحدثين؛ لأن انعقاد الإجماع على المزية على غيرهما من روايات ثقات آخرين ممنوع، والإجماع على مزيتهما على أنفسهما مالا يفيد. (۱)

(ترجمہ): ”حافظ ابن الصلاح رحمۃ اللہ علیہ اور محدثین کی ایک جماعت نے اس بات کا دعویٰ کیا ہے کہ شیخین (یعنی بخاری و مسلم) کی روایات علم نظری کا فائدہ دیتی ہیں؛ کیونکہ اس بات پر اجماع ہوا ہے کہ صحیحین کو دیگر کتب پر فوقیت حاصل ہے، اور ان دونوں کتابوں کو تلقی بالقبول حاصل ہے اور اجماع قطعی ہوتا ہے۔ یہ دعویٰ محل نظر ہے؛ اس لئے کہ جو شخص بھی اپنے وجدان میں غور کرے بدیہی طور پر اسے معلوم ہوگا کہ محض شیخین کے روایت کرنے سے قطعی طور پر علم یقینی ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ ان دونوں کتابوں میں بہت سے متعارض روایات موجود ہیں، اگر شیخین کی روایات علم کا فائدہ دیں تو درحقیقت نقیضین کا تحقق لازم آئے گا اور جس بات کی طرف حافظ ابن الصلاح رحمۃ اللہ اور ان کے پیروکار گئے ہیں وہ جمہور فقہاء و محدثین کے مذہب کے خلاف ہے؛ کیونکہ دیگر مستند روایتوں کے مقابلے میں صحیحین کی روایتوں کی فوقیت پر اجماع کے انعقاد کا قول قابل قبول نہیں۔ نیز صحیحین کی فوقیت پر اجماع اس کا فائدہ نہیں دیتا کہ اس سے علم یقینی حاصل ہو جائے۔“

(۸) علامہ امیر صنعانی رحمۃ اللہ علیہ (۱) لکھتے ہیں:

”اعلم أن معنى تلقي الأمة للحديث بالقبول هو: أن تكون الأمة بين عامل بالحديث ومتأول له،... وهذا التلقي لأحاديث الصحيحين، يحتاج مدعيه في إثبات هذه الدعوى إلى دليل، فنقول: هذه الدعوى تحتاج إلى استفسار عن طرفيها: هل المراد كل الأمة من خاصة وعامة - كما هو ظاهر الإطلاق - أو المجتهدون من الأمة؟ وهو معلوم بأن الأول غير مراد، فالمراد الثاني، وهو دعوى أن كل فرد فرد من مجتهدي الأمة تلقى الكتابين بالقول.

ولا بد من إقامة البينة على هذه الدعوى، ولا يخفى أن إقامتها عليها من المتعذرات عادة كإقامة البينة على دعوى الإجماع، فإن هذا فرد من أفراد هـ.

وقد جزم أحمد بن حنبل وغيره بأن من ادعى الإجماع فهو كاذب، وإذا كان هذا في عصره قبل عصر تأليف الصحيحين فكيف من بعده؟ مع أن هذا الإجماع بتلقي الأمة لهما لا يتم إلا بعد عصر تأليفهما بزمان حتى ينتشرا ويبلغا مشارق الأرض ومغاربها وينزلا حيث نزل كل مجتهد، مع أنه يغلب في الظن أن في العلماء المجتهدين من لا يعرف الصحيحين،

۱۔ ابو ابراہیم محمد بن اسماعیل بن محمد صنعانی زیدی کہلان کے شہر میں بروز جمعہ ماہ ربیع الثانی ۱۰۹۹ھ کو پیدا ہوئے اپنے والد ماجد سے علم نحو، بیان، حدیث اور اصول سیکھا۔ باقی علوم سید زید بن محمد بن الحسن سے حاصل کیا۔ موصوف کثیر التصانیف ہونے کے ساتھ مجتہد تھے۔ وفات ۱۱۸۲ھ میں ہوئی۔ چند مشہور تصانیف: توضیح الافکار، سل السلام۔ ترجمہ کے لئے دیکھئے: الاعلام: ۶/۳۸، اور البدر الطالع بحاسن من بعد القرن السابع: ۱۳۳/۲-۱۳۹

فإن معرفتهما بخصوصهما ليست شرطاً في الاجتهاد قطعاً، والحاصل منع هذه الدعوى .

ثم إن سلمت هذه الدعوى في هذا الطرف ورد السؤال الاستفسار عن الطرف الثاني، وهو: هل المراد من تلقي الأمة لهذين الكتابين الجليلين معرفة الأمة بأنهما تأليف الإمامين الحافظين؟ فهذا لا يفيد إلا صحة الحكم بنسبتهما إلى مؤلفيهما، ولا يفيد المطلوب، أو المراد تلقيها لكل فرد من أفراد أحاديثهما بأنه عن رسول الله ﷺ، وهذا هو المفيد للمطلوب، ولكن هذه الدعوى لا يخفى عدم تسليمها في كل حديث من أحاديث الصحيحين غير ما استثنى، إذ المعصوم هو الأمة جميعاً أو مجتهدوها، ولا يتم أن كل حديث حكم المعصوم بصحته ضمناً؛ إذ ذلك فرع اطلاع كل فرد من أفراد المجتهدين على كل فرد من أفراد أحاديث الكتابين.

على أن التحقيق أن الأمة إنما عصمت عن الضلالة، لا عن الخطأ، ثم إذا كان وجه أرجحيتهما هو التلقي المذكور، فهما متلقيان على التسوية، فلا وجه لجعل ما اتفقا عليه مقدماً على ما إذا انفرد كل واحد منهما، ولا يجعل ما انفرد به البخاري أرجح من حيث التلقي لاستواء الجميع فيه. (۱)

(ترجمہ): ”تلقى الأمة بالقبول“ کا مطلب یہی تو ہے کہ یہ احادیث ثابت ہیں اور

بعض لوگ ان پر عمل کرتے ہیں اور بعض لوگ ان میں تاویل کرتے ہیں دیکھنا یہ ہے کہ آیا یہ ”تلقی“ صحیحین کی احادیث کو حاصل ہے؟ اب سوال یہ ہے کہ ”تلقی امت“ سے مراد جمیع امت ہے یا حضرات مجتہدین؟ ظاہر ہے کہ جمیع امت مراد نہیں لے سکتے، بلکہ تحقیق یہی ہے کہ اس سے مراد مجتہدین امت ہیں، اب یہ دیکھا جائے کہ آیا امت کے مجتہدین میں سے ہر ہر فرد نے ”تلقی بالقبول“ کی ہے؟ ظاہر ہے اس دعوے کے لئے دلیل کی ضرورت ہے جو عاۓتہ معذرہ ہے، کیونکہ یہ دعویٰ اجماع پر اقامت بینہ کے قبیل سے ہے، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”من ادعی الاجماع فهو کاذب“ جب صحیحین کی تالیف سے پہلے کے زمانے میں ”اجماع“ کا یہ حال ہو تو بعد کے زمانے میں اجماع کی کیا حیثیت ہوگی؟ پھر اگر تسلیم کر لیں کہ صحیحین کو ”تلقی امت بالقبول“ حاصل ہے اور امت کا اس پر اجماع ہے تب بھی یہ ماننا پڑے گا کہ پہلے صحیحین کی تالیف ہوئی پھر ان کا انتشار ہوا، مشرق و مغرب میں یہ دونوں کتابیں پہنچی ہر مجتہد ان سے واقف ہوا پھر کہیں جا کر اتفاق اور اجماع ہوا، جبکہ یہ بات ہی محل نظر ہے کہ ہر مجتہد صحیحین سے واقف ہوا ہو۔

نیز یہ سوال بھی وارد ہوتا ہے کہ تلقی امت سے کیا مراد ہے؟ اگر یہ مراد ہے کہ امت یہ جانتی ہے کہ صحیحین امام بخاری رحمہ اللہ اور امام مسلم رحمہ اللہ کی تصنیف کردہ کتابیں ہیں تو یہ مفید مطلوب نہیں اور اگر یہ مراد ہے کہ صحیحین کی ہر ہر حدیث کے بارے میں امت کو یہ یقین ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے انکا ثبوت یقینی ہے تو یہ مفید مطلوب ضرور ہے لیکن ظاہر ہے یہ دعویٰ مسلم نہیں؛ کیونکہ صحیحین کی کم از کم دوسو حدیثوں پر کلام کیا گیا ہے نیز ان میں متکلم فیہ رواۃ بھی سینکڑوں ہیں، معلوم ہوا کہ امت کا اس بات پر اجماع بھی نہیں ہے کہ صحیحین کی ہر ہر حدیث متلقی بالقبول اور ثابت عن رسول اللہ ﷺ ہے۔ پھر اگر بالفرض مان لیں کہ امت کی تلقی بالقبول ہر ہر حدیث کے لئے ہے تو بھی خطا ممکن ہے، کیونکہ امت کے معصوم عن الضلالة ہونے کی ضمانت تو لی گئی ہے لیکن معصوم عن الخطا ہونے کی ضمانت نہیں لی گئی۔

پھر اگر ہم یہ بھی تسلیم کر لیں کہ تمام مجتہدین امت نے صحیحین کی احادیث کی تلقی بالقبول کی ہے اور اسی وجہ سے ان کی ارجحیت ثابت ہو رہی ہو تو پھر تو صحیحین کے درمیان فرق نہیں ہونا چاہئے، لہذا ”ما انفرد بہ البخاری“ کو ”ما انفرد بہ مسلم“ پر ترجیح دینا درست نہیں ہونا چاہئے۔
(۹) علامہ طاہر جزائری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

”وذهب بعض العلماء إلى أنَّ أخبار الآحاد إذا كانت مخرجة في الصحيحين أو في أحدهما، تفيد العلم قطعاً، لتلقي الأمة لهما بالقبول. وأنكر الجمهور ذلك، وقالوا: إنَّ أخبار الآحاد لا تفيد العلم قطعاً، ولو كانت مخرجة في الصحيحين أو أحدهما، وتلقي الأمة لهما بالقبول إنما يفيد وجوب العمل بما فيهما، بناءً على أنَّ الأمة مأمورة بالأخذ بكل خبر يغلب على الظن صدقه، ولا يفيد أنَّ ما فيهما ثابت في نفس الأمر قطعاً.“ (۱)

(ترجمہ): ”بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ جب اخبار آحاد بخاری و مسلم یا ان دونوں میں سے کسی ایک میں ہوں، تو یہ اخبار آحاد یقین کا فائدہ دیتی ہیں، اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ امت کے ہاں بخاری و مسلم کو قبولیت حاصل رہی ہے۔ لیکن جمہور یکسر اس کا انکار کرتے ہیں، اور وہ اس بات کے قائل ہیں: کہ اخبار آحاد بالکل یقین کا فائدہ نہیں دیتے، اگرچہ اخبار آحاد بخاری و مسلم یا ان دونوں میں سے کسی ایک کے اندر کیوں نہ ہوں، اور اسی طرح امت نے بھی ان اخبار آحاد کو کیوں نہ قبول کیا ہو!! اخبار آحاد تو صرف جو کچھ بخاری و مسلم میں ہے اس پر عمل کے واجب ہونے ہی کا فائدہ دیتے ہیں، اس وجہ سے کہ جس حدیث کا صدق ہونا گمان پر غالب ہے ایسی ہر حدیث کے لینے کا امت کو حکم دیا گیا ہے، جو اخبار آحاد بخاری

و مسلم میں ہیں وہ اس کا فائدہ نہیں دیتیں کہ نفس الامر میں بھی قطعی ہی ہوں۔

(۱۰) علامہ شبیر احمد عثمانی حنفی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

”إن اجماع الأئمة أو تلقي الأمة بالقبول إنما يفيد علم اليقين أو علم طمأنينة بالأمر الذي وقع الإجماع عليه، أو التلقي بقبوله، فالإجماع على قبول مطلق للخبر الواحد المستجمع لشروط الصحة، وإفادته الظن الموجب للعمل بشرط خلوّه عن الموانع - مثلاً - إنما يفيد حصول العلم القطعي بأن خبر الواحد مفيد للظن، ومقبول في العمليات، وأنه يحتمل السهو، والغلط، والخطأ، احتمالاً لا مرجوحاً ضعيفاً.

پھر آگے لکھتے ہیں:

وظاهر أن هذا العلم القطعي المستفاد من الإجماع لا يحول خبر الواحد من إفادته الظن إلى إفادته العلم اليقيني، بل يؤكد كونه ظنياً محتملاً للخطأ لحصول الاتفاق عليه، وإلا لصار أخبار الآحاد بأسرها قطعياً، وهذا باطل بالإجماع، فهكذا إذا أجمع العلماء على أخبار معينة بأنها صحيحة، أو أصح صحاح أو مستجمة لشروط الصحة على وجه الكمال عند المحدثين، فمحصله يرجع إلى قطعية كونها بعينها أخبار آحاد مفيد للظن، مقبولة في العمليات، بشرط الخلو عن العوائق، وهذا لا يخرجها عن حيز الظن إلى درجة العلم واليقين،

فأحاديث الصحيحين التي ليست بمتواترة إنما تفيد الظن،

فإنها أ حاد، والآ حاد إنما تفيد الظن على ما تقرر، ولا فرق بين البخاري ومسلم وغيرهما في ذلك، وتلقي الأمة بالقبول إنما أفادنا وجوب العمل بما فيهما؛ وهذا متفق عليه؛ فإن أخبار الآحاد التي في غيرهما يجب العمل بها إذا صحت أسانيدها، ولا تفيد إلا الظن، فهكذا الصحيحان، وإنما يفرق الصحيحان وغيرهما من الكتب في كون ما فيهما صحيحاً لا يحتاج إلى النظر فيه، بل يجب العمل به مطلقاً، لجلالة قدر مصنفيهما، ورسوخ قدمهما في العلم، وتقديرهما في المعرفة بالصناعة، وجودة تمييز الصحيح من غيره، وبلوغهما أعلى المراتب في الاجتهاد والإمامة في وقتها، وما كان في غيرهما لا يعمل به حتى ينظر وتوجد فيه شروط الصحيح. (۱)

(ترجمہ): ”اجماع امت یا امت کی تلقی بالقبول، امر اجماعی یا تلقی بالقبول ہونے کی وجہ سے علم یقین یا طمانینہ کا فائدہ دیتا ہے۔ جب خبر واحد جو صحت کی تمام شرائط پر مشتمل ہو اور عمل کے لئے ظن کا فائدہ دیتی ہو بشرطیکہ کوئی مانع بھی درپیش نہ ہو، تو ایسی خبر واحد قطعی طور پر ظن کا فائدہ دیتی ہے، اعمال میں قابل اعتبار ہے، البتہ سہو، غلطی، لغزش کا کسی قدر کمزور احتمال بھی رکھتی ہے۔ اور بات بالکل واضح ہے کہ اجماع سے جو یقینی علم حاصل ہوا ہے وہ ایسا نہیں کہ خبر واحد کو بالکل ہی بدل دے کہ ظن کا فائدہ دینے کے بجائے اب یقین کا فائدہ دینے لگے، بلکہ یہ اجماع تو خبر واحد میں ظن اور خطا کے احتمال کو مزید تقویت دیتا ہے، کیونکہ اجماع ہی انہیں امور پر ہے۔“

اور اگر ان امور کا احتمال نہ ہو تو خبر واحد ساری کی ساری قطعی بن جائیں جو کہ بالا جماع باطل ہے۔ اگر محدثین کرام بعض خاص احادیث پر اجماع کر لیں کہ یہ حدیثیں صحیح ہیں یا صحیح ترین روایتیں ہیں، یا یقینی طور پر صحیح کی تمام شرائط کو شامل ہے تو یہ مقدمات زیادہ سے زیادہ یہی معنی رکھتی ہیں کہ یہ یقینی طور پر ظن کا فائدہ دیتی ہیں، اعمال میں قابل اعتبار ہیں بشرطیکہ کوئی مانع نہ ہو۔

بہر حال یہ سب کچھ خبر واحد کو ظن سے نکال کر قطعیت میں داخل کرنے کے لئے کافی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحیحین کی غیر متواتر روایات ظن کا فائدہ دیتی ہیں، کیونکہ وہ آحاد ہیں جو کہ فی نفسہ ظن کا فائدہ دیتے ہیں، اور ظن کا فائدہ دینے میں بخاری و مسلم کی تخصیص نہیں بلکہ کوئی بھی خبر واحد ہو، ظن کا فائدہ دیگی، البتہ صحیحین کو امت میں قبولیت حاصل ہے اس لئے ان کی حدیثوں پر عمل واجب ہے، اتنی بات تو اتفاقی ہے۔

اب صحیحین کے علاوہ اخبار آحاد اگر چہ ظن کا فائدہ دیتے ہیں لیکن ان پر عمل سندوں کی صحت ثابت ہونے کے بعد ہی واجب ہوتا ہے۔ صحیحین کے علاوہ اخبار آحاد کی سندوں پر غور و خوض کی ضرورت ہوتی ہے، لیکن صحیحین کی روایتیں بغیر کسی تحقیق کے واجب العمل ہیں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ صحیحین کے مصنفین ایک ممتاز حیثیت کے حامل ہیں، انہیں علم حدیث میں کامل رسوخ حاصل ہے، علم حدیث کی معرفت میں انہیں خاص ملکہ حاصل ہے، صحیح اور غیر صحیح میں انہیں ایک مخصوص استعداد حاصل تھی، اجتہاد کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے، اپنے وقت کے مسلم امام تھے۔ انہیں وجوہات کی بنا پر صحیحین کے علاوہ روایات میں صحیح کی شرائط کی چھان بین کی جائے گی البتہ صحیحین کی روایات اس سے مستغنی ہیں۔

حافظ ابن الصلاح رحمۃ اللہ علیہ کے نظریہ کی تردید کرنے والے صرف یہی حضرات نہیں بلکہ علامہ عراقی، محقق ابن ہمام، محقق ابن امیر الحاج، ملا علی قاری، شیخ عبدالفتاح ابو غدہ

اور علامہ عبدالرشید نعمانی رحمہم اللہ رحمۃ واسعة وغیرہ حضرات بھی ہیں۔ (۱)

در اصل ان تمام حضرات کا اس کو رد کرنے کا منشا یہی ہے کہ صحیحین کی غیر متواتر روایات وہ آحاد ہیں جو علم ظن کا فائدہ دیتی ہیں، اور ظن کا فائدہ دینے میں بخاری و مسلم کی تخصیص نہیں بلکہ کوئی بھی خبر واحد ہو وہ ظن ہی کا فائدہ دے گی۔

یہاں پر یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ اوپر صحیحین کے متعلق جو کچھ عرض کیا گیا، اس سے ممکن ہے بعض اہل علم کو شبہ ہو، تو صحیحین کے متعلق جمہور کی جو رائے ہے، وہی ہمارا بھی مسلک ہے کہ یہ دونوں کتابیں صرف صحیح احادیث کا مجموعہ ہیں۔

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے مقدمہ ”فتح الملہم“ میں صحیحین کی حدیثوں کے مفید قطع و یقین ہونے کے نظریہ کی تردید کرنے کے بعد (جس کو ہم ماقبل میں نقل کر چکے ہیں) صحیحین کی عظمت و مقام کی بابت حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت نقل کی ہے، اس جگہ ہم بھی انہیں عبارات کو نقل کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”لیس غرضنا مما کتبنا فی هذا البحث تہوین أمر الصحیحین، أو غیر ہما من کتب الحدیث، بل المقصود نفی التعمق و الغلو، ووضع کل شیء فی موضعه، وتنوہ شانہ بما یتحققہ، ونحن بحمد اللہ نعتقد فی ہذین الکتابین الجلیلین، ونقول بما قال شیخ شیوخنا ومقدم جما عتنا الشاہ ولی اللہ الدہلوی“۔

”أما الصحیحان: فقد اتفق المحدثون علی أن جمیع ما

۱۔ التقیید والایضاح لما اطلق واغلاق من کتاب ابن الصلاح: ۲۸۵/۱-۲۸۶، التقرير والتحیر مع التحریر: ۳۳۶/۲-۳۳۸، شرح شرح نخبہ الفکر: ص ۲۲۰، تعلیق الاجوبۃ الفاضلۃ للسائلۃ العشرۃ الکاملۃ: ص ۲۰۴، تعلیق دراسات اللیب فی الاسوۃ الحسنۃ بالحلب: ص ۳۳۰-۳۳۱

فیهما من المتصل المرفوع صحیح بالقطع (بالتفصیل الذي ذكرنا) وأنهما متواتران إلى مصنفيهما، وأنه كل من يهون أمرهما فهو مبتدع (مضل) متبع غير سبيل المؤمنين^(۱)

(ترجمہ): ”اس بحث میں جو کچھ ہم نے لکھا، اس سے ہمارا مقصد معاذ اللہ! صحیحین، یا دوسری کتب حدیث کی کسر شان نہیں ہے، بلکہ ان کی بابت غلو کی تردید اور ہر چیز کو اس کے اصل مقام پر رکھنے اور اس کو اس کا واجب حق دینے کی کوشش ہے، ورنہ ہم بحمد اللہ! ان دونوں عظیم الشان کتابوں کے متعلق وہی نظریہ رکھتے ہیں جو ہمارے شیخ الشیوخ اور مقتدا حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ^(۲) نے فرمایا ہے:

صحیحین کے متعلق محدثین کا اتفاق ہے کہ ان میں جو کچھ مرفوع متصل کے قبیل سے ہے، وہ بالکل صحیح ہے اور ان کتابوں کا ثبوت ان کے مصنفین سے بطور تواتر ہے، بلاشبہ جو شخص بھی ان کی شان گھٹائے گا وہ بدعتی، گمراہ اور مسلمانوں کے راستے کے علاوہ راستہ کی پیروی کرنے والا ہوگا۔ مذکورہ بالا نصوص کے بعد شیخ ناصر الدین البانی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے رفقاء کو اب قطعاً اس بات کی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ وہ اپنے مطلق موقف کو لے کر عقائد کے باب میں صحیحین کی غیر متواتر روایات سے استدلال کا نظریہ رکھیں، کیونکہ حافظ ابن الصلاح رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے رفقاء نے

۱۔ فتح الملہم شرح صحیح مسلم: ۳۰۰/۱، حجتہ اللہ البالغہ: ۳۰۶/۱

۲۔ سراج الہند ولی اللہ احمد بن عبد الرحیم دہلوی حنفی جو شاہ ولی اللہ کے نام سے مشہور و معروف ہیں۔ ۱۱۱۴ھ میں سونی پت میں پیدا ہوئے۔ موصوف نے علوم کی تحصیل و تکمیل اپنے والد ماجد سے کی دس سال کی عمر میں کافیہ کی شرح لکھنی شروع کی، اسی دوران علوم و فنون کی تکمیل میں لگے، حتیٰ کے ۲۵ سال کی عمر میں مکمل فراغت حاصل کی موصوف ہندوستان کے مایہ ناز مشہور و معروف محدث جلیل و فقیہ نبیل، جامع معقول و منقول تھے، ہند میں تفسیر و حدیث کو مشہور کرنے میں ان کا بہت بڑا حصہ ہے۔ دہلی میں ۱۱۷۶ھ میں وفات پائے۔ چند مشہور تصانیف: ازالۃ الخفاء عن خلافت الخلفاء، حجتہ اللہ البالغہ، الفوز الکبیر۔ مزید حالات کے لئے دیکھئے: نزہۃ الخواطر و ہجۃ المسامح والنواظر: ۶/۲۰۹-۲۲۸، اور الاعلام: ۱۴۹/۱

صحیحین کی غیر متواتر روایات کے بارے میں جو کہا ہے وہ بھی چند قیودات کے ساتھ علم نظری کا فائدہ دیتیں ہیں: مثلاً ان کا یہ کہنا ہے کہ صحیحین کو تلقی بالقبول حاصل ہے ان کے قبولیت پر اجماع ہوا ہے وغیرہ، تاہم ان حضرات کے اس نظریہ کو بھی جمہور فقہاء و محدثین نے قبول نہیں کیا ہے (جیسا کہ ہم ماقبل میں تفصیل سے عرض کر چکے ہیں) جبکہ شیخ ناصر الدین البانی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے رفقاء ان تمام ترقیودات سے بالاتر ہو کر اخبار آحاد کو مطلقاً، خواں صحیحین کے علاوہ بھی ہوں عقائد میں مستدل بناتے ہیں، اگر دلیل کا مطالبہ ہو تو متقدمین و متأخرین حضرات کی وہ عبارات پیش کرتے ہیں جن میں اخبار آحاد تلقی بالقبول کی بنیاد پر یا تحف بالقرائن ہونے کی وجہ سے علم کا فائدہ دیتیں ہیں، اس لئے یہ عبارات قطعاً ان کے حق میں مفید نہیں کیونکہ یہ حضرات علی الاطلاق اخبار آحاد سے علم کے حاصل ہونے کے قائل ہیں۔

قارئین کرام! آپ اس مفصل اور مدلل باحوالہ بحث سے بخوبی یہ معلوم کر چکے ہیں، کہ جمہور فقہاء، محدثین، اصولیین اور محققین کا یہی مذہب ہے کہ خبر واحد سے عقیدے کا ثبوت نہیں ہوتا، لیکن جمہور کی اس رائے کے برخلاف حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ^(۱)

۱۔ ابو عبد اللہ شمس الدین محمد بن ابی بکر بن ایوب بن سعد بن حریر زری دمشقی حنبلی جو ابن قیم کے نام سے مشہور ہیں۔ ۶۹۱ھ میں پیدا ہوئے۔ اپنے زمانہ کے کبار علماء کرام خاص کر امام ابن تیمیہ سے علم حاصل کیا، موصوف علامہ کے کمالات سے بہت زیادہ مستفید ہوئے اس لئے دوسرے تلامذہ سے علم و فضل میں ممتاز ہوئے، آپ علامہ کے علمی و عملی کمالات کا مظہر تھے بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ دونوں ایک روح اور دو قالب تھے۔ موصوف اپنے دور کے بہت بڑے محدث، مفسر، فقیہ اور متکلم تھے، جب ۷۲۶ھ میں زیارت قبور، توسل، وسیلہ واستغاثہ کے مسائل کی وجہ سے ہنگامہ ہوا تو موصوف نے امام ابن تیمیہ کے خیالات ہی کی پر زور حمایت کی جس کی وجہ سے حکومت نے آپ کو بھی قید کر دیا، رہائی کے بعد درس و تدریس و تالیف میں مشغول ہو گئے، وفات ۷۵۱ھ میں ہوئی۔ چند مشہور تصانیف: زاد المعاد، اعلام الموقعین، کتاب الروح۔ مزید حالات کے لئے دیکھئے: الدرر الکامہ فی اعیان المائۃ الثامۃ: ۲۴۳/۳-۲۴۵، اور شذرات الذہب فی أخبار من ذہب: ۳۵۲/۶-۳۵۴

اور شیخ ناصر الدین البانی رحمۃ اللہ علیہ (۱) کا موقف یہ ہے کہ اخبار آحاد سے بھی عقیدے کا ثبوت ہوتا ہے۔

جمہور نے جو تقسیم کی تھی کہ خبر واحد سے عقیدے کا ثبوت نہیں ہوگا، ہاں احکام میں برابر اس سے استدلال کیا جائے گا (کیونکہ احکام کے لئے ظنی دلائل ہی کافی ہیں)، لیکن علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ ناصر الدین رحمۃ اللہ علیہ اس تقسیم کے مخالف ہیں۔

چنانچہ علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”اثبات الفروع بأخبار الآحاد دون الأصول وغير ذلك، وكل تقسيم لا يشهد له الكتاب والسنة وأصول الشرع بالاعتبار، فهو تقسيم باطل يجب إلغاؤه، وهذا للتقسيم أصل من أصول ضلال القوم؛ فإنهم فرقوا ما سُموه أصولاً وما سُموه فروعاً.“ (۲)

(ترجمہ): ”اخبار آحاد سے فروع کو ثابت کرنا نہ کہ اصول وغیرہ کو، اور ہر وہ تقسیم جس کی اصل قرآن، سنت اور شریعت کے اصولوں میں موجود نہ ہو، تو وہ تقسیم باطل ہے، اس کا ترک کرنا واجب ہے، اور یہی تقسیم امت کی گمراہی کے اسباب میں سے ایک سبب ہے؛ اس لئے کہ اصول و فروع نام رکھ کر ان دونوں کے درمیان تفریق کر دی ہے“ (جبکہ دونوں ایک ہی ہے)۔

۱۔ محمد ناصر الدین البانی۔ ولادت ۱۲۳۳ھ میں ہوئی، طلب علم کے لئے حلب اور دمشق کا سفر کیا، موصوف کے والد بچے حنفی تھے، موصوف کے شاگرد رشید شیخ محمد حسن جان المدنی، رقمطراز ہیں: موصوف واقعی غیر مقلد تھے۔ وہ کسی مسئلے میں بھی کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے۔ اپنی تحقیق کی روشنی میں بہت سے مسائل میں شاذ و متفرد رہے۔ دو سال پڑھانے کے بعد بعض شاذ فتوؤں کی بنا پر سعودی حکومت نے ان کی ترحیل کرائی، اور وہ واپس دمشق چلے گئے۔ موصوف تخریج احادیث میں بہت ماہر تھے، مگر فقہ، نحوی قواعد اور دیگر فنون سے ان کا خاص واسطہ نہیں تھا۔ وفات ۱۳۲۲ھ میں اردن میں جلاوطنی کے زمانہ میں راہی دار بقا ہو گئے۔ چند تصانیف: سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ، سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ، الحدیث حجتہ بنفسہ۔ ترجمہ کے لئے دیکھئے: حیات فانی زندگی کے چند ایام: ص ۵۵-۵۸

شیخ ناصر الدین البانی صاحب فرماتے ہیں:

”أن القول بأن أحاديث الآحاد لا يؤخذ بها في العقيدة قول مبتدع محدث، لا أصل له في الشريعة الإسلامية الغراء، وهو غريب عن هذّي الكتاب وتوجيهات السنة ولم يعرفه السلف الصالح رضوان الله عليهم ولم ينقل عن أحد منهم بل ولا خطر لهم على بال.“ (۱)

(ترجمہ): ”یہ کہنا کہ اخبار آحاد کو عقیدے میں نہیں لیا جائے گا، یہ ایک مخترع اور خود ساختہ قول ہے، جس کی شریعت میں کوئی اصل موجود نہیں ہے، اور قرآن کی ہدایات اور سنت کی تعلیمات کی روشنی میں یہ ایک اجنبی سی بات ہے، اور سلف صالحین تو اس کو جانتے ہی نہیں تھے، اور نہ ہی ان میں سے کسی سے بھی یہ قول منقول ہے، بلکہ ان کے دلوں میں تو اس طرح کا خیال بھی کبھی نہیں آیا ہے چہ جائیکہ ان سے یہ قول منقول ہو۔“ حالانکہ علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (۲) ایک حدیث کا جواب دیتے ہوئے یوں گویا ہیں:

۱۔ اصل الاعتقاد: ص ۶۳

۲۔ ابوالعباس تقی الدین احمد بن عبدالحلیم بن مجد الدین بن تیمیہ حرانی حنبلی۔ موصوف کی ولادت ۶۶۱ھ میں ہوئی۔ موصوف مشہور و معروف جلیل القدر عالم بقبح، جامع معقول و منقول حافظ حدیث، امام وقت تھے وسعت معلومات، کثرت مطالعہ اور حفظ و ذکاؤ مفرد میں بے مثل تھے، نہایت جری، تھے۔ بعض مسائل میں آپ نے تفرد کے ساتھ تشدد کیا جس کی وجہ سے موصوف کی سخت مخالفت ہوئی، آپ باوجود ائمہ اربعہ اور دوسرے اکابر متقدمین کے ساتھ پوری عقیدت رکھنے کے بھی عدم تقلید کے میلانات رکھتے تھے، جن سے غیر مقلدین زمانہ نے فائدہ اٹھایا، تفردات: جہت باری کا مسئلہ، تائیلین وحدۃ الوجود سے سخت انحراف و اختلاف، مسئلہ طلاقات ثلاثہ کو بمنزلہ طلاق واحد قرار دیتے ہیں اور حرمت نکاح تحلیل میں بھی بہت تشدد کیا، مسئلہ توسل، زیارت قبور۔ ان مسائل میں علماء وقت نے آپ کا خلاف کیا، مستقل کتابیں تردید میں لکھی گئیں۔ وفات ۷۲۸ھ میں ہوئی۔ چند مشہور تصانیف: منہاج السنہ، فتاویٰ ابن تیمیہ، تعارض العقل والنقل۔ ترجمہ کے لئے دیکھئے: الدرر الکلمۃ فی أعیان الملایۃ الثامۃ: ۸۸/۱-۹۶، شذرات الذہب فی اخبار من ذہب: ۲۴۱/۶-۲۴۷، اور الاعلام: ۱۴۴/۱

”أَنْ هَذَا مِنْ أَخْبَارِ الْآحَادِ، فَكَيْفَ يَثْبُتُ بِهِ أَصْلُ الدِّينِ الَّذِي لَا يَصْلُحُ الْإِيمَانُ إِلَّا بِهِ.“ (۱)

(ترجمہ): ”یہ تو اخبارِ آحاد میں سے ہے، تو اس سے ان عقائد کو کیسے ثابت کیا جاسکتا ہے جن کے بغیر ایمان معتبر نہیں۔“ ”اصل الدین“ سے اعتقادات مراد ہیں۔ یہاں یہ بات یاد رہے؛ کہ شیخ ناصر الدین البانی رحمۃ اللہ علیہ کے اس نظریہ کی تردید جمہور کے ان اقوال سے ہوتی ہے جن کو ہم ماقبل میں نقل کر چکے ہیں۔

تنبیہ:

اس تفصیل سے ان کے اس نظریہ کی بھی تردید ہوتی ہے کہ جمہور بھی اس کے قائل ہیں؛ کیونکہ خبر واحد علم کا فائدہ دیتی ہے؛ اس لئے اس سے عقیدے کا ثبوت ہوگا، جبکہ جمہور کے اقوال اس خبر واحد کے بارے میں ہیں جس کو تلقی بالقبول حاصل ہے نہ کہ علی الاطلاق خبر واحد کے بارے میں، جبکہ یہ حضرات علی الاطلاق خبر واحد سے عقیدے کو ثابت کرتے ہیں۔

اس لئے ضروری ہے کہ اس فرق کو ملحوظ رکھا جائے؛ کیونکہ موجودہ دور کے سلفی حضرات ان دونوں کو ایک ہی لبادہ پہنا کر عوام الناس کے سامنے پیش کرتے ہیں، اور یہ باور کراتے ہیں کہ دیکھو جمہور بھی اس کے قائل ہیں، (حالانکہ جمہور قطعاً اس کے قائل نہیں) اور اسی موقف کو عمر سلیمان الاشرق نے اپنی کتاب ”أصل الاعتقاد“ میں پرزور طریقے سے بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔

جمہور کے ہاں خبر واحد سے عقیدے کا ثبوت نہیں ہوتا؛ مگر حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس سے عقیدے کا ثبوت ہوتا ہے، اور پھر اسی کے ضمن میں موصوف نے بعض منکر اور شدید ضعف والی روایات سے بھی عقائد کو ثابت کیا ہے، اس شدت ضعف اور نکارت حدیث کے باوجود اگر کوئی حدیث ان کی مستدل بناتی ہے، تو اس کی تقویت میں بات مبالغہ کی حد تک پہنچ جاتی ہے، مثلاً وفد بنی المنتفق پر کلام کے ذیل میں ایک لمبی حدیث ذکر کی ہے، جس میں یہ الفاظ موجود ہیں۔

”ثم تلبثون ما لبثتم، ثم تبعث الصائحة، لعمر الهك! ما تدع على ظهرها من شيء إلا مات، والملئكة الذين مع ربك عز وجل، فأصبح ربك عز وجل يطوف بالارض وقد خلت عليه البلاد.“ (۱)

(ترجمہ): ”پھر جتنا ٹھہرنا تمہارے لئے مقرر ہوگا تم ٹھہرو گے، پھر ایک چیخ آئے گی، اللہ تعالیٰ کی قسم یہ چیخ زمین پر کسی چیز کو نہ چھوڑے گی مگر وہ مری ہوئی ہوگی، اور فرشتے تیرے رب کے ساتھ ہوں گے، پھر باری تعالیٰ زمین میں چکر لگائیں گے حالانکہ شہر ویران ہو چکے ہوں گے، حافظ ابن قیمؒ نے اس حدیث کے ذریعہ سے اللہ جل شانہ کے لئے طواف فی الاض کو ثابت کیا ہے۔“

پھر اس حدیث کو صحیح و ثابت قرار دینے میں پورا زور صرف کیا ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں:

”هذا حديث جليل تنادي جلالته، وفخامته، وعظمته، على أنه قد خارج من مشكاة النبوة، لا يعرف إلا من حديث عبد الرحمان بن المغيرة المدني.“

(ترجمہ): ”یہ ایسی شاندار حدیث ہے کہ جس کا وقار و اہمیت اور عظمت اس بات کی ندا کر رہا ہے کہ یہ حدیث مشکاة نبوت سے منقول ہے، اس حدیث کا صرف عبد الرحمان بن مغیرہ مدنی سے روایت کرنا مشہور ہے۔“

پھر عبد الرحمان بن مغیرہ کی توثیق اور ان کتابوں کے حوالوں کے ذریعہ جن میں یہ حدیث تخریج کی گئی ہے ایک طویل بحث کے درپے ہوئے ہیں، حالانکہ خود ان کے شاگرد رشید حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

”ہذا حدیث غریب جداً، وألفاظه في بعضها نكارة“ (۱)
حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی عاصم بن لقیط کے ترجمہ میں لکھا ہے: ”ہذا حدیث
غریب جداً“ (۲)

(جو کہ اس حدیث کے سند کے راویوں میں سے ایک راوی ہے) جبکہ حافظ ابن قیمؒ نے
اس کی تائید میں کسی کہنے والے کے اس قول تک کو نقل کر ڈالا۔

”ولا ينكر هذا القول إلا جاهل أو جاهل أو مخالف
للكتاب والسنة.“ (۳)

(ترجمہ): ”اس قول کا کوئی ہٹ دھرم، جاہل یا کتاب و سنت کا مخالف ہی انکار کر
سکتا ہے۔“

حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرح منکر روایت کی تائید میں اتنا زور آخر کیوں صرف
کیا؟ اور پھر ”ہذا حدیث جلیل تنادی جلالته....“ جیسے بلیغ جملے بھی اس کے حق
میں استعمال کئے ہیں یہ کس بات کی غمازی کرتا ہے؟ یہی کہ اس حدیث میں ”فأصبح ربك
عز وجل يطوف في الأرض وخلت عليه البلاد“ جیسے منکر کلمات وارد ہیں!،
علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ استواء کو بمعنی استقرار و جلوس لیتے
ہیں، اگرچہ استواء، استقرار و جلوس کی تصریح نہیں کرتا لیکن ان کی عبارات اس کی طرف اشارہ
کرتی ہیں؟

مقام محمود کی تفسیر:

چنانچہ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ ”مقام محمود“ کی تفسیر میں امام مجاہد سے منقول موقوف
روایت سے استدلال کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

۱۔ البدایہ والنہایہ: ۵/۶۸، ۶۹

۲۔ تہذیب التہذیب: ۳/۳۳۱

۳۔ زاد المعاد فی ہدی خیر العباد: ۲/۷۰۳

(۱)

”أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَجْلِسُهُ رَبُّهُ عَلَى الْعَرْشِ مَعَهُ.“ (۱)
 (ترجمہ): ”آپ ﷺ کو اللہ جل شانہ اپنے ساتھ عرش پر جلوہ افروز فرمائیں گے۔“
 علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ یوں گویا ہیں:

”قال القاضي: صنف المروزي كتاباً في فضيلة النبي وذكر فيه إقعاده على العرش. قال القاضي وهو قول أبي داؤد، وأحمد بن أصرم، ويحيى بن أبي طالب، وأبي بكر بن حماد، وأبي جعفر الدمشقي، وعياش الدوري، وإسحاق بن راهويه، وعبد الوهاب الوراق، وإبراهيم الأصبهاني، وإبراهيم الحربي، وهارون بن معروف، ومحمد بن إسماعيل السلمي، ومحمد بن مصعب بن العائد، وأبي صدقة، ومحمد بن بشر بن شريك، وأبي قلابة، وعلي بن سهل، وأبي عبد الله بن عبد النور، وأبي عبيد، والحسن بن فضل، وهارون بن العباس الهاشمي، ومحمد بن عمران الفارسي الزاهد، ومحمد بن يونس البصري، وعبد الله بن ابن الإمام، والمروزي، وبشر الحافي، انتهى۔“

قلت: وهو قول ابن جرير الطبري، وإمام هو لاء كلهم مجاهد إمام تفسیر، وهو قول أبي الحسن الدارقطني ومن شعره ﷺ

حَدِيثُ الشَّفَاعَةِ عَنْ أَحْمَدَ.... إِلَى أَحْمَدَ الْمُصْطَفَى
 وَجَاءَ حَدِيثُ بِإِقْعَادِهِ.... عَلَى الْعَرْشِ أَيْضًا فَلَا نَجْحَدُهُ
 أَمْرًا الْحَدِيثَ عَلَى وَجْهِهِ..... وَلَا تَدْخُلُوا فِيهِ مَا يُفْسِدُ

ولا تنكروا أنه قاعدہ..... ولا تنكروا أنه يقعدہ۔“ (۱)
 (ترجمہ): ”قاضی (ابو یعلیٰ) نے فرمایا کہ مروزی نے آپ ﷺ کے فضائل میں
 ایک کتاب لکھی ہے جس میں اس بات کی تصریح کی ہے کہ آپ ﷺ عرش پر جلوہ
 افروز ہوں گے پھر قاضی نے کہا یہی قول ابو داؤد، احمد بن اسرم یحییٰ بن ابی طالب،
 ابوبکر بن حماد، ابو جعفر الدمشقی، عیاش الدوری، اسحاق بن راہویہ، عبد الوہاب
 الوزاق، ابراہیم الاصبہانی، ابراہیم الحزلی، ہارون بن معروف، محمد بن اسماعیل السلمی
 محمد بن مصعب بن العائد، ابو صدقہ، محمد بن بشر بن شریک، ابو قلابہ، علی بن سہل، ابو
 عبد اللہ بن عبد النور، ابو عبید، الحسن بن فضل، ہارون بن العباس البہاشمی، محمد بن عمران
 الفارسی الزاہد، محمد بن یونس البصری، عبد اللہ بن ابن الامام، مروزی اور بشر کا بھی
 ہے۔

میں (یعنی ابن قیم) کہتا ہوں اور یہی قول ابن جریر طبری اور ان سب کا امام امام تفسیر
 مجاہد اور ابو الحسن الدراقطنی کا بھی ہے امام دارقطنی کے اشعار:

شفاعت کی حدیث احمد سے احمد مصطفیٰ تک متصل سند سے مروی ہے
 حدیث میں آپ ﷺ کے عرش پر جلوہ افروز ہونے کا ذکر ہے، لہذا ہم اس کا انکار نہیں
 کرتے حدیث کو اس کے ظاہری حال پر چھوڑ دو، اور اس میں ایسی کوئی تاویل نہ کرو کہ جس کی وجہ
 سے اس پر عمل کرنا ممکن نہ ہو

اور اس کا انکار نہ کرو کہ آپ ﷺ عرش پر جلوہ افروز ہوئے ہیں، اور اس کا بھی انکار نہ کرو
 کہ آپ ﷺ عرش پر جلوہ افروز ہوں گے۔

حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے ان اشعار کی نسبت امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف
 کی ہے اور اس نسبت کے باطل ہونے کو نہیں بتایا۔

اسی وجہ سے علامہ زاہد کوثری رحمۃ اللہ علیہ (۱) نے ”ایضاح الدلیل فی قطع حج اہل التعطیل“ (۲) میں اور ان کے بعد شیخ ناصر الدین البانی رحمۃ اللہ علیہ نے سلسلہ الضعیفۃ والموضوعة وأثرها السیئ فی الأمة (۳) میں حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ سے یہ شکوہ کیا ہے کہ موصوف نے اس بات کی تصریح کیوں نہیں کی ہے کہ یہ نسبت محل نظر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان حضرات نے سختی سے تردید کی ہے کہ ان اشعار کی نسبت امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف کرنا کسی طرح بھی درست نہیں البتہ موصوف نے خود اس طرح کے اشعار کہے ہیں۔

چنانچہ موصوف فرماتے ہیں:

”وَزَعَمْتُ أَنَّ مُحَمَّدًا أُسْرَى بِهِ لَيْلًا إِلَيْهِ فَهُوَ مِنْهُ دَانَ
وَزَعَمْتُ أَنَّ مُحَمَّدًا يَوْمَ اللَّقَاءِ يُدْنِيهِ رَبُّ الْعَرْشِ بِالرُّضْوَانِ
حَتَّى يُرَى الْمُخْتَارَ حَقًّا قَائِدًا مَعَهُ عَلَى الْعَرْشِ الرَّفِيعِ الشَّانِ“ (۴)

(ترجمہ): میں یقین سے کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ شب معراج میں آپ ﷺ کو اپنے پاس لے گئے، تو حضور ﷺ اللہ جل شانہ کے قریب ہو گئے۔

۱۔ محمد زاہد بن الحسن بن علی کوثری حمی ۱۲۹۶ھ میں پیدا ہوئے۔ موصوف مشہور و معروف محقق مدقق، جامع العلوم والفنون تھے، ترکی کے زمانہ میں آپ وکیل المشییۃ الاسلامیہ، معہد تخصص تفسیر و حدیث میں استاذ علوم قرآنیہ، قسم شرعی جامعہ عثمانیہ، استنبول میں استاذ فقہ و تاریخ اور دار الثقافت الاسلامیہ استنبول میں استاذ ادب و عربیت رہے تھے، مصطفیٰ کمال کے لادینی فتنہ کے دور میں استنبول چھوڑ کر مصر آئے اور آخر تک وہیں رہے۔ موصوف مطالعہ کتب، وسعت معلومات، خلوص، تقویٰ و دیانت میں بے نظیر تھے۔ وفات ۱۳۷۲ھ میں ہوئی۔ چند مشہور تصانیف: تانباب الخطیب، النکت الطریفہ، الوجیز فیما یتغنیہ المستجیز۔ مزید حالات کے لئے دیکھئے: الاعلام ۱۲۹۶/۶، اور انوار الباری علی صحیح البخاری: ۲/۳۲۸-۳۲۹۔

۲۔ ایضاح الدلیل فی قطع حج اہل التعطیل: ۳۰/۱۔

۳۔ سلسلہ الضعیفۃ والموضوعة وأثرها السیئ فی الأمة: ۲/۲۵۶۔

۴۔ القصیدۃ النونیۃ: ص ۲۸۔

میں یقین سے کہتا ہوں کہ محمد ﷺ کو قیامت کے دن، عرش کا رب اپنی خوشنودی سے قریب کرے گا۔

اور یہاں تک قرب کی نوبت پہنچ جائے گی، کہ حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بلند عرش عظیم پر جلوہ افروز ہوں گے۔

دوسرے مقام پر موصوف لکھتے ہیں:۔

”بل عطلوا منه السموات العلی والعرش أخلوه
من الرحمان.“ (۱)

لیکن لوگوں نے تو باری تعالیٰ کو بلند آسمانوں سے جدا ہی کر دیا، اور عرش کو رحمان سے خالی ہی کر دیا۔

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے ان اشعار میں ان لوگوں پر نکیر فرمائی ہیں، جو باری تعالیٰ کو عرش پر جالس و متمکن نہیں مانتے، اور کہا کہ یہ کیسے لوگ ہیں جنہوں نے عرش کو باری تعالیٰ سے خالی مانا ہے، لیکن ”زاد المعاد“ میں جو علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے باری تعالیٰ کے طواف فی الارض کی طویل حدیث (جس کو ہم ماقبل میں ذکر کر چکے ہیں) ذکر کر کے اس کی انتہائی توثیق بھی کی ہے، تو کیا اس وقت بھی باری تعالیٰ اپنے عرش سے الگ نہیں ہونگے؟۔

مذکورہ حضرات کے متدلالات میں سے ایک مستدل وہ روایت بھی ہے جس کو حافظ ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں امام مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے موقوفاً نقل کیا ہے:

”حدثنا عباد بن يعقوب الأسدي، قال: ثنا ابن فضيل، عن

ليث، عن مجاهد في قوله تعالى ﴿عسى أن يبعثك ربك

مقاماً محموداً﴾ قال: يجلسه معه على عرشه.“ (۲)

۱۔ القصيدة النونية: ص ۲۹

۲۔ تفسیر الطبري: ۱۳۲/۸

امام مجاہد سے اس روایت کو نقل کرنے والے چار راوی ہیں: (۱) لیث، (۲) عطاء بن السائب، (۳) ابویحیی القنات (۴) اور جابر بن یزید۔ چنانچہ علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ (۱) نے ان چاروں سے روایت لی ہے (۲) جبکہ تفسیر طبری میں صرف لیث کی طریق سے مروی ہے۔

علامہ ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کی فنی حیثیت:

عباد بن یعقوب کے بارے میں ائمہ رجال کے اقوال:

امام ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”شیخ ثقة.“، ابوبکر بن خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”حدثنا الثقة في روايته، المتهم في دينه.“ (۳)

ابوبکر بن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ اور ہناد بن السری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ سلف کو سب و شتم کیا کرتا تھا۔

ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”عباد فيه غلو في التشيع، و روى أحاديث أنكرت عليه في فضائل أهل البيت.“، حوالہ بالا

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”صدوق رافضي يستحق الترك.“ (۴)

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”من غلاة الشيعة ورؤوس البدع لكنه صادق في الحديث.“ (۵)

۱۔ ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن عثمان ترکمانی ذہبی شافعی۔ ۳ ربیع الثانی ۳۷۷ھ میں پیدا ہوئے تحصیل علم اپنے زمانہ کے کبار علماء امت سے کیا۔ علامہ سبکی نے محدث العصر، خاتم الحفاظ، امام العصر لکھا ہے۔ موصوف فقہ، حدیث، تاریخ، تجوید، رجال میں بے مثال تھے۔ وفات ۳ ذی القعدة ۴۲۸ھ میں ہوئی۔ چند مشہور تصانیف: سیر اعلام النبلاء، تاریخ الاسلام، تذکرۃ الحفاظ۔ مزید حالات کے لئے دیکھئے: الدرر الكامنة في أعيان المائة الثامنة: ۲۰۴/۳-۲۰۵

۲۔ العلو للعلی الغفار: ۷۰/۱

۳۔ العلو للعلی الغفار: ۱۷۰/۱

۴۔ تقریب العہدیب: ۲۹۱

۵۔ الکامل فی الضعفاء: ۵۵۹/۵

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”کان داعیۃ إلی الرفض، ومع ذلك يروي المناكير عن المشاهير؛ فاستحق الترك.“ حوالہ بالا

امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”شيعي صدوق.“ (۱)

علامہ خزررجی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”أحد رؤوس الشيعة وثقه أبو حاتم وابن خزيمة.“ حوالہ بالا

ان کے بارے میں ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح کی ہے کہ یہ داعی الی المذہب تھے اور محققین کے نزدیک بدعتی راوی جب داعی الی المذہب ہو تو اس کی روایت کسی طرح بھی قابل قبول نہیں اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی قول کو رائج قرار دیا ہے۔ (۲)

محمد بن فضیل کے بارے میں ائمہ رجال کے اقوال:

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”کان يتشيع، و كان حسن الحديث.“ (۳)

یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”ثقة.“ حوالہ بالا

امام ابو زرہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”صدوق من أهل العلم.“ حوالہ بالا

امام ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”شيخ.“ حوالہ بالا

امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”کان شيعيا محترقا.“ حوالہ بالا

امام الترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ليس به بأس.“ حوالہ بالا

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”ذكر في الثقات وقال: كان يغلو التشيع.“ حوالہ بالا

ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”بعضهم لا يحتج به.“ (۴)

۱۔ میزان الاعتدال: ۴/۴۴، ۴۵

۲۔ خلاصۃ تہذیب تہذیب الکمال: ص ۱۸۷

۳۔ تہذیب الکمال فی أسماء الرجال: ۱۵۸/۱۷

۴۔ میزان الاعتدال: ۴/۳۰۰، ۳۰۱

امام ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”لیس بقوی“

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”صدوق عارف رَمی بالتشیع۔“ (۱)

علامہ خزر جی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”شیعی غال باطنہ۔“ (۲)

لیث بن ابی سلیم کے بارے میں ائمہ رجال کے اقوال:

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”مضطرب الحدیث، ولكن حدث عنه

الناس۔ مارآیت یحیی بن سعیداً سوأ رأیاً فی أحد منه فی لیث۔“ (۳)

ابو بکر بن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”کان لیث أكثر تخطیاً۔“، حوالہ بالا

یحیی بن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”لیث ضعیف إلا أنه یکتب حدیثہ۔“، حوالہ بالا

ابن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”یضعفه۔“، حوالہ بالا

امام ابو زرہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”لیث لین الحدیث، لا تقوم به الحجة عند أهل العلم

بالحدیث۔“ حوالہ بالا

، امام ابن معین رحمۃ اللہ علیہ اور امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”ضعیف۔“ (۴)

محمد بن ادریس رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو زرہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”لیث لا یشغل به

هو مضطرب الحدیث۔“ (۵)

اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”صدوق اختلط جداً ولم یتمیز حدیثہ فترك۔“

(۶)

۱۔ تقریب التہذیب: ص ۵۰۲

۲۔ خلاصۃ تہذیب تہذیب الکمال: ص ۳۵۶

۳۔ تہذیب الکمال: ۴۵۱/۱۵-۴۵۳

۴۔ میزان الاعتدال: ۴۴۳-۴۴۴

۵۔ الجرح والتعديل: ۲۴۳/۷

۶۔ تقریب التہذیب: ص ۴۶۴

لیث کے علاوہ وہ رواۃ جنہوں نے یہی روایت امام مجاہد سے لی ہیں:

عطاء بن السائب کے بارے میں ائمہ رجال کے اقوال:

امام ابن معین رحمۃ اللہ علیہ ان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ: ان کی روایت ضعیف ہے

سوائے سفیان رحمۃ اللہ علیہ اور شعبہ رحمۃ اللہ علیہ کے۔^(۱)

ائمہ جرح و تعدیل کا اس بات پر تقریباً سب کا اتفاق ہے کہ اختلاط سے پہلے ان کی روایات

صحیح ہیں اور اختلاط کے بعد کوئی بھی روایت درست نہیں ہے۔ کیوں کہ اختلاط کی وجہ سے بہت زیادہ سوء حفظ کے شکار ہو گئے تھے۔

عبدالرحمان بن دینار یا زاذان یا یزید کے بارے میں ائمہ رجال کے اقوال:

ابن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”ضعیف“۔^(۲)

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے: ”لیس بالقوی“، حوالہ بالا

ابراہیم بن مہاجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”لم یکن بالقوی“، حوالہ بالا

شریک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”یضعفه“۔^(۳)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”لین الحدیث“۔^(۴)

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”ممن فحش خطؤه و کثروہمه ، حتی سلك غیر

مسلك العدول فی الروایات“۔^(۵)

امام مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرنے والا چوتھا روای جابر بن یزید ہیں اور یہ دو ہیں ایک جابر

بن یزید الجعفی (جو کہ متروک راوی ہیں) دوسرا جابر بن یزید العجلی (جو کہ ثقہ ہیں) اور یہ بات یاد

رہے! کہ یہ دونوں امام مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں۔

۱۔ الکامل فی الضعفاء: ۷/۱۷۱

۲۔ میزان الاعتدال: ۷/۴۴۳، ۴۴۴

۳۔ الکامل فی الضعفاء: ۴/۲۲۱۰

۴۔ تقریب التہذیب: ص ۶۸۴

۵۔ کتاب البحر وحین من المحدثین: ص ۷۲

ہماری جستجو کے مطابق معلوم نہ ہو سکا کہ ان دونوں میں سے یہاں کون مراد ہے البتہ شیخ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے جابر جعفی کو اس روایت کا راوی قرار دیا ہے۔ (۱)
علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ مذکورہ روایت کے بارے میں تمام تر تحقیقات کرنے کے بعد یوں گویا ہیں:

”ولكن ثبت في الصحيح أن المقام المحمود هو الشفاعة الخاصة بنبينا: (۲)

(ترجمہ): ”یعنی مقام محمود کی صحیح تفسیر یہی ہے کہ اس سے مراد وہ شفاعت ہے جو آپ ﷺ کے ساتھ خاص ہے۔“

چنانچہ علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کے بعد شیخ ناصر الدین البانی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

”وهذا هو الحق في تفسير المقام المحمود دون شك ولا ريب للأحاديث التي أشار إليها المصنف رحمه الله تعالى، وهو الذي صححه الأمام ابن جرير في تفسيره ثم القرطبي وهو الذي لم يذكر الحافظ ابن كثير غيره، وساق الأحاديث المشار إليها بل هو الثابت عن مجاهد نفسه من طريقين عنه عند ابن جرير. وذلك الأثر عنه ليس له طريق معتبر، فقد ذكر المؤلف أنه روي عن ليث بن أبي سليم وعطاء بن السائب وأبي يحيى القتات وجابر بن يزيد. قلت: والأولان مختلطان، والآخران ضعيفان؛ بل الأخير متروك متهم“ (۳)

۱۔ سلسلۃ احادیث الضعیفۃ والموضوعة وأثرها السی فی الامۃ: ۲/۲۵۶

۲۔ مختصر العلو: ص ۱۷

۳۔ مختصر العلو: ص ۱۷

(ترجمہ): ”اور یہی مقام محمود کی صحیح تفسیر ہے جس میں کوئی شک و شبہ نہیں ان احادیث کی بنا پر جن کی طرف مصنف نے اشارہ کیا ہے، اور اسی کو حافظ ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں صحیح قرار دیا ہے اس کے بعد علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے اور حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے تو سوائے مذکورہ تفسیر کے اور کسی قول کو ذکر ہی نہیں کیا ہے، اور پھر ان احادیث کو لے کر آئے ہیں جن سے اسی کی تائید ہوتی ہے۔ یہ نہیں بلکہ خود امام مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی تفسیر دو طرق سے منقول ہے جن کو حافظ جریر طبری اپنی تفسیر میں لے کر آئے ہیں۔

اور یہ روایت امام مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے کسی معتبر طریق سے منقول نہیں ہے، مصنف نے اس روایت کو لیث بن ابی سلیم، عطاء بن السائب، ابویحیی القنات اور جابر بن یزید کے طریق سے نقل کیا ہے۔ میں (یعنی البانی) کہتا ہوں کہ پہلے دو مختلف راوی ہیں، اور اخیر کے دو ضعیف، بلکہ آخری راوی تو متروک اور متہم ہے۔“

پھر آگے لکھتے ہیں:

”ومن العجب حقاً أن يعتمد هذا الأثر الإمام ابن القيم رحمه الله تعالى فإنه نقل كلام القاضي أبي يعلى فيه وبعض أسماء القائلين به، ثم قال ابن القيم: قلت: وهو قول ابن جرير الطبري، وإمام هولاء كلهم مجاهد إمام التفسير، وهو قول أبي الحسن الدارقطني... قلت: وقد عرفت أن ذلك لم يثبت عن مجاهد، بل صح عنه ما يخالفه كما تقدم. وما عزا للدارقطني لا يصح إسناده كما بيناه في الأحاديث الضعيفة... وجعل ذلك قولاً لابن جرير فيه نظر؛ أن كلامه في التفسير يدور على إمكان وقوع ذلك كما سبق لا أنه وقع وتحقق. (۱)

(ترجمہ): ”تعب بالائے تعب تو حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ پر ہے کہ موصوف نے اس جیسی روایت پر اعتماد کیا ہے، چنانچہ موصوف اسی کے حق میں قاضی (ابویعلیٰ) اور بعض ان حضرات کے نام جو اس کے قائل ہیں ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: اور یہی قول ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ اور ان سب کے امام امام التفسیر امام مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اور ابوالحسن دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے۔

آگے البانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ تو آپ جان ہی چکے ہیں کہ امام مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے یہ روایت ثابت نہیں، بلکہ ان سے تو اس کے خلاف قول ثابت ہے جیسا کہ ماقبل میں گزر چکا۔ اور امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف نسبت کی ہے اس کی سند بھی صحیح نہیں جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں، اور علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کا یہ کہنا کہ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کی رائے بھی یہی ہے یہ محل نظر ہے؛ اس لئے کہ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ تو ایک امکانی صورت کا ذکر کرتے ہیں نہ کہ ثابت شدہ حقائق کا۔

موصوف ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

”فاعلم أن إقعاده ﷺ على العرش ليس فيه إلا هذا الحديث الباطل، وأما قعوده تعالى على العرش فليس فيه حديث صحيح.“ (۱)

(ترجمہ): ”تو جان لے کہ اللہ جل شانہ کا آپ ﷺ کو عرش پر جلوہ افروز کرنے کے بارے میں سوائے اس باطل روایت کے اور کوئی روایت نہیں، بہر حال اللہ جل شانہ کا عرش پر جلوہ افروز ہونا تو اس بارے میں بھی کوئی صحیح روایت نہیں ہے۔“

یہ تمام تفصیل اس بات سے صرف نظر کرتے ہوئے ہے کہ ان جیسی روایات اور اخبار آحاد پر عقیدہ کو ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے حالانکہ جمہور علماء امت کے نزدیک عقیدے کا

ثبوت صرف اور صرف قطعی دلائل سے ہو سکتا ہے اور اخبار آحاد قطعیت کا فائدہ دینے سے قاصر ہیں چہ جائیکہ ایسی متکلم فیہ روایت قطعیت کا فائدہ دے۔

کسی بھی خبر واحد کا اعلیٰ درجہ اسے ظہیت کے اعلیٰ مقام تک تو پہنچا سکتا ہے لیکن بہر حال قطعیت اس سے حاصل نہیں ہو سکتا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ یہ ساری بحث جواب تسلیمی کے طور پر اسنادی حیثیت سے کی گئی ہے حالانکہ عقائد کے مستدلات اسنادی مباحث سے مستغنی ہوتے ہیں۔

اسی طرح سنن ابی داؤد کی ایک حدیث ہے :

”حدثنا محمد بن الصباح البزاز، حدثنا الوليد بن أبي ثور عن سماك، عن عبد الله بن عميرة؛ عن الأحنف بن قيس، عن العباس بن عبد المطلب قال: كنت في البطحاء في عصابة فينار رسول الله ﷺ فمرت بهم سحابة، فنظر إليها، فقال: ما تسمعون هذه؟ قالوا: السحاب قال: والمزن قالوا: والمزن، قال: والعنان قالوا: والعنان. قال أبو داؤد: لم أتقن العنان جيداً. قال: هل تذكرون بعد ما بين السماء والأرض؟ قالوا: لا ندري، قال: إن بعد ما بينهما إما واحدة أو ثنتان أو ثلاث و سبعون سنة، ثم السماء فوقها كذلك حتى عد سبع سموات ثم فوق السابعة بحرٌ أما بين أسفله وأعلاه مثل ما بين سماء إلى سماء، ثم فوق ذلك ثمانية أوعال بين أظلافهم وركبهم مثل ما بين سماء إلى سماء، ثم على ظهورهم العرش بين أسفله وأعلاه مثل ما بين سماء إلى سماء، ثم الله تبارك وتعالى فوق ذلك.“ (۱)

یہی حدیث ”سنن ابن ماجہ“ (۱) اور ”جامع الترمذی“ (۲) میں بھی اسی طریق سے مروی ہے، جبکہ ”مسند احمد“ (۳) میں ”عبد الرزاق عن یحییٰ بن العلاء عن شعیب بن خالد عن سماک بن حرب عن عبد اللہ بن عمیرہ عن العباسؓ کے طریق سے مروی ہے

دوسرا فرق یہ ہے کہ ”سنن ابی داؤد“، ”جامع الترمذی“ اور ”سنن ابن ماجہ“ میں ”عبداللہ بن عمیرہ“ اور حضرت عباسؓ کے درمیان ”احنف بن قیس“ کا واسطہ موجود ہے؛ جبکہ ”مسند احمد“ میں یہ واسطہ موجود نہیں ہے۔

سنن ابی داؤد کی حدیث سبعة أعال کی فنی حیثیت:

اس حدیث کو کبار محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے:

چنانچہ اس حدیث میں ایک راوی ہے ”عبداللہ بن عمیرہ“ ان سے صرف ”سماک“ روایت کرتے ہیں، جس کی تصریح امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے۔ (۴)

امام یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے سماک جیسے راویوں کی کسی راوی سے روایت کرنے سے ان کی جہالت ختم نہیں ہوتی۔ (۵)

”عبداللہ بن عمیرہ“ کے بارے میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”لأنعلم له سماعاً من الأحنف“ (۶)

۱۔ سنن ابن ماجہ: ۱۲۰/۱

۲۔ جامع الترمذی: ۳۳۸/۵

۳۔ مسند امام احمد بن حنبل: ۵۵۰/۱

۴۔ المسند والوحدان: ص ۱۴۴

۵۔ شرح علل الترمذی: ۸۱/۱-۸۲

۶۔ تاریخ کبیر: ۶۳/۵

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”لا یعرف“ فیہ جہالۃ“ امام حربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”لا أعرفہ“ (۱)

دوسرا راوی ہے ”ولید بن عبد اللہ بن ابی ثور“:

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور صالح جزرہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو ضعیف قرار دیا۔ (۲)

محمد بن عبد اللہ بن نمیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”لیس بشیئ کذاب“ (۳)

یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”لم یکن بشیئ“ حوالہ بالا

یعقوب بن سفیان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”ضعیف“ (۴)

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”ضعیف“ (۵)

امام ابو زرہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”منکر الحدیث یہم کثیراً“ (۶)

امام ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”یکتب حدیثہ ولا یحتج“ (۷)

اس طرح مسند احمد والی روایت میں ایک راوی ہے ”یحییٰ بن العلاء“ جن کے بارے میں امام بن یعین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”متروک“ (۸)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”متروک الحدیث“ (۹)

۱۔ المغنی: ۱/۵۵۷، میزان الاعتدال: ۳/۱۵۷

۲۔ تہذیب التہذیب: ۳/۵۹۴

۳۔ میزان الاعتدال: ۷/۱۳۳

۴۔ تہذیب الکمال فی أَسْمَاء الرجال: ۱۹/۴۲۴

۵۔ المجموع فی الفقہاء والمترکین: ۲۳۲

۶۔ میزان الاعتدال: ۷/۱۳۳

۷۔ (المخرج والتعلیل: ۵/۴۹۹)

۸۔ لسان المیزان: ۷/۵۵۰

۹۔ الکامل فی الفقہاء: ۹/۲۳۷

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”متروک الحدیث“ (۱)
 امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”کذاب یضع الحدیث“، حوالہ بالا
 امام عمرو بن علی رحمۃ اللہ علیہ اور امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”متروک
 الحدیث“ حوالہ بالا

ابراہیم بن یعقوب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”شیخ واہی“ حوالہ بالا
 ابو عبیدہ آجری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”ضعیف“ حوالہ بالا
 ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”ینفرد عن الثقات بالمقلوبات، لا يجوز
 الاحتجاج به“، حوالہ بالا

ابن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”ضعیف“ (۲)
 امام ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”تکلم فیہ وکیع“ (۳)
 امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”ترکوه“ (۴)
 حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”رمی بالوضع“ (۵)
 ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”إن الخبر باطل لا نفراد یحیی بن العلاء
 فی مسند أحمد.“ (۶)

”یہ حدیث صحیحی بن علاء کے تفرد کی وجہ سے باطل ہے۔“

ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں: ”أمر تلقت من

۱۔ المجموع فی الضعفاء والمترکین: ۲۴

۲۔ تہذیب الکمال: ۱۸۶/۲۰-۱۸۷

۳۔ الجرح والتعديل: ۲۲۱/۹

۴۔ میزان الاعتدال: ۲۰۲/۷

۵۔ الکاشف: ۲۶۵/۳

۶۔ مقالات کوثری: ص ۲۳۵

اہل الكتاب ليس لها أصل في الصحة. (۱)

”یہ ایسے امور ہیں جن کو اہل کتاب سے لئے گئے ہیں جن کا صحت سے کوئی تعلق ہی نہیں۔“

شیخ ناصر الدین البانی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی حیثیت کو بتاتے ہوئے رقمطراز ہیں:

”مسند احمد“ کی روایت میں ایک راوی ہے ”شعیب بن خالد“ جنہوں نے دوسرے روایات سے

سند اور متن دونوں میں مخالفت کی ہے: سند میں مخالفت: عبد اللہ بن عمیرہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ

کے درمیان ”احنف بن قیس“ کو گرا دیا ہے، جبکہ ”سنن ابی داؤد“ وغیرہ میں یہ واسطہ موجود ہے۔

متن میں مخالفت: ”مسند احمد“ میں ”بینہما مسیرۃ خمس مائة سنة، و من كل سماء

إلى سماء مسیرۃ خمس مائة سنة“ کے الفاظ ہیں، جبکہ ”ابوداؤد وغیرہ“ میں ”ان الفاظ کے

ماٹھ ہے: ”إن بُعد ما بينهما إما واحدة أو ثنتان أو ثلاث و سبعون سنة“ (۲)

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کا اس حدیث کے بارے میں ”هذا حديث صحيح على

شرط مسلم“ کہنا وہم ہے، (۳) اس لئے کہ اس حدیث کی سند میں ”یحییٰ بن علاء“ جیسے ”

کذاب“ اور ”متروک“ اور ”عبد اللہ بن عمیرہ“ جیسے ”مجہول“ راوی کے ہوتے ہوئے کیسے

حدیث کو ”صحیح علی شرط مسلم“ قرار دیا جاسکتا ہے؟۔ رہی یہ بات کہ صاحب ”تحفۃ الاحوذی

“(۴) کا یہ کہنا کہ ”امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ“ نے اس حدیث کو تین طرق سے نقل کیا ہے،

۱۔ مقالات کوثری، ص ۲۳۵

۲۔ سنن ابی داؤد: ۲۳۶/۵-۲۳۷

۳۔ مستدرک حاکم: ۵۴۳/۲-۵۴۴

۴۔ محمد عبدالرحمان بن عبدالرحیم مبارک پوری سلفی ۱۲۸۳ھ میں پیدا ہوئے۔ اپنے زمانہ کے ارباب

کمال سے علوم کی تحصیل کی۔ موصوف علماء اہل حدیث کے محدث، علل حدیث کے ماہر، بڑے

عابد اور تہجد گزار تھے۔ موصوف کی علمی حدیثی خدمات نہایت قابل قدر ہیں، مگر مسائل خلافیہ میں

جو بیجا تعصب، تنگ نظری و نا انصافی سے کام لیا ہے وہ ان کی شایان شان نہ تھا۔ وفات ۱۳۵۳ھ

میں ہوئی ہے۔ چند مشہور تصانیف: تحفۃ الاحوذی، تحقیق الکلام فی وجوب القراءة خلف الامام

ترجمہ کے لئے دیکھئے: نزہۃ الخواطر و ہجۃ المسامح والنواظر: ۲۵۹/۸-۲۶۰

جن میں سے دو قوی ہیں (۱)

صرف وہم ہی ہے؛ اس لئے کہ امام مسلم اور علامہ ذہبی پہلے یہ تصریح کر چکے ہیں کہ ”سماک“
”عبداللہ بن عمیرہ“ سے اس حدیث کے نقل کرنے میں متفرد ہیں اور ”عبداللہ بن عمیرہ“ ”مجہول“
اور ”یحییٰ بن علاء کذاب“ اور ”متروک الحدیث“ ہے۔

”سنن ابی داؤد“ کے طریق میں ایک راوی ہے ”ولید بن ثور“ حافظ منذری رحمۃ اللہ علیہ
ان کے بارے میں فرماتے ہیں: ”لا یحتج بحديثه“ (۲)

حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے حافظ منذری رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کی تردید کرتے
ہوئے کہا ہے کہ ”ولید بن ثور“ کے اور متابع بھی موجود ہیں، جیسے ”ابراہیم بن طہمان“ عمرو بن ابی
قیس“ وغیرہ اس کے باوجود حافظ منذری کا یہ قول ”لا یحتج بحديثه“ کہنا درست نہیں، اور اس
کے بعد حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو صحیح ثابت کرنے کے لئے بہت زور صرف
کرنے کے ساتھ ساتھ مخالفین کی مذمت بھی کی ہیں۔ (۳)

یہ بات درست ہے کہ ”ولید بن ثور“ کے متابع مل جانے کی وجہ سے جو کمی تھی وہ دور ہو
گئی، لیکن حدیث کی صحت کا حکم اس وقت تک نہیں لگایا جاسکتا، جب تک ان سے اوپر جتنے بھی
رواۃ ہیں ان تمام میں رواۃ صحیح اور حسن کی شرائط نہ پائی جائیں، اور یہ صورت یہاں ممکن نہیں، اور
کیوں کر ہو سکتی ہے؟ جبکہ اس حدیث کے سند میں ”سماک“ کے متفرد ہونے کے ساتھ ساتھ
عبداللہ بن عمیرہ“ جیسے ”مجہول“ اور ”یحییٰ بن علاء“ جیسے ”کذاب“ اور ”منکر الحدیث“

۱۔ سلسلۃ الأحادیث الضعیفۃ والموضوعة وأثرها السی فی الأمتہ: ۳/۳۹۹، ۲۴، تحفۃ الأحوزی شرح
جامع الترمذی: ۲۳۶/۹

۲۔ سلسلۃ الأحادیث الضعیفۃ والموضوعة وأثرها السی فی الأمتہ: ۳/۳۹۹، ۴۰۰، مختصر و شرح
وتہذیب سنن ابی داؤد: ۸/۹۳

۳۔ سلسلۃ الأحادیث الضعیفۃ والموضوعة وأثرها السی فی الأمتہ: ۳/۳۹۹، ۴۰۰، مختصر و شرح
وتہذیب سنن ابی داؤد: ۸/۹۱-۹۲

(۱)

راوی موجود ہوں۔

اس طرح کی دوسری روایت ”مسند احمد“ میں ”سریج عن حکم بن عبد الملك، عن قتادة، عن أبي هريرةؓ“، (۲) کہ ”جامع الترمذی“ میں ”عبد بن حمید، عن یونس بن محمد، عن شیبان بن عبد الرحمان، عن قتادة، عن أبي هريرةؓ“، (۳) کے طریق سے مروی ہے۔

”سنن ابی داؤد“ والی روایت کا (جو کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے طریق سے مروی ہے) مذکورہ روایت (جو کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے طریق سے مروی ہے) کے ساتھ دو جگہ اختلاف ہے:

(۱) زمین اور آسمان کے درمیان مسافت کے بارے میں: ”سنن ابی داؤد“ میں ”إن بُعد ما بينهما إما واحدة أو ثنتان أو ثلاث و سبعون سنة“ جبکہ ”مذکورہ روایت میں“ بینکم وبينها مسيرة خمس مئة سنة“ کے الفاظ ہیں۔

(۲) ”سنن ابی داؤد“ والی روایت میں اللہ تعالیٰ کی ذات کو فوقیت عرش کے ساتھ خاص کیا گیا ہے، جبکہ ”مسند احمد“ اور ”جامع الترمذی“ کی مذکورہ روایت میں اس کا ذکر نہیں ہے؛ یہی وجہ ہے کہ حافظ ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ (۴) اور حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو مرسلًا ”عن بشر، عن يزيد، عن سعيد بن أبي عروبة، عن قتادة“ کے طریق سے نقل کیا ہے۔

حافظ رحمۃ اللہ علیہ اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ”ولعل هذا هو المحفوظ.“ (۵) وجہ اس کی یہ ہے کہ ”سعيد بن عروبة من أثبت الناس في قتادة“ ہے

۱۔ اسلسلۃ الأحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ وأثرها السی فی الأمۃ: ۳۹۹/۳-۴۰۰

۲۔ مسند امام احمد بن حنبل: ۳/۳۷۱ جب

۳۔ جامع الترمذی: ۵/۳۲۶-۳۲۷

۴۔ تفسیر طبری: ۱۱/۶۷۰

۵۔ تفسیر ابن کثیر: ۳/۳۰۳

چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی وجہ سے موصول روایت کے مقابلہ میں مرسل روایت کو ترجیح دی ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ اس پوری بحث سے لامحالہ یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ”سنن ابی داؤد“ کی ”سبعة أوعال“ والی روایت ضعیف اور منکر ہے، اگرچہ کتب تفسیر، کتب حدیث، کتب سیرت اور کتب تاریخ میں اس کی تخریج کے ساتھ ساتھ توثیق بھی کیوں نہ کی گئی ہو؟ اس لئے کہ یہ مسلمہ اصول ہے کہ حدیث کی صحت کا دار و مدار سند کے رجال پر ہوتا ہے، (رجال پر کلام ماقبل میں ہو چکا) نہ کہ کسی کتاب وغیرہ پر۔

مذکورہ حضرات کے بعد شیخ ناصر الدین البانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی موقف کو اپنایا ہے چنانچہ موصوف اپنے اس نظریہ کی تائید میں ”الحديث حجة بنفسه“ نامی ایک رسالہ بھی لکھ چکے ہیں، جس میں اس بات پر زور دیا ہے کہ حدیث بنفس نفیس حجت ہے، اور یہ بھی یاد رہے کہ! حدیث و سنت کی جو بھی تعریف حضرات محدثین اور اصولیین نے کی ہے قدیم ہو، یا جدید، اس میں کوئی ایس قید نہیں، جس سے ضعیف حدیث کو نکال باہر کیا جائے، بلکہ موصوف کے مذکورہ رسالے سے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ ضعیف حدیث احکام میں بھی مطلقاً قابل حجت ہے چہ جائیکہ فضائل میں۔

اس کے باوجود موصوف نے ضعیف حدیث کو ساقط الاعتبار قرار دیکر موضوع کے ساتھ ساتھ رکھا ہے، حالانکہ جمہور فقہاء و محدثین قدیماً و جدیداً ضعیف حدیث سے فضائل میں برابر استدلال کرتے رہے ہیں، اور دوسری طرف یہ حال ہے کہ خبر واحد سے (جو کہ جمہور کے ہاں ظن کا فائدہ دیتی ہے، اور عقیدے کے ثبوت کے لئے یقین کا ہونا ضروری ہے) بھی عقیدے کو ثابت کرتے ہیں، جس پر ایمان و اسلام کا دار و مدار ہے۔

جمہور فقہاء، محدثین، اصولیین اور متکلمین کا یہ مختار مذہب رہا ہے، کہ خبر واحد سے ایسے عقیدے کا ثبوت نہیں ہوگا جس کا تعلق قطعیات سے ہے، جہاں تک احکام کا تعلق ہے، تو اس میں خبر واحد بلا کسی اختلاف کے قابل استدلال ہے۔

شیخ ناصر الدین البانی رحمۃ اللہ علیہ اس تفریق کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”إن هذا القول مخالف لجميع أدلة الكتاب والسنة التي نحتج نحن وإياهم جميعاً بها على وجوب الأخذ بحديث الآحاد في الأحكام الشرعية؛ وذلك لعمومها وشمولها لما جاء رسول الله ﷺ عن ربه سواء كان عقيدة أو أحكاماً،... فتخصيص هذه الأدلة بالأحكام دون العقائد تخصيص بدون مخصص، وذلك باطل، وما لزم منه باطل فهو باطل.“ (۱)

(ترجمہ): ”یہ قول قرآن و سنت کے ان تمام تر دلائل کے مخالف ہے جن سے ہم اور ہمارے وہ مخالفین جو ان ہی اخبار آحاد سے احکام شرع میں استدلال کرتے ہیں، اور یہ اس وجہ سے کہ یہ اخبار آحاد ما جاء به رسول اللہ ﷺ سب کو شامل ہیں، چاہئے ان کا تعلق احکام سے ہو یا عقائد سے، لہذا ان ادلہ کو احکام کے ساتھ خاص کر دینا نہ کہ عقائد کے ساتھ، بغیر کسی تخصیص کے تخصیص کرنا ہے، اور یہ باطل ہے، اور جس چیز کا دار و مدار کسی باطل چیز پر ہو وہ خود باطل ہوتی ہے۔“

یہاں پر یہ بات قابل غور ہے کہ موصوف جمہور سے صرف اس وجہ سے ناخوش ہے کہ انہوں نے احکام اور عقائد کے درمیان یہ تفریق کیوں کی ہے؟ جبکہ دونوں برابر ہیں، تو ہم بتاتے چلیں، کہ آخر اس تفریق کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

شریعت میں کچھ اصول ایسے ہیں جو کبھی بھی منسوخ نہیں ہوتے، جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کی معرفت اور دیگر ایمانیات مثلاً انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر، فرشتوں پر، کتب سماویہ پر، قیامت کے دن پر اور تقدیر پر ایمان رکھنا۔ یہ تمام باتیں ادیان سماویہ میں مشترک رہی ہیں۔ کچھ وہ ہیں جو حسب مصلحت زمانہ تبدیل ہوتی رہی ہیں اور مختلف رسولوں کے ادوار میں ان میں سے بعض منسوخ ہوتی رہی ہیں۔ ان کا تعلق عملی احکام سے ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جو احکام دیئے گئے ان میں سے بعض حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دور میں تبدیل کر دیئے گئے، جیسے قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”وَلَا حِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِي حُرِّمَ عَلَيْكُمْ“ (آل عمران: ۵۰)

(ترجمہ): ”اور اس لئے آیا ہوں کہ تم لوگوں کے واسطے بعضی ایسی چیزیں حلال کر دوں جو تم پر حرام کر دی گئی تھیں۔“ چونکہ ہر نبوی دور کی شریعت دوسری سے مختلف رہی ہے اس لئے رب عز وجل نے فرمایا: ”لِكُلِّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا“ (المائدہ: ۴۸)

(ترجمہ): ”تم میں سے ہر ایک کے لئے ہم نے خاص شریعت اور خاص طریقت تجویز کی تھی۔“ (بیان القرآن)

اگر اس کے باوجود ان دونوں کے درمیان تفریق کے قائل نہیں ہے، تو یقیناً یہ سوال ہوگا کہ پھر ہمیں بتائیں کہ عقائد میں بھی کبھی نسخ ہوا ہے، تو یقیناً کوئی نہیں بتا سکیں گا، اس کے باوجود خبر واحد کو عقائد میں حجت ماننا اور جمہور کے موقف سے ہٹ کر ایک نیا موقف اپنانا؛ صرف اسی وجہ سے ہے، کہ اس کے ساتھ ان کے اغراض و مقاصد وابستہ ہیں، اس کو قابل حجت مانے بغیر ان کا حصول ممکن نہیں۔

اگر جمہور تسلیم کر لیں کہ عقیدے کے ثبوت کے لئے خبر واحد کافی ہے تو پھر طرفین کے قطعی دلائل جو آپس میں متعارض ہیں، (جیسے لفظ ”استوی“ اسی طرح آخرات میں باری تعالیٰ کا ”نزول الی سماء الدنیاء“) ان میں ایک فریق کے دلائل کو دوسرے فریق کے قطعی دلائل پر ترجیح کس بنیاد پر ہوگا۔ بالفاظ دیگر متروک دلائل کی قطعیت کے بارے میں یہ کہا جائے گا کہ بعض قطعی دلائل شبہ کی وجہ سے ترک بھی کئے جاسکتی ہیں، حالانکہ قطعیت تو صرف ان ہی دلائل میں ہوتی ہے جن میں خلاف کا امکان بھی نہ ہو۔

اس کے علاوہ ایک سنگین نتیجہ یہ بھی سامنے آئے گا کہ فریقین اپنے دلائل قطعیہ کے مقابلہ میں، فریق مخالف کے عقائد سے اغراض اور انکار کی صورت میں ان کو دائرہ اسلام سے خارج

قرار دینگے۔ اب کسی کا بھی کفر کے فتویٰ سے بچنا ممکن نہیں رہے گا۔

رہی یہ بات کہ شیخ البانی صاحب کا یہ اشکال کرنا کہ خیر القرون اور اس کے مابعد اخبار آحاد سے عقائد کا ثبوت مسلم حقیقت ہے کہ بلاد بعیدہ میں صحابہ کی دعوت پر لوگ ایمان لاتے تھے اور اسلامی عقائد کو اختیار کرتے تھے حالانکہ ان عقائد کا باعث صرف خبر واحد ہے؟

در اصل یہ اشکال ایک غلط فہمی کا نتیجہ ہے کیونکہ اسلامی عقائد کا ثبوت اپنی جگہ اخبار آحاد کے بغیر قطعی دلائل سے ثابت ہے، اگرچہ کسی کا کفر یا جہالت اس سے عاجز ہو۔ یہ کفر و جہالت، قطعیت پر بالکل اثر انداز نہیں ہے، تو ثابت یہ ہوا کہ کسی کے ایمان لانے اور اسلامی عقائد کو قبول کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کا ثبوت خبر واحد سے ہوا ہے بلکہ ان عقائد کا ثبوت قطعی دلائل سے پہلے ہی سے ثابت تھا جس سے اس کافر کا کفر یا اس جاہل کی جہالت مانع بن رہی تھی، جب یہ مانع ختم ہو گیا، تو بھی قطعیت اپنی جگہ میں ثابت ہے اس کے ثبوت میں خبر واحد کا کوئی دخل نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ اگر کافر اسلامی عقائد سے انکار بھی کریں، تو بھی ان کی قطعیت باقی رہتی ہے۔ اگر آپ کی بات تسلیم کر لی جائے کہ ان عقائد کا ثبوت خبر واحد کے نتیجہ میں ہوا ہے، تو کفار کے ایک جم غفیر کا اسلام سے انکار کے بعد قطعیت کیسے باقی رہ سکتی ہے؟!۔

قارئین کرام! آپ اس مفصل و مدلل باحوالہ بحث سے بخوبی یہ معلوم کر چکے ہیں کہ جمہور فقہاء، محدثین، اصولیین اور متکلمین کے نزدیک خبر واحد سے عقیدے کا ثبوت نہیں ہوتا، بلکہ عقیدے کے ثبوت کے لئے قطعی الثبوت و قطعی الدلالۃ نص چاہئے یا خبر متواتر یا ایسی خبر واحد جسے نقلی بالقبول حاصل ہو۔

آخر میں اس بات کی وضاحت کرنی بھی ضروری ہے کہ چونکہ عقیدے سے متعلق یہ مسئلہ مولانا حنبلی علماء کی طرف سے پیش کیا گیا ہے؛ اس لئے بسا اوقات امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی طرف بھی اس کی نسبت کی جاتی ہے، جو کہ بالکل غلط ہے۔

صفات باری تعالیٰ کے بارے میں معتزلہ اور مقاتل بن سلیمان کا موقف عقیدے کے مسئلہ میں بعض حضرات افراط و تفریط کا شکار رہے ہیں: چنانچہ ایک طرف تو ”معتزلہ“ نے صفات باری تعالیٰ سے صاف انکار کیا تو دوسری طرف ”مقاتل بن سلیمان“ کے پیروکاروں نے اللہ تعالیٰ کے لئے مخلوق جیسی صفات ثابت کیں۔

بے اعتدالی کے یہ دونوں پہلو مذموم اور مضرتناج کا پیش خیمہ ہے۔ اب ضرورت اس بات کی تھی کہ ان کے مقابلہ میں جمہور کے ”مسلم منصور“ کو واضح کیا جائے، تاکہ ان دونوں گروہوں کے نظریہ کی تردید ہو، تو حافظ ابن رجب حنبلی رحمۃ اللہ علیہ^(۱) (جو کہ مشہور حنبلی اور ”صاحب البیت ادری بما فیہ“ کے مصداق ہیں) نے پرزور طریقے سے اس نظریہ کی تردید کرنے کے ساتھ ساتھ جمہور کے مسلک کو بھی واضح کیا ہے۔

جمہور کا موقف:

چنانچہ موصوف لکھتے ہیں:

”والصواب ما علیہ السلف الصالح من إمرار آیات الصفات وأحادیثہا کما جاءت من غیر تفسیر لها ولا تکلیف ولا تمثیل، ولا یصح عن أحد منهم خلاف ذلك ألبتة، خصوصاً الإمام أحمد، ولا خوضاً فی معانیہا ولا ضرب مثل من الأمثال لها. وإن کان بعض من کان

۱۔ ابو الفرج زین الدین عبد الرحمان بن احمد بن رجب عبد الرحمان دمشقی حنبلی۔ ربیع الاول ۷۳۶ھ میں بغداد میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم کے بعد ۷۴۴ھ میں حدیث وفقہ کی تکمیل کے لئے والد کے ساتھ دمشق آئے، یہاں شیوخ عصر سے حدیث کا سماع کیا، موصوف نے حدیث میں پختہ استعداد بہم پہنچائی اور اپنے زمانے میں علل حدیث کے سب سے زیادہ ماہر ہوئے، بڑے عابد اور تہجد گزار تھے۔ وفات ۷۹۵ھ میں ہوئی۔ چند مشہور تصانیف: فتح الباری، شرح علل الترمذی، ریاض الانس۔ ترجمہ کے لئے دیکھئے: الدرر الکامیۃ فی أعیان المائۃ الثامۃ:

قريباً من زمن أحمد فيهم من فعل شيئاً من ذلك اتباعاً لطريقة مقاتل، فلا يقتدى به في ذلك، إنما الاقتداء بأئمة الإسلام كابن المبارك، ومالك، والثوري، والأوزاعي، والشافعي، وأحمد، وإسحاق، وأبي عبيد، ونحوهم. (۱)

(ترجمہ): ”اور درست بات وہی ہے جس پر سلف صالحین رہے ہیں، کہ جنہوں نے صفات باری تعالیٰ کے بارے میں قرآن کی جو بھی آیات و احادیث وارد تھیں، ان کو جوں کہ توں بیان کر دیا، نہ ان کی تفسیر بیان کی اور نہ ہی ان کی کیفیت بتائی اور نہ ہی ان کی کوئی مثال بطور تمثیل بیان کی۔ اور ان میں سے کسی ایک سے بھی اس کے خلاف ثابت نہیں خصوصاً امام احمد سے، اور نہ ان آیات و احادیث کی معانی کی گہرائی تک گئے اور نہ کوئی مثال بیان کی۔ اور اگرچہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ ہی میں کچھ لوگ مقاتل بن سلیمان کی پیروی میں ان کے عقیدے کی طرف گئے ہیں، لہذا اس مسئلے میں ان جیسے لوگوں کی اقتداء نہیں کی جائے گی، بلکہ امام ابن مبارک، امام مالک، امام شافعی، امام ثوری، امام اوزاعی، امام احمد، امام اسحاق بن راہویہ اور ابو عبید رحمہم اللہ علیہم جیسے حضرات کی اقتداء کی جائے گی۔“

چنانچہ مذکورہ عبارت میں حافظ ابن رجب حنبلی رحمۃ اللہ علیہ نے امام احمد رحمہ اللہ کے بارے میں صراحت فرمائی اور صرف امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ لفظ ”خصوصاً“ کی قید اس لئے بڑھائی، تاکہ کوئی یہ خیال نہ کر بیٹھے کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اس مسئلے میں جمہور سے الگ ہیں۔ عقیدہ پر تفصیلی گفتگو کے بعد قبل اس سے کہ ضعیف حدیث کی احکام اور فضائل میں عملی حیثیت کو بتایا جائے، اس سے پہلے ضعیف کی مراتب اور جرح کے درجات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

ضعف کے درجات:

یہ ایک اہل حقیقت ہے کہ بنی نوع انسان کمالات و صفات میں جس قدر بھی ترقی کر جائے

(۱) بیان فضل علم السلف علی علم الخلف: ص ۵۵، ۵۶

اور اس کے ساتھ ساتھ جتنی بھی احتیاط کر لے، پھر بھی اس سے غلطیوں کا صدور ممکن ہے۔ چنانچہ حضرات محدثین نے احادیث نبوی کے بارے میں اس نقطہ نظر کو سامنے رکھ کر وہ حد بندی قائم کی ہے کہ تاریخ عالم اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔

چنانچہ حدیث کی سند میں جو راوی ہوتے ہیں ان سے روایت نقل کرنے میں جو کمیاں کوتاہیاں ہوئی ہیں، ماہرین فن نے ان کے لئے مختلف الفاظ استعمال کیے ہیں۔ چنانچہ ان ہی الفاظ کو مدار بنا کر روایت کو کبھی ضعیف اور کبھی ضعیف جدا اور کبھی موضوع تک کہا جاتا ہے۔ ذیل میں اس بارے میں تفصیل نقل کی جاتی ہے۔

شیخ محمد عوامہ نے ”حدیث ضعیف“ کے چار مراتب بیان کیے ہیں: (۱) وہ ضعیف حدیث جس کا ضعف متابعت اور شواہد کے ذریعے دور ہو جائے، مثلاً: سند کے راویوں میں سے کسی راوی کے لئے ”لین الحدیث“ ”فیہ لین“ کے الفاظ استعمال کئے جائے، تو یہ حدیث من وجہ حسن کے قریب تر ہوگی اور من وجہ ضعیف۔ (۲) وہ ضعیف حدیث جس میں ضعف متوسط درجہ کا ہو، اس طرح کے راوی کے لئے ”ضعیف الحدیث“ ”مردود الحدیث“ اور ”منکر الحدیث“ جیسے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ (۳) وہ ضعیف حدیث جس میں ضعف شدید ہو، اس طرح کے راوی کے لئے ”متهم“، او ”متروك“ استعمال ہوتے ہیں۔ (۴) موضوع روایت۔

ان کی عبارت ملاحظہ ہو:

”ينبغي أن يجعل الحديث الضعيف في هذا الباب أربعة

أقسام: ١- الضعيف المنجبر الضعيف بمتابعة أو شاهد،

وهو ما يقال أحذروا له لين الحديث، أو فيه لين، --- ٢

الضعيف المتوسط الضعيف، وهو ما يقال في راويه: ضعيف

الحديث، أو مردود الحديث، أو متروك، --- ٣- الضعيف

الشدید الضعيف، وهو ما فيه متهم، أو متروك --- ٤-

الموضوع۔“ (۱)

نیز شیخ محمود سعید مدوح لکھتے ہیں:

”وهذا الكلام يصدق على الضعيف غير الموضوع بدرجاته الثلاث، وهو المشبه أو اللين، والمتوسط، والشديد۔“ (۲)

(ترجمہ): مذکورہ کلام حدیث ضعیف غیر موضوع کے تینوں درجوں پر صادق آتا ہے (۱)۔ ضعیف مشبہ یا لین، (۲)۔ ضعیف متوسط، (۳)۔ ضعیف شدید۔

چنانچہ جب تک راوی متروک یا فحش غلط اور کثرت غفلت کا شکار نہ ہو، اس کی روایت فضائل میں جمہور کے ہاں معتبر ہے۔

لہذا ضعیف حدیث کے مراتب و درجات کے تفاوت سے حکم میں بھی تفاوت آئے گا۔
جرح کے درجات:

ماہرین فن نے جو الفاظ ضعیف راویوں کے بارے میں استعمال کئے ہیں اگر ان کا بغور جائزہ لیا جائے تو ان کے کل چھ درجے بن جاتے ہیں، جو درجے یہاں بیان ہونگے ان میں ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ یعنی جو درجہ پہلے بیان ہوگا وہ ضعیف کے اعتبار سے سب سے کم ہوگا اسی طرح آخر تک۔

(۱) راوی حدیث کے لئے ایسے الفاظ کا استعمال ہو جو نرمی اور تساہل پر دلالت کرتے ہوں جیسے: ”فلان لیس الحدیث، فیہ مقال، أو أدنی مقال، أو ضعف، أو لیس بذلك، أو لیس بالقوی۔“

(۲) راوی حدیث کے لئے ایسے الفاظ کا استعمال ہو جن میں حجت اور دلیل نہ بنانے یا اس

(۱) تطبیق قواعد فی علوم الحدیث: ص ۱۰۱، ۱۰۰

(۲) التعریف بأدھام من قسم السنن الی صحیح و ضعیف: ۱۳۷/۱

سے ملتے جلتے مفہوم کی تصریح کی گئی ہو جیسے: ”فلان لایحتج بہ، أو ضعفوه، أو مضطرب الحدیث، أو ضعیف، له منا کیر۔“

(۳) راوی حدیث کے لئے ایسے الفاظ کا استعمال ہو جس میں کسی کی حدیث نہ لکھنے کی یا اس سے ملتے جلتے مفہوم کی تصریح کی جائے جیسے: ”فلان لایکتب حدیثہ، أو مردود الحدیث، أو ضعیف جداً، أو مطروح الحدیث، فلان رد حدیثہ۔“

(۴) راوی حدیث کے لئے ایسے الفاظ کا استعمال ہو جس میں جھوٹ کی تہمت یا اشارہ ہو جیسے: ”فلان متہم بالكذب، أو متہم بالوضع، أو متروک، أو یسرق الحدیث، أو ذاہب الحدیث۔“

(۵) راوی حدیث کے لئے ایسے الفاظ کا استعمال ہو جس میں جھوٹ کے ساتھ متصف ہونے کا تذکرہ ہو جیسے: ”کذاب، دجال، وضاع، یکذب، یضع۔“

(۶) راوی حدیث کے لئے ایسے الفاظ کا استعمال ہو جو جھوٹ میں حد سے گزر جانے کی تصریح کریں جیسے: ”فلان اکذب الناس، إلیہ المنتہی فی الکذب، أو رکن الکذب“^(۱) مذکورہ تفصیل کے بعد اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ لفظ ”منکر“ کا استعمال دو متضاد حالتوں میں ہوتا ہے، اس کا اطلاق جس طرح ضعیف جداً والی روایت پر کیا جاتا ہے اسی طرح اس کا اطلاق بعض مرتبہ محض تفرّد اختیار کرنے والے راوی کے لئے بھی کیا جاتا ہے۔ اور ایسے ہی منکر کا اطلاق بعض دفعہ موضوع روایت پر بھی کر دیتے ہیں، لہذا اس سلسلہ میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے، ایسا نہ ہو کہ ایک کی جگہ دوسرا معنی مراد لیا جائے۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ماہرین فن کی اصطلاحات کو خوب سمجھ کر اس کے بعد عملی قدم اٹھانا چاہیے۔ (مزید تفصیل کے لئے دیکھئے الرفع والتکمیل اور ظفر الامانی۔ (۲)

(۱) تدریب الراوی فی شرح تقریب النوادی: ۴۰۸-۴۱۲، معان النظر شرح نخبہ الفکر: ۲۵۶-۲۵۷

قواعد فی علوم الحدیث: ۲۵۱-۲۵۳ الرفع والتکمیل فی الجرح والتعدیل: ۱۶۷، ۱۸۷

۲۔ الرفع والتکمیل، ۱۹۹-۲۱۲، ظفر الامانی، ص ۳۲۶-۳۴۶

مذکورہ تفصیل کے بعد اب یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اوپر ذکر کردہ اقسام میں پہلی اور دوسری قسم کی راویوں کی روایت فضائل میں قابل عمل ہے البتہ احکام میں مستقل طور پر توجہ نہیں بن سکتی، لیکن اعتبار، متابع اور شواہد کے طور پر ان کو لیا جاسکتا ہے، جبکہ دیگر اقسام میں سے تیسری قسم کی راویوں کی روایت بھی فضائل میں معتبر ہوگی۔ اس لئے کہ ضعیف کی قسموں میں یہ بات گزر چکی ہے کہ اس طرح کے الفاظ سے موصوف راویوں کی روایت کو بعض نے ”ضعف متوسط“ کے درجہ میں رکھا ہے۔ چوتھی قسم کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے کہ اگر ایسے راوی کی روایت کے لئے تعدد طرق مل جائے تو یہ روایت فضائل میں قابل عمل کر بن سکتی ہے۔

موصوف کی عبارت ملاحظہ ہو:

”والذي ضعفه ناشئ عن تهمة أو جهالة إذا كثرت طرقه، ارتقى عن مرتبة المردود المنكر الذي لا يجوز العمل به بحال، إلى مرتبة الضعف الذي يجوز العمل به في فضائل الأعمال“ (۱) (ترجمہ): ”وہ ضعیف جو راوی کی تہمت کذب، یا جہالت کی وجہ سے پیدا ہو، جب ایسی روایت کے لئے مزید طرق مل جائیں، تو یہ روایت اس مرتبہ سے جس پر عمل کرنا کسی حال میں بھی جائز نہ تھا، ترقی کر کے اس مرتبہ میں آ جاتی ہے، جس پر فضائل میں عمل کرنا جائز ہے۔“

خلاصہ کلام یہ کہ توابع اور شواہد مل جانے کی وجہ سے یہ روایت اس درجے میں آ جاتی ہے جو فضائل، ترغیب و ترہیب میں معتبر ہے۔ رہا مسئلہ پانچویں اور چھٹی قسم کا، تو یہ دونوں قسمیں کسی حال میں بھی قابل عمل نہیں بن سکتی ہیں۔

فصل دوم:

فضائل اور احکام میں ضعیف حدیث کا مقام۔
 جمہور فقہاء و محدثین، متقدمین ہوں یا متاخرین، ”ضعیف حدیث“ سے فضائل، ترغیب

وترہیب میں برابر استدلال کرتے چلے آئے ہیں، جہاں تک احکام شرعیہ میں ضعیف حدیث سے استدلال کا تعلق ہے، تو جمہور فقہاء و محدثین کے طرز عمل سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ضعیف حدیث سے حکم شرعی پر استدلال کیا جاسکتا ہے، بشرطیکہ ضعف شدید نہ ہو، یعنی سند میں کوئی "کذاب" یا متہم یا فاحش الغلط راوی نہ ہو۔ چنانچہ اسی کے پیش نظر ضعیف حدیث کی عملی حیثیت کے متعلق عموماً تین مذاہب نقل کئے جاتے ہیں اگرچہ ان تین مذاہب کا حاصل ایک ہی ہے۔ چونکہ یہ بحث اس تالیف کا براہ راست موضوع ہے، لہذا اس سلسلہ میں مکمل تفصیل نقل کی جائے گی، تاکہ قاری کے سامنے اس کی حقیقت، آنے والی تفصیل سے آشکارہ ہو جائے گی۔

پہلا مذہب: حدیث ضعیف مطلقاً حجت ہے:

پہلا مذہب یہ ہے کہ حدیث ضعیف مطلقاً احکام و فضائل دونوں میں قابل حجت ہے۔ اس مذہب کو عموماً ائمہ اربعہ، امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ اور امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، لہذا اس سلسلہ میں جملہ تفصیل پیش خدمت ہے:

حدیث ضعیف اور ائمہ اربعہ:

امام اعظم رحمہ اللہ (۱)

۱۔ نعمان بن ثابت بن مرزبان، موصوف ائمہ اربعہ میں سے ہیں ۸۰ھ کو پیدا ہوئے، امام موصوف نے تعلیم کا آغاز بچپن ہی سے کیا ہے: اولاً: قرأت عاصم کے مطابق قرآن حفظ کیا۔ ثانیاً: آپ نے نحو، ادب اور شعر پر وقت صرف کیا۔ ثالثاً: آپ نے علم کلام اور علوم عقلیہ میں مہارت پیدا کی۔ رابعاً: آپ نے مذاکرہ حدیث کے حلقوں میں شرکت کی۔ خامساً: آپ نے استنباط و استخراج مسائل اور فقہ و اجتہاد کے لئے حماد کے سامنے زانوئے ادب نہ کئے۔ چالیس سال کی عمر میں امام موصوف اپنے استاد کی جگہ بحیثیت ایک مقنن، مجتہد، فقیہ، محدث اور مفسر کے تشریف فرما تھے ۱۵۰ھ کو آپ وفات پا گئے۔ چند مشہور تصانیف: الفقہ الاکبر، العالم والمعلم، الرسالہ۔ ترجمہ کے لئے دیکھئے: تاریخ الاسلام: ۱۳۶/۳-۱۵۰، شذرات الذہب فی أخبار من ذہب: ۲۷۲/۱-۲۷۲/۲، اور تاریخ مذاہب الاسلامیہ فی السیاسیۃ والعقائد و تاریخ مذاہب الفقہیہ: ۲۳۹، ۲۸۷، c

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ^(۱)، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ^(۲) کا علمی مقام کیا ہے؟ اس کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ قرآن و سنت کی خدمت کا ان حضرات نے جو کارنامہ انجام دیا ہے کوئی دوسرا اس حیثیت سے اس میں شریک نہیں۔ یہاں ایک اہم سوال ہے کہ ائمہ اربعہ کا حدیث ضعیف کے ساتھ کیا رویہ رہا تھا، جس کی بنیاد پر اس بحث کو آگے لے جایا جائے۔ ائمہ اربعہ کے علاوہ امام ابو داؤد^(۳) رحمۃ اللہ علیہ اور امام نسائی کی طرف یہ بات منسوب کی جاتی ہے کہ یہ حضرات مطلقاً ضعیف حدیث کی حجیت کے قائل ہیں، چاہے احکام ہو یا فضائل

۱۔ مالک بن انس بن مالک بن ابی عامر بن عمرو اصبہی ۹۳ھ میں پیدا ہوئے، موصوف ائمہ اربعہ میں سے ہیں، آپ نے نو سو سے زائد شیوخ سے اخذ علم کیا ہے، موصوف میں طلب علم کی خواہش کے جذبات غیر معمولی طور پر ودیعت تھے، ابتدا میں ظاہری سرمایہ کچھ نہ تھا، اس لئے مکان کی چھت توڑ کر اس کی کڑیاں فروخت کر کے کتب وغیرہ خریدتے تھے، موصوف نے ۷۱ سال کی عمر میں درس دینا شروع کر دیا اور آپ نے اپنے دست مبارک سے ایک لاکھ احادیث لکھیں، آپ کا حافظہ نہایت اعلیٰ درجہ کا تھا۔ موصوف باوجود ضعف و کبر سن کے بھی مدینہ طیبہ میں کبھی سوار ہو کر نہیں چلتے تھے کہ جس ارض مقدس کے اندر جسم مبارک رسول اللہ ﷺ ہو اس کے اوپر سوار ہو کر چلنا خلاف ادب ہے، وفات ۱۷۹ھ میں ہوئی۔ چند مشہور تصانیف: موطا، تفسیر غریب القرآن، النجوم۔ ترجمہ کے لئے دیکھئے: تذکرۃ الحفاظ: ۱۵۴/۱-۱۵۷، شذرات الذہب فی اخبار من ذہب: ۳۶۵/۱-۳۶۸، اور الاعلام: ۲۵۷/۵

۲۔ ابو عبد اللہ احمد بن محمد بن حنبل شیبانی مروزی موصوف ائمہ اربعہ میں سے ہیں، ۲۴۱ھ کو بغداد میں پیدا ہوئے، بچپن ہی سے حصول علم میں لگے رہے اور اس سلسلہ میں سفر کی بہت سی صعوبتیں برداشت کیں، ان کے زمانے میں مامون الرشید نے ”خلق قرآن“ کا فتنہ اٹھایا۔ امام موصوف نے اس فتنہ کی خوب سرکوبی کی اور اس سلسلے میں انہیں ناقابل برداشت تکالیف کا سامنا کرنا پڑا مگر آپ صبر و استقامت کے پہاڑ ثابت ہوئے۔ ۲۸ مہینے جیل کی ہوا کھانی پڑی ۲۴۱ھ کو وفات پائی۔ چند مشہور تصانیف: مسند امام احمد بن حنبل، کتاب الزہد، النسخ والمسنوخ، ترجمہ کے لئے دیکھئے: البدایہ والنہایہ: ۱۶۰/۱۱-۱۸۸، اور الاعلام: ۲۰۳/۱

۳۔ ابو داؤد سلیمان بن اصف بن اسحاق ازدی بختانی، آپ ۲۰۲ھ کو بختان میں پیدا ہوئے۔ موصوف نے طلب حدیث کے لئے بصرہ، بغداد، مصر، شام، حجاز، عراق، خراسان اور جزیرہ وغیرہ کا سفر کیا، اور وقت کے تمام مشاہیر شیوخ سے علم حدیث حاصل کیا، موصوف فقیہ، محدث عالم بے بدل تھے، تقویٰ، عبادت، زہد و ورع میں بھی بہت آگے تھے۔ ۱۶ شوال ۲۷۵ھ کو وفات پائی۔ چند مشہور تصانیف: کتاب السنن، ترجمہ کے لئے دیکھئے: سیر اعلام النبلاء ۲۰۳/۱۳، ۲۲۱، اور الاعلام ۱۲۳/۳

ہو یا ترغیب و ترہیب اور بطور تائید علامہ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ^(۱) اور حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ^(۲) کی عبارتیں پیش کی جاتی ہیں۔

چنانچہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں علامہ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ کی یہ عبارت بہت مشہور و معروف ہے ”الخبر الضعیف عن رسول اللہ ﷺ أولى من القیاس، ولا يحل القیاس مع وجودہ“^(۳)

علامہ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ کی اسی طرح کی عبارت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں بھی ہے: ”ضعیف الحدیث أحب إلینا من الرأي“^(۴) اسی طرح امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ اور امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف یہ عبارت منسوب کی جاتی ہے: ”کان مذهب النسائی أن یخرج عن کل من لم یجمع علی ترکہ. وأبو داود کان يأخذ مأخذہ، ویخرج الضعیف إذا لم یجد فی الباب غیرہ، ویرجحہ علی رأي الرجال.“^(۵)

”امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ ہر اس راوی کی روایت کو لیتے ہیں جس کے ترک پر اجماع نہ ہوا

۱۔ ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم قرطبی ظاہری ۳۸۴ھ میں پیدا ہوئے، ارباب کمال سے علوم کی تحصیل کی اور بڑا کمال حاصل کیا، موصوف تمام علوم اسلامیہ کے زبردست عالم تھے، علامہ ذہبی لکھتے ہیں: ذکاوت اور بے پناہ ذہانت کتاب و سنت کی وسیع معلومات، مذاہب اور اقوام و ملل کے ادیان، عربیت، آداب، منطق اور شعر گوئی کے ساتھ ساتھ، صداقت، دیانت، ذمہ داری، سیادت، ریاست و ثروت اور کثرت کتب کا ان پر خاتمہ ہو گیا۔ موصوف کی جلالت قدر بے شبہ ہے، مگر چند کمزوریاں بھی آپ کی ایسی ہیں جو نظر انداز نہیں ہو سکتیں، مثلاً اپنی رائے پر انتہائی جمود، اپنے مخالف کی نہایت سخت الفاظ میں تجہیل و تحقیر، وغیرہ۔ وفات ۴۵۶ھ میں ہوئی۔ چند مشہور تصانیف: المحلی، الملل والنحل، الاحکام فی اصول الاحکام۔ ترجمہ کے لئے دیکھئے: البدایہ والنہایہ: ۱۶۱/۱۶۲، اور تاریخ الاسلام: ۵۴/۱۰-۱۶۰

۲۔ إعلام الموقعین (۶۹۱/۱)

۳۔ الاحکام فی اصول الاحکام، ۹۲۹/۷

۴۔ المحلی بالآثار: ۶۱/۱۳

۵۔ ظفر الامانی بشرح سید شریف جرجانی: ص ۲۰۴، ۲۰۵

ہو۔ چنانچہ یہی طرز امام ابو داود رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے، کیونکہ اگر باب میں کوئی صحیح حدیث نہ ملے تو ضعیف حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔^(۱)

چنانچہ علامہ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی نظریہ کی تائید میں درجہ ذیل احادیث پیش کی ہیں: جیسے نماز میں قہقہہ سے نقص وضوء و صلاۃ والی حدیث، اکثر حیض دس دن والی حدیث، دس دراہم سے کم مہر والی حدیث، اسی طرح کھجور کی نبید سے وضوء والی حدیث، ان حضرات کا یہ کہنا ہے کہ یہ تمام احادیث ضعیف ہیں لیکن پھر بھی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے قیاس کو چھوڑ کر ان سے استدلال کیا ہے، اسی طرح امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا، مراہیل اور بلاغات اور منقطع روایت سے استدلال کرنا، اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ”صید وج“ والی حدیث اور مکہ مکرمہ میں اوقات منہیہ میں نماز کے جواز والی حدیث سے باوجود ضعیف ہونے کے استدلال کیا ہے۔

چنانچہ اس سے لامحالہ یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ان حضرات کے ہاں ضعیف حدیث مطلقاً حجت ہے، اس لئے تو قیاس پر مقدم کیا ہے۔

مگر یہ بات یاد رہے! کہ ان حضرات کا یہ کہنا درست نہیں اور یہ بات ان روایات کے طرق سے ناواقفیت ہی کی بنا پر کہی جاسکتی ہے، کیونکہ حافظ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ نے ”المتمہید“ میں اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ”تلخیص الحیث“ میں اور محقق ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے ”فتح القدیر“ میں یہ ثابت کیا ہے کہ یہ احادیث مطلقاً ضعیف نہیں ہیں، (مذکورہ کتابیں یکھی جاسکتی ہیں)۔

چنانچہ علامہ ظفر احمد عثمانی^(۲) رحمۃ اللہ علیہ اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

- ۱۔ اعلام الموقعین: ۶۹/۱
- ۲۔ ظفر احمد بن لطیف عثمانی، تھانوی حنفی۔ آپ کی ولادت ۱۳۱۰ھ میں ہوئی، ارباب کمال سے علوم کی تحصیل کی اور بڑا کمال حاصل کیا، مورخین نے موصوف کو ان الفاظ کے ساتھ یاد کیا ہے: الثب الحجۃ، المفسر المحدث الفقیہ الاصولی البارع الاریب المؤرخ لا دیب، الورع الزاہد الصوفی البصیر۔ فراغت کے بعد درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا اور پاک و ہند کے مشہور و معروف مدارس میں شیخ الحدیث کے مہدے پر فائز ہوئے۔ وفات ۱۳۹۴ھ میں ہوئی۔ چند مشہور تصانیف: اعلاء السنن، مسائل ربوانی دار الحرب، خطیب بغدادی اور مکرین حدیث۔ ترجمہ کے لئے دیکھئے: انوار الباری شرح صحیح البخاری: ۳۵۴/۲-۳۵۵، اور مقدمہ اعلاء السنن: ۲۷۲/۱

”وبالجملة فالمراد بالضعيف في كلام أصحابنا: (إن الحديث الضعيف مقدم على القياس): ما يسميه المتأخرون ضعيفاً في ذاته حسناً لغيره إذا تأيد بالشواهد ونحوها. وإذا سبرت الأحاديث التي ذكرها ابن القيم مثلاً للضعيف الذي قدمه أبو حنيفة على القياس، وجدتها كلها حسناً إما في ذاتها أو لغيرها، كما يتضح لك حقيقة ذلك بمطالعة كتابنا هذا (أي إعلاء السنن) إن شاء الله تعالى.“ (۱)

(ترجمہ): ”خلاصہ کلام یہ ہے کہ احناف کے کلام ”إن الحديث الضعيف مقدم على القياس“ سے مراد وہ ضعیف حدیث ہے جس کا نام متأخرین ضعیف لذاتہ حسن لغيره رکھتے ہیں، حسن لغيره نام بھی اس وقت رکھا جائے گا جب شواہد وغیرہ سے تائید حاصل ہو جائے، اور جب آپ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کی ذکر کردہ احادیث کی چھان بین کریں گے جو انہوں نے ان ضعیف احادیث کی مثال دیتے ہوئے ذکر کی ہیں جن کو امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے قیاس پر مقدم کیا ہے، تو آپ ان تمام مجموعے کو حسن لذاتہ یا حسن لغيره پائیں گے، یہ حقیقت آپ کے سامنے واضح گاف اس صورت میں بھی ہو سکتی ہے کہ آپ ہماری اس کتاب یعنی ”اعلاء السنن“ کا مطالعہ کریں۔“

اسی طرح دور آخر میں مغرب کے محدث علامہ سید احمد ابن صدیق غماری رحمۃ اللہ علیہ (۲)

۱۔ قواعد فی علوم الحدیث: ص ۱۰۸

۲۔ ابوالخیر سید احمد بن محمد بن صدیق بن احمد مغربی غماری۔ آپ کی پیدائش بروز جمعہ ۲۷ رمضان ۱۳۲۰ھ میں ہوئی، طلب علم کے لئے قاہرہ، شام، بلاد مغرب، سوڈان وغیرہ کا سفر کیا اور ارباب کمال سے علوم کی تحصیل کی، موصوف کے ترجمہ لکھنے والوں نے ان الفاظ کے ساتھ یاد کیا ہے۔ الامام الحافظ المحدث الناقد، نادرة العصر، فريد الدهر، ذواتصانيف والذکاء والحافظ المفرط۔ موصوف کو رجال، صحیح و سقیم، مع حفظ متون حدیث، معرفت علل میں مہارت تامہ حاصل تھی، وفات ۱۳۸۰ھ میں ہوئی۔ چند مشہور تصانیف: المثنوی والبخاری فی نحر العید المعثر، اقامة الدلیل علی حرمة التمثیل، تحسین الخیر الوارد فی الجہاد الاکبر۔ ترجمہ کے لئے دیکھئے: عوارف العارف ومعنیۃ العارف: ۳۱/۱-۵۰

کی چشم کشا عبارت بھی پیش خدمت ہے:

”إن الاحتجاج بالضعيف في الأحكام ليس هو خاصاً
بالمالكية؛ بل كل الأئمة يحتجون به، إلا أن بعضها قالوا
فيه: تلقي بالقبول، وبعضها قالوا: انعقد الإجماع على
مضمونه، وبعضها قالوا: وافقه القياس.“ (۱)

(ترجمہ): ”احکام میں ضعیف حدیث سے استدلال کرنا مالکیہ ہی کے ساتھ خاص
نہیں بلکہ تمام ائمہ اس سے استدلال کرتے رہے ہیں، مگر انہوں نے اس وجہ سے
انہیں قبول کیا ہے کہ ان کے بقول ان روایات کو تلقی بالقبول حاصل ہے، اور بعض
کے متعلق کہتے ہیں کہ اس کے مضمون پر اجماع منعقد ہو چکا ہے اور بعض کے بارے
میں کہتے ہیں کہ یہ قیاس کے موافق ہیں“ (ان وجوہ کی بنا پر انہوں نے ان روایات
کو لیا ہے نہ کہ کسی اور وجہ سے)۔

لہذا اس سے ثابت ہوا کہ یہ قول مطلق نہیں ہے بلکہ اگر کہیں ضعیف حدیث کے مقابلہ میں محض
قیاس ہی ہو اور وہ قیاس مستبط من القرآن نہ ہو، تو اس وقت ضعیف حدیث کو ترجیح دی جائے گی۔
اس لئے کہ خبر اپنی اصلیت کے اعتبار سے صحیح ہوتی ہے اس میں شبہ اور احتمال نقل کے اعتبار
سے آتا ہے، جبکہ قیاس میں احتمال اور شبہ اصل کے اعتبار سے ہوتا ہے۔

علامہ ابن حزم رحمہ اللہ کی عبارت میں لفظ ”اولیٰ“ سے بظاہر اس طرف اشارہ ہے کہ تقدیم
الضعیف علی القیاس قطعی فیصلہ کی حیثیت نہیں رکھتا بلکہ بعض مواقع میں یہ نتیجہ ظاہر ہوتا ہے۔
یہاں وجہ ہے کہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”أن مذهبهم القوي تقديم الحديث الضعيف على القياس
الذي يحتمل التزيف“ (۲)

۱۔ المشوي والجاري في نحر العید المعثر: ص ۱۸۰

۲۔ مرقات المفاتيح شرح مشكاة المصابيح: ۳/۱

(ترجمہ): ”احناف کا مختار مذہب یہ ہے کہ ضعیف حدیث کو اس قیاس محض کے مقابلہ میں مقدم کیا جائے گا جو نقص کا احتمال رکھے۔“

اسی طرح علامہ عبدالعزیز فرہاروی^(۱) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”ونسب الإمام أبو حزم هذا القول (أي أن الحديث الضعيف مقدم على القياس) إلى الحنفية ولم يوجد في كتبهم.“^(۲)

(ترجمہ): ”ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ نے اگرچہ اس قول کی نسبت احناف کے طرف کی ہے حالانکہ احناف کی کتابوں میں موجود نہیں ہے۔“

اگر کہیں احتیاط کا موقع ہو تو ہاں پر ضعیف حدیث سے بھی استدلال کیا جاسکتا ہے۔ موضع احتیاط میں ضعیف حدیث احکام میں بھی مستدل بن سکتی ہے:

یہی وجہ ہے کہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے بطور احتیاط بعض بیوع کی کراہت ضعیف حدیث سے بھی ثابت فرمائی ہے۔

(۱) چنانچہ موصوف رقمطراز ہیں:

”أما الأحكام كاللحل والحرام، والبيع، والنكاح، والطلاق وغير ذلك، فلا يعمل فيها إلا بالحديث الصحيح،

۱۔ ابو عبد الرحمن عبدالعزیز بن احمد بن الحامد قرشی فرہاروی حنفی۔ اپنے زمانہ کے ارباب کمال سے علوم کی تحصیل کی اور بڑا کمال حاصل کیا، ذکاوت اور بے پناہ ذہانت کتاب و سنت کی وسیع معلومات اور کثرت کتب کا ان پر خاتمہ ہو گیا۔ اپنے زمانے میں تمام علوم کے سب سے زیادہ ماہر ہوئے، بڑے عابد، زاہد اور تہجد گزار تھے۔ وفات ۱۲۳۱ھ میں ہوئی۔ چند مشہور تصانیف: کوثر النبی، البحر المحیط، النبراس فی شرح العقائد۔ ترجمہ کے لئے دیکھئے: نزہۃ الخواطر و ہجۃ المسامح والنواظر ۲۷۶/۷-۲۷۸

أو الحسن إلا أن يكون في احتياط في شيء من ذلك .“ (۱)
 (ترجمہ): ”یعنی حلال و حرام اور بیع و نکاح و طلاق وغیرہ کے لئے صحیح یا حسن درجہ کی روایت سے استدلال ہوگا، مگر کہیں ایسا موقع آجائے جہاں احتیاط کا پہلو ہو، تو ایسی صورت میں ضعیف حدیث بھی مستدل بن سکتی ہے۔“

(۲) علامہ زرکشی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت بھی اسی طرف مشیر ہے:

”ومما يجوز العمل فيه بالخبر الضعيف من الأحكام، ما يكون الموضع موضع احتياط، فيجوز الاحتجاج به ظاهراً.“ (۲)

(ترجمہ): ”اور ضعیف حدیث احکام کی جن صورتوں میں مستدل بن سکتی ہے ان میں سے ایک صورت یہ بھی ہے کہ اس میں احتیاط کا پہلو ہو، تو ایسی صورت میں ضعیف حدیث مستدل بن سکتی ہے۔“

(۳) علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے بھی یہی ہے:

”ويعمل بالضعيف أيضاً في الأحكام، إذا كان فيه احتياط.“ (۳)

(ترجمہ): ”اور ضعیف روایت احکام میں بھی مستدل بن سکتی ہے جبکہ احتیاط کا پہلو ہو۔“

یہاں ان تمام باتوں سے قطع نظر اتنی بات ضرور ملحوظ خاطر رہنی چاہئے کہ یہ ائمہ جس ”حدیث ضعیف“ سے استدلال کرتے ہیں وہ ضعیف الاسناد تو محدثین تک پہنچنے میں ضرور ہوتی ہے مگر ضعیف المتن نہیں ہوتی ہے۔ کثرت طرق، یا ظاہر قرآن، یا اتصال عمل، یا کسی شاہد صحیح کی اسے ضرورتاً تائید حاصل ہوتی ہے۔

۱۔ الاذکار المختبة من كلام سيد الابرار: ص ۱۵

۲۔ التلک علی کتاب ابن الصلاح للزکشی: ص ۲۳۸

۳۔ تدریب الراوی فی شرح تقریب النوادی: ۳۵۱/۱

اسی طرح ائمہ حضرات کے مستدلات موجودہ کتب حدیث میں، موجود اسانید کی تحقیق کی بنیاد پر ضعیف ہونے سے یہ استدلال قطعاً نہیں کیا جاسکتا ہے کہ فقہاء نے ضعیف احادیث سے استدلال کیا ہے۔ کیونکہ یہ قوی احتمال موجود ہے کہ ان حضرات کے پیش نظر یہ احادیث ان اسانید کے ساتھ نہیں ہوں گی۔

دوسری بات یہ کہ فقہ کی متداول کتابوں میں پائی جانے والی ضعیف حدیثیں ضروری نہیں کہ امام مذہب نے خود ان احادیث سے استدلال کیا ہو، بلکہ ان میں بہت سی وہ احادیث بھی ہوتی ہیں جن سے مصنف کتاب اپنے طور پر استدلال کرتے ہوئے اپنے امام کے مذہب کو مبرہن و مؤید کرتا ہے، لہذا محض کسی فقہی کتاب کے مصنف کا کسی حدیث کو بطور دلیل پیش کرنا اس بات کی قطعی دلیل نہیں کہ مذہب کی بنیاد ضعیف حدیث پر ہے، ہو سکتا ہے کہ امام مذہب کی وہ رائے کسی ثابت نص یا سنت پر مبنی ہو۔

اسی طرح ضعیف حدیثوں میں جو ضعف آتا ہے وہ ان اسانید کے اعتبار سے ہوتا ہے جو ہمیں کتب حدیث میں ملتی ہے جن کے رجال عموماً امام مذہب کے مابعد زمانہ کے ہوتے ہیں۔ اور اگر وہ رجال بالفرض ان ائمہ کے معاصر یا ان سے پہلے کے ہوں تب بھی یہ ضروری نہیں کہ امام کے پاس یہ حدیث ان ہی روایات کے طریق سے پہنچی ہو جن روایات سے مرکب اسناد ہمارے سامنے ہے۔

ما قبل میں ذکر کردہ تمام عبارات کو اگر غور سے دیکھا جائے تو حدیث ضعیف کے بارے میں جمہور فقہاء و محدثین کی یہ یہی رائے معلوم ہوتی ہے کہ ضعیف حدیث حجت ہے تو جو لوگ بالکل ہی ضعیف حدیث کو رد کرتے ہیں یہ جمہور کے رائے کے خلاف ہوگا۔

حدیث ضعیف اور قیاس کے بارے میں بعض اشکالات کے جوابات :

(۱) علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ اس سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول ”حدیث ضعیف ہمارے نزدیک قیاس

سے زیادہ پسندیدہ ہے۔“ میں حدیث ضعیف سے مراد حدیث حسن ہے، کیونکہ ”حدیث حسن“ کی اصطلاح امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی ایجاد کردہ ہے، متقدمین کے ہاں صرف ”صحیح“ اور ”ضعیف“ کی اصطلاحات تھیں۔

حالانکہ ”حدیث حسن“ کی اصطلاح متقدمین کے ہاں بھی رائج تھی۔ جیسے علی بن المدینی، امام احمد، یعقوب بن شیبہ اور امام بخاری رحمہم اللہ وغیرہ حضرات کی تصانیف میں ”حدیث حسن“ کی اصطلاح موجود ہے۔^(۱)

(۲) چنانچہ علامہ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے وہ احادیث ذکر کی ہیں، جن سے ائمہ نے استدلال کیا ہے، اور ان احادیث کی سندیں ضعیف ہیں۔ تو اس بارے میں پوری یقین سے یہ بات نہیں کی جاسکتی کہ ائمہ کرام کو بھی یہ احادیث انہی اسانید سے پہنچی تھیں، ہو سکتا ہے ان کو ان کے علاوہ صحیح اسانید بھی پہنچی ہوں۔ اس بات سے قطع نظر کہ انہی احادیث کی موجودہ سندیں بھی تحقیق کے بعد ضعیف نہیں ہیں، بلکہ علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو حسن ثابت کیا ہے۔ لیکن پھر بھی یہ نہیں کہا جاسکتا کہ جب نئی تحقیق سے یہ ثابت ہو گیا کہ یہ احادیث حسن ہیں، تو ائمہ کرام کے کلام میں موجود ضعیف کا مطلب حسن ہونا ہوتا ہے، جیسا کہ اس سے پہلے علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے گذر گیا۔ جب تک صریح طور پر ائمہ کرام سے کسی مخصوص حدیث کی مخصوص سندوں کے بارے میں ضعف پھر ان سے استدلال کرنا ثابت نہ ہو جائے۔

(۳) ایسا ہی ائمہ کرام کے کلام میں ضعیف سے مراد مطلق ضعیف بھی نہیں، چاہے ضعف شدید درجے کا ہو یا کم درجے کا ہو۔ بالکل درست بات یہ ہے کہ ان کے کلام میں موجود ضعیف سے مراد متوسط درجے کا ضعیف مراد ہے، محقق علامہ محمد عوامہ مدظلہ نے اسی قول کو رائج قرار دیا ہے۔^(۲)

۱۔ تعلیق قواعد فی علوم الحدیث: ص ۱۰۱، ۱۰۲

۲۔ تعلیق قواعد فی علوم الحدیث: ص ۱۰۱، ۱۰۲

(۴) خلاصہ کلام یہ کہ ائمہ کرام کے بارے میں مذکورہ مذہب کہ ”ضعیف حدیث قیاس سے اولیٰ ہے“ سب سے زیادہ اہتمام کے ساتھ علامہ ابن حزم رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے، اور علامہ ابن حزم رحمہ اللہ کے بارے میں یہ بات محتاج بیان نہیں کہ وہ ”قیاس“ کی حجیت کے منکر تھے، اور اس سلسلہ میں ان کا حد سے زیادہ تشدد معروف ہے۔ جبکہ جمہور ائمہ کے نزدیک ”قیاس“ حجت شرعی ہے، ممکن ہے کہ علامہ ابن حزم رحمہ اللہ ائمہ کرام کے ان اقوال کے ذریعہ ”قیاس“ کی حجیت کو متاثر کرنے کی کوشش کر رہے ہوں! کیونکہ ائمہ کرام نے قیاس کے بارے میں نہایت ہی محتاط موقف اپنا کر حدیث ضعیف اور قیاس کو اپنا اپنا مقام دیا ہے۔ کمزور دلیل کو قوی دلیل پر مقدم نہیں کیا ہے۔

مذکورہ تفصیل کے بعد اب یہ بات بالکل واضح ہو گئی کہ ائمہ اربعہ حدیث کے معاملہ میں بہت ہی محتاط رہے ہیں، لہذا اس کے باوجود اس حقیقت کو نظر انداز کر کے ائمہ اربعہ پر مخالفت حدیث کا الزام لگانا بہت ہی نا انصافی ہے۔

کیا ائمہ اربعہ حدیث کی مخالفت کرتے ہیں؟:

بعض حضرات کی طرف سے یہ اشکال کیا جاتا ہے کہ ائمہ مجتہدین احادیث کی مخالفت کرتے ہیں، جس کی صورت یہ ہے کہ بعض مرتبہ احادیث کو چھوڑ کر اپنی رائے پر عمل کرتے ہیں، لیکن یہ اشکال درست نہیں؛ اس لئے کہ ائمہ مجتہدین کے ہاں احادیث کو پرکھنے کے لئے کچھ اصول ہوتے ہیں، چنانچہ مجتہد احادیث کو ان اصولوں پر پرکھتا ہے، جو حدیث ان اصولوں پر پوری اترتی ہے اس کو معمول بہ قرار دیتے ہیں۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں اخبار آحاد کو پرکھنے کے اصول:
امام صاحب کے ہاں اخبار آحاد کو پرکھنے کے لئے چند پختہ اور مستحکم اصول ہیں، جن کو علامہ زاہد الکوثریؒ نے مختصر نقل کیا ہے، جو پیش خدمت ہیں:

۱۔ ان اصولوں میں سے ایک اصل یہ ہے کہ روایات مرسلہ جب ثقات روایت کریں اور ان کے مقابلہ میں ان کے معارض کوئی قوی نص بھی نہ ہو، تو امام صاحب ان مراسل روایات کو قبول کر لے تے ہیں۔

۲۔ ان اصولوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ان اخبار آحاد کو کتاب اللہ پر پیش کرتے ہیں، اگر اخبار آحاد کتاب اللہ کے مخالف ہوں، تو ان کو چھوڑ کر کتاب اللہ کو لیتے ہیں، دو دلیلوں میں سے اقوی دلیل پر عمل کرتے ہوئے؛ اس لئے کہ کتاب اللہ قطعی الثبوت اور کتاب اللہ کے ظواہر اور اس کے عموماً قطعی الدلالہ ہیں۔

۳۔ ان اصولوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ یہ اخبار آحاد سنت مشہورہ کے مخالف نہ ہوں، برابر ہے کہ سنت فعلیہ ہو یا سنت قولیہ، اگر اخبار آحاد سنت مشہورہ کے مخالف ہو، تو امام صاحب دو دلیلوں میں سے اقوی دلیل پر عمل کرتے ہوئے اخبار آحاد کو چھوڑ دیتے ہیں۔

۴۔ ان اصولوں میں سے ایک اصل یہ بھی ہے کہ خبر واحد اپنی جیسی دوسری خبر واحد کی مخالف نہ ہو، اگر کہیں تعارض پیش آجائے، تو ان میں سے ایک کو دوسرے پر ان اسباب کی بنا پر ترجیح دی جائے گی جو مجتہدین کے ہاں وجہ ترجیح بن سکتے ہو۔ لیکن وجہ ترجیح کے اسباب میں مجتہدین کا اختلاف رہا ہے مثلاً دو راویوں کے راویوں میں ایک راوی فقیہ ہو تو امام صاحب فقہت کو ترجیح دے کر اس کی روایت کو قوی قرار دیتے ہیں۔

۵۔ ان اصولوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ راوی کا عمل اپنی روایت کے خلاف نہ ہو، مثلاً حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ ”کتا برتن میں منہ مارے، تو اسے سات مرتبہ دھولو“ لیکن آپ کا فتویٰ اس کے خلاف تین مرتبہ دھونے کا تھا؛ چنانچہ اس علت کی بنا پر امام صاحب نے تین والی روایت کو ترجیح دے کر معمول بہا بنایا۔

۶۔ ان اصولوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ان اخبار آحاد کے بارے میں سلف میں سے کسی نے طعن نہ کیا ہو یعنی ان روایات پر کسی نے کلام نہ کیا ہو۔

۷۔ ان اصولوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ یہ اخبار آحاد اس عمل متواتر کے بھی مخالف نہ ہوں، جس پر صحابہ اور تابعین کے زمانے میں عمل ہوا ہے اور اس میں کسی شہر کی تعیین امام صاحب کے ہاں نہیں، جیسا کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں تعامل مدینہ منورہ۔

اس کے علاوہ اور بھی بہت سے اصول ہیں جنہیں ”اصول فقہ“ کی کتابوں میں دیکھا جاسکتا ہے۔^(۱)

ان تمام صورتوں میں امام صاحب اقوی دلیل کو لیتے ہوئے اخبار آحاد کو چھوڑ دیتے ہیں، اس لئے ان پر ہرگز یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا کہ انہوں نے اخبار آحاد کو چھوڑ کر احادیث رسول کی مخالفت کی ہے، کیونکہ اس صورت میں یہ تمام روایتیں معلول بن جاتی ہیں، اور حضرات فقہاء کے ہاں یہ مسلمہ قاعدہ ہے کہ احکام میں معلول روایت مستدل نہیں بن سکتی۔

لہذا معلوم ہوا کہ بعض اوقات ضعیف حدیث بلکہ صحیح اور حسن روایت کو بھی ان اصولوں کی وجہ سے قبول نہیں کیا جاتا۔

چنانچہ امام صاحب ہوں، یا ائمہ ثلاثہ، انہوں نے جہاں کہی بھی اخبار آحاد سے صرف نظر کیا ہے، محض اس بنیاد پر کیا کہ وہ ان اصولوں پر پورا نہیں اترتی تھیں جو ان کو پرکھنے کے لئے مسلمہ پیمانے کی حیثیت رکھتے ہیں، اس لئے ان حضرات پر ہرگز یہ الزام عائد نہیں ہوتا کہ انہوں نے احادیث رسول کی مخالفت کی ہیں؛ بلکہ جہاں معلول روایات کا قوی نص سے تعارض ہو وہاں اخبار آحاد سے استدلال نہیں کرتے جبکہ حضرات فقہاء کے ہاں یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ معلول احادیث احکام میں مستدل نہیں بن سکتی ہیں۔

دوسرا مذہب حدیث ضعیف فضائل میں حجت ہے نہ کہ احکام میں:

دوسرا مذہب یہ ہے کہ حدیث ضعیف فضائل اور ترغیب و ترہیب میں تو قابل حجت ہے، البتہ احکام میں حجت نہیں۔ یہ جمہور فقہاء، محدثین، اصولیین اور متکلمین کا مختار مذہب ہے۔

بلکہ علامہ نووی، علامہ ہیتمی (۱) اور ملا علی قاری رحمہم اللہ نے تو اس پر اجماع نقل کیا ہے۔
(۱) چنانچہ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”قد اتفق العلماء علی جواز العمل بالحديث الضعيف في فضائل الأعمال.“ (۲)

(ترجمہ): ”فضائل اعمال میں ضعیف حدیث کے عمل کے جواز پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔“

(۲) علامہ ابن حجر مکی ہیتمی رحمۃ اللہ علیہ مزید اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”قد اتفق العلماء علی جواز العمل بالحديث الضعيف في فضائل الأعمال؛ لأنه إن كان صحيحاً في نفس الأمر فقد أعطي حقه من العمل به، وإلا لم يترتب على العمل به مفسدة تحليل، ولا تحريم، ولا ضياع حق، للغير.“ (۳)

(ترجمہ): ”یعنی فضائل اعمال“ میں ضعیف حدیث پر عمل کے بارے میں علماء کا اتفاق ہے؛ کیونکہ اگر وہ واقعاً صحیح تھی تو اس کا حق اس کو مل گیا، ورنہ اس پر عمل کرنے سے نہ تو حرام کو حلال کرنا لازم آیا اور نہ اس کے برعکس، اور نہ ہی کسی غیر کے حق کا پامال کرنا۔“

۱۔ ابوالعباس احمد بن محمد بن علی بن حجر ہیتمی شافعی۔ رجب ۹۰۹ھ میں پیدا ہوئے یتیمی کے حالات میں علوم کی تحصیل کی اور بڑا کمال حاصل کیا۔ فراغت کے بعد مند درس پر متمکن ہوئے۔ موصوف کو تفسیر، فقہ، اصول، کلام، اور تصوف میں ید طولی حاصل تھا۔ وفات رجب ۹۷۳ھ یا ۹۷۴ھ میں مکہ مکرمہ میں ہوئی۔ چند مشہور تصانیف: فتح المبین،، الجوہر المنظم فی زیارة قبر النبی المکرم، فتاوی النکحیہ۔ ترجمہ کے لئے دیکھئے: النور السافر ص ۳۹۰-۳۹۶، اور شذرات الذهب ۳۳۵/۸-۳۳۷

۲۔ الاربعین النوویہ: ص ۴

۳۔ فتح المبین شرح الاربعین: ص ۳۲

(۳) نیز ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”فإن الحديث الضعيف معتبر في فضائل الأعمال عند جميع العلماء من أرباب الكمال.“ (۱)

(ترجمہ): ”تمام علماء کے نزدیک فضائل اعمال میں ضعیف حدیث قابل عمل ہے۔“

چنانچہ ضعیف احادیث کا فضائل اعمال وغیرہ میں قابل عمل ہونے کے بارے میں ان حضرات سے نصوص کچھ کم نہیں، بطور نمونہ چند ایک عبارتیں پیش کی جاتی ہیں جن سے ضعیف حدیث کے فضائل میں قابل عمل ہونے کے بارے میں حقیقت کھل کر سامنے آ جاتی ہے اور جمہور کا منصور مسلک واضح سے واضح تر ہو جاتا ہے جس میں کسی منصف مزاج کو شک و شبہ کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی،

(۴) رواد ابن الجراح امیر المؤمنین فی الحدیث حضرت سفیان ثوری (۲) رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

”سمعت سفیان الثوري يقول: لا تأخذوا هذا العلم في الحلال والحرام إلا من الرؤساء المشهورين بالعلم الذين يعرفون الزيادة والنقصان، ولا بأس بما سوى ذلك من

۱۔ الاجوبة الفاضلة للأسئلة العشرة الكاملة: ص ۳۷

۲۔ ابو عبد اللہ سفیان بن سعید بن مسروق ثوری کوفی۔ موصوف کی ولادت کوفہ میں ۹۷ھ میں ہوئی۔ رواد ستہ میں سے مشہور امام حدیث، عابد و زاہد اور مقتدا امام شعبہ، ابن عیینہ، ابو عاصم اور سید الحفاظ ابن معین وغیرہ اکابر علماء نے ان کو ”امیر المؤمنین فی الحدیث“ کے لقب سے یاد کیا ہے۔ حدیث کی طرح فقہ میں بھی موصوف کا ایک چرچا رہا ہے، اس بناء پر ائمہ اعلام کی ایک جماعت ان کے فقہ اور فقہی بصیرت پر شاہد رہی ہے۔ اور ائمہ حدیث نے جا بجا کتب رجال میں حدیث کے ساتھ ان کی فقہی بصیرت پر روشنی ڈالی ہے۔ وفات ۱۶۱ھ میں ہوئی۔ چند مشہور تصانیف: الجامع الکبیر، الجامع الصغیر، الفرائض۔ ترجمہ کے لئے دیکھئے: تذکرۃ الحفاظ: ۱۵۱/۱-۵۷، اور الاعلام: ۴/۳۰۳۔

المشاہخ۔“ (۱)

(ترجمہ): ”میں نے سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ حلال و حرام کا علم صرف انہیں لوگوں سے حاصل کرو جو بڑے مشہور عالم ہوں، جو روایات میں کمی اور زیادتی کی پہچان رکھتے ہوں، اور حلال و حرام کے علاوہ کا علم دوسرے (ضعفاء) لوگوں سے بھی حاصل کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اس عبارت سے معلوم ہوا کہ ضعیف روایت فضائل اعمال میں معتبر ہے۔“

(۵) حضرت سفیان بن عیینہ (۲) رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”لا تسمعوا من بقیۃ ما کان فی سُنۃ، واسمعوا منہ ما کان فی ثواب وغیرہ۔“ (۳)

(ترجمہ): ”کہ ”بقیۃ“ (ضعیف راوی) سے سنت (یعنی معمول بہ احکام) سے متعلق حدیثیں نہ لو! البتہ ثواب وغیرہ سے متعلق روایتیں لے سکتے ہو۔“

یہ عبارت بھی اپنے مدلول و مفہوم کے اعتبار سے بالکل واضح ہے کہ ضعیف حدیث فضائل میں قابل عمل ہے۔

۱۔ الکامل فی الضعفاء: ۲۵۷/۱ شرح علل الترمذی: ۷۴/۱

۲۔ ابو محمد سفیان بن عیینہ بن ابی عمران میمون ہلالی کوفی۔ موصوف کی ولادت ۷۰ھ میں ہوئی۔ موصوف ۲۰ سال کی عمر میں کوفہ آئے اور امام اعظم سے تحصیل علم حدیث و فقہ کی۔ حدیث کی طرح فقہ کے ساتھ بھی موصوف کو ایک خاص اعتناء اور تعلق رہا، موصوف مشہور محدث، ثقہ، حافظ، فقیہ، امام، حجت اور اپنے زمانہ کے کبار واعیان میں سے تھے، جس پر ائمہ اعلام کی ایک جماعت شاہد رہی ہے۔ وفات ۱۹۸ھ میں ہوئی۔ چند مشہور تصانیف: کتاب الجامع، التفسیر۔ ترجمہ کے لئے دیکھئے تذکرۃ الحفاظ: ۱۹۳/۱-۱۹۳، اور الاعلام: ۱۰۵/۳، اور الجواہر المنیۃ فی طبقات الکھفۃ: ص ۲۵۰-۲۵۱

۳۔ شرح علل الترمذی: ۷۴/۱

(۶) امام عبدہ رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبد اللہ بن مبارک (۱) رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

”قیل لابن المبارک وروی عن رجل حديثاً . فقيل : هذا رجل ضعيف ! فقال : يحتمل أن يروى عنه هذا القدر أو مثل هذه الأشياء . قلت (أي ابن أبي حاتم) لعدة : مثل أي شيء كان ؟ قال : في أدب ، في موعظة ، في زهد .“ (۲)

(ترجمہ): ”عبد اللہ بن مبارک نے رحمۃ اللہ علیہ کسی شخص سے کوئی روایت بیان کی تو انہیں کہا گیا کہ یہ آدمی (جس سے یہ روایت بیان کی ہے) تو ضعیف ہے! تو انہوں نے کہا کہ اس شخص سے اس جیسی اشیاء نقل کی جاسکتی ہیں، ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے امام عبدہ رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ کس طرح کی اشیاء نقل کی جاسکتی ہیں؟ تو انہوں نے کہا کہ آداب میں، وعظ و نصیحت میں اور زہد میں اس سے روایتیں لی جاسکتی ہے۔“

اس سے بھی یہ بات آشکارا ہو گئی کہ ضعیف حدیث مطلقاً فضائل اعمال میں حجت ہے۔

(۷) علامہ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

۱۔ ابو عبد الرحمن عبد اللہ بن مبارک بن واضح حنظلی مروزی۔ آپ کی پیدائش ۱۱۸ھ میں ہوئی۔ ارباب کمال سے علوم کی تحصیل کی خصوصاً امام اعظم اور امام مالک سے بڑا کمال حاصل کیا۔ موصوف میں حسب ذیل کمالات مجتمع تھے علم، فقہ، نحو، لغت، شعر، فصاحت، زہد، ورع، انصاف، قیام لیل، عبادت، حج، جہاد، شہسواری، شجاعت، جسمانی قوت، ترک لالچنی اور سخاوت۔ علوم حدیث میں موصوف کی گراں قدر خدمات کسی سے مخفی نہیں، اور نامور ائمہ اعلام جا بجا اپنی کتب میں موصوف کے بے مثل کارناموں کو سراہتے ہوئے بڑی خوش اسلوبی سے ذکر کرتے ہیں۔ موصوف کی وفات ۱۸۱ھ میں ہوئی۔ چند مشہور تصانیف: کتاب الزہد والرقائق، مسند عبد اللہ بن مبارک، کتاب الجہاد۔ ترجمہ کے لئے دیکھئے: البدایہ

والنہایہ: ۳۳۶/۱۰-۳۳۷، اور تذکرۃ الحفاظ: ۲۰۲/۱-۲۰۳، اور الاعلام: ۱۱۵/۳

۲۔ شرح طلل الترمذی: ۷۴/۱

”أهل العلم بجما عتهم يتساهلون في الفضائل فيروونها عن كل، وإنما يتشددون في أحاديث الأحكام.“ (۱)

(ترجمہ): ”تمام اہل علم حضرات فضائل اعمال کی روایات میں تساہل سے کام لیتے ہیں؛ اس لئے ہر ایک سے روایت کرتے ہیں، اور احکام کی روایات میں تشدد سے کام لیتے ہیں۔“

(۸) امام ابوسعید عبدالرحمان بن مہدی (۲) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”إذا روينا عن النبي ﷺ في الحلال و الحرام و الأحكام، شددنا في الأسانيد، وانتقدنا في الرجال، وإذا روينا في الفضائل، والثواب، والعقاب: سهلنا في، الأسانيد و تسامحنا في الرجال.“ (۳)

(ترجمہ): ”جب ہم نبی کریم ﷺ سے حلال و حرام اور احکام کی روایت کرتے ہیں تو اسانید کے بارے میں سختی برتتے ہیں اور رجال پر نقد کرتے ہیں اور جب فضائل و عقاب کی روایت کرتے ہیں، تو اسانید میں نرمی اختیار کرتے ہیں اور احادیث میں تسامح سے کام لیتے ہیں۔“

(۹) امام الحرمین ابو عبد اللہ احمد بن محمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

۱۔ جامع بیان العلم و فضلہ: ص ۳۵

۲۔ ابوسعید عبدالرحمان بن مہدی بن حسان لؤلؤی۔ موصوف کی ولادت باسعادت ۱۳۵ھ میں ہوئی اپنے زمانہ کے ارباب کمال سے علوم کی تحصیل کی اور بڑا کمال حاصل کیا، موصوف اپنے زمانہ کے امام کبیر بصرہ کے قابل فخر فقہاء و حفاظ حدیث میں سے تھے، علی بن مدینی فرمایا کرتے تھے: کہ اگر میں رکن اور مقام کے درمیان کھڑے ہو کر قسم کھاؤں کہ میں نے ابن مہدی سے زیادہ اعلم الناس نہیں دیکھا ہے تو میں حانت نہیں ہوں گا۔ موصوف بڑے عابد و زاہد تھے، وفات ۸۹ھ میں ہوئی۔ ترجمہ کے لئے دیکھئے: تاریخ مدینۃ السلام: ۵۱۲/۱۱-۵۲۳، اور تاریخ الاسلام: ۲۶۲/۵-۲۶۸، اور تذکرۃ الحفاظ: ۲۳۱/۱-۲۳۲

۳۔ الاجوبۃ الفاضلۃ للأسئله العشرۃ الکاملۃ: ص ۵۰-۵۱

”إذا روينا عن رسول الله ﷺ في الحلال، والحرام، والسنن، والأحكام، تشددنا في الأسانيد، وإذا روينا عن النبي ﷺ في فضائل الأعمال، وما لا يضع حكماً ولا يرفعه، تساهلنا في الأسانيد.“ (۱)

(ترجمہ): ”جب ہم رسول اللہ ﷺ سے حلال و حرام اور سنن و احکام کی روایت کرتے ہیں تو اسانید کے بارے میں سختی برتتے ہیں اور جب ایسی حدیث روایت کرتے ہیں جو کسی عمل فضیلت کو بتائے، یا ایسی حدیث جو نہ کسی حکم کا درجہ کم کریں اور نہ بلند کریں تو اسانید میں نرمی اختیار کرتے ہیں۔“

(۱۰) امام حاکم نیشابوری (۲) رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

”إذا روينا عن النبي ﷺ في الحلال والحرام والأحكام شددنا في الأسانيد، وانتقدنا في الرجال، وإذا روينا في الفضائل والثواب والعقاب: سهلنا في الأسانيد وتسامحنا في الرجال.“ (۳)

(ترجمہ): ”جب ہم نبی کریم ﷺ سے حلال و حرام اور احکام کی روایت کرتے ہیں، تو اسانید کے بارے میں

۱۔ الکفایۃ فی معرفۃ اصول علم الروایۃ: ۳۹۹/۱

۲۔ ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن محمد الحاکم نیشابوری ۳۲۱ھ کو نیشابور میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم اپنے والد

ماجد سے حاصل کرنے کے بعد تکمیل علم اپنے زمانہ کے کبار علماء سے کی۔ موصوف مشہور محدث اور حافظ

حدیث تھے، موصوف کو علوم حدیث میں مہارت تامہ حاصل تھی، اس لئے ان کی اکثر تصانیف حدیث

اور علوم حدیث سے متعلق ہیں نیشابور میں قاضی مقرر ہوئے اور اسی وجہ سے حاکم لقب پڑھ گیا اور

نیشابور ہی میں ۴۰۵ھ کو وفات پائی۔ چند مشہور تصانیف: مستدرک حاکم، معرفۃ علوم الحدیث، تاریخ

نیشابور۔ ترجمہ کے لئے دیکھئے: البدایہ والنہایہ: ۲۳/۱۳-۲۵، اور الاعلام: ۶/۲۲۷

۳۔ المستدرک علی المحسن للحاکم: ۶۶۶/۱

سختی برتتے ہیں، اور رجال پر نقد کرتے ہیں، اور جب فضائل، ثواب و عقاب کی روایت کرتے ہیں، تو اسانید میں نرمی اختیار کرتے ہیں اور احادیث میں تسامح سے کام لیتے ہیں۔“

(۱۱) علامہ خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ ابو زکریا یحییٰ بن محمد عنبری رحمۃ اللہ علیہ (۱) کے حوالے سے نقل کرتے ہیں:

”الخبر إذا ورد لم يحرم حلالاً، ولم يحرم حراماً، ولم يوجب حكماً، وكان في ترغيب، أو ترهيب، أو تشديد، أو ترخيص، ووجب الإغماض عنه والتساهل في روايته“ (۲)
(ترجمہ): ”یعنی کوئی حدیث اگر حلال کو حرام اور حرام کو حلال نہ کرتی ہو اور کسی حکم کو واجب نہ کرتی ہو اور صرف ترغیب و ترہیب (یعنی سختی اور رخصت) سے تعلق رکھتی ہو تو اس سے چشم پوشی کی جائے گی اور اس کے راویوں پر جرح میں تساہل سے کام لیا جائے گا۔“

ان صریح اقتباسات سے یہ معاملہ واضح ہو جاتا ہے کہ ضعیف الاسناد احادیث فضائل، ترغیب و ترہیب میں قابل عمل ہیں۔

(۱۲) موفق الدین ابن قدامہ حنبلی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

”النوافل والفضائل لا يشترط صحة الحديث فيها.“ (۳)

۱۔ ابو زکریا یحییٰ بن محمد بن عبد اللہ بن عنبر بن صالح بن محمد سلمی عنبری شافعی۔ موصوف نے اپنے زمانہ کے ارباب کمال سے علوم کی تحصیل کی۔ موصوف مشہور و معروف مفسر اور ادیب تھے۔ موصوف ذکات اور بے پناہ ذہانت میں بہت مشہور تھے۔ وفات ۳۴۲ھ میں ہوئی۔ ترجمہ کے لئے دیکھئے: تاریخ الاسلام: ۲۹۱۲۹۰/۸، اور طبقات الشافعیۃ الکبریٰ: ۳۴۳/۲-۳۴۴

۲۔ الکفایۃ فی معرفۃ اصول الروایۃ: ۳۹۹/۱

۳۔ المغنی لابن قدامہ: ۸۰۴/۱

(ترجمہ): ”نوافل اور فضائل میں صحیح حدیث کا ہونا ضروری نہیں (اس لئے کہ ان میں ضعیف روایت بھی قابل عمل ہے)۔“

(۱۳) علامہ ابن الصلاح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”يجوز عند أهل الحديث وغيرهم التساهل في الأسانيد وروايته ما سوى الموضوع من أنواع الأحاديث الضعيفة من غير اهتمام ببيان ضعفها ----- (۱)“

(ترجمہ): ”محدثین اور غیر محدثین سب کے نزدیک اسانید میں تساہل برتنا، اور ضعیف کی قسموں میں سے موضوع روایت کے ماسوا روایت کرنا، اس کے ضعف بیان کئے بغیر جائز ہے۔“

(۱۴) علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ یوں گویا ہیں:

”قال العلماء من المحدثين والفقهاء وغيرهم: يجوز ويستحب العمل في الفضائل والترغيب والترهيب بالحدیث الضعیف ما لم یکن موضوعاً. (۲)“

”محدثین اور فقہاء وغیرہ کا کہنا ہے کہ فضائل اور ترغیب و ترہیب میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا جائز اور مستحب ہے۔“

(۱۵) علامہ ناصر الدین دمشقی رحمۃ اللہ علیہ (۳) لکھتے ہیں:

۱۔ معرفۃ انواع علم الحدیث: ص ۱۱۰-۱۱۱

۲۔ الاذکار المختارۃ من کلام سید الامار: ص ۱۵

۳۔ ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن محمد بن احمد بن مجاہد قیسی دمشقی شافعی جو ابن ناصر الدین کے نام سے مشہور ہیں آپ کی پیدائش ۷۷۷ھ میں ہوئی۔ اپنے زمانہ کے ارباب کمال سے علوم کی تحصیل کی اور بڑا کمال حاصل کیا، موصوف بلامنازعہ شام کے حافظ حدیث اور مشہور مورخ تھے، موصوف نے دار الحدیث الاشرفیہ کی مسند کو زینت بخشی۔ آپ کو ۸۴۲ھ میں دمشق کے ایک گاؤں میں شہید کر دیا گیا۔ چند مشہور تصانیف: عقود الدرر فی علوم الاثر، اقتحاح القاری، ح البخاری۔ ترجمہ کے لئے دیکھئے: شذرات الذہب فی اخبار من ذہب: ۳۷۸-۷۹، اور الاعلام: ۲۳۷/۶

”و قد روي عن جم من السلف، و جمع من الخلف فيما يروى عنهم، و نقل عنهم ابن المبارك، و ابن مهدي، و أحمد بن حنبل أنهم تساهلوا في رواية الحديث الضعيف الذي في إسناده مقال إذا كان في الترغيب و الترهيب، و القصص و الأمثال، و المواعظ، و فضائل الأعمال، و كما تجوز رواية الحديث الضعيف الوارد في بعض هذه الأمور؛ كذلك يجوز العمل به عند الجمهور“ (۱)

(ترجمہ): ”سلف اور خلف کی ایک بڑی جماعت سے منقول ہے اور ان سے عبد اللہ بن مبارک، عبد الرحمان بن مہدی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ نے نقل کیا ہے کہ انہوں نے تساہل برتا ہے اس ضعیف حدیث میں جس کی سند میں کلام ہو جب وہ روایت ترغیب و ترہیب، قصص، امثال، مواعظ اور فضائل اعمال میں ہو، اور جیسے ضعیف روایت کا روایت کرنا جائز ہے جو ان امور میں سے کسی امر میں وارد ہو ایسے ہی اس پر عمل کرنا بھی جمہور کے نزدیک جائز ہے۔“

جن لوگوں نے (جیسے شیخ ناصر الدین اور شیخ عبد الرحمان معلی) روایت اور عمل میں فرق کیا ہے کہ ضعیف روایت کو صرف روایت کرنا جائز ہے نہ کہ عمل کرنا، ان کے لئے حافظ ابن ناصر الدین دمشقی رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ عبارت میں خود جواب موجود ہے جس پر ابن ناصر الدین رحمۃ اللہ علیہ نے جمہور کا مذہب نقل کیا ہے۔

(۱۲) علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نظر جھکانے کی فضیلت میں چند احادیث کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

”ولكن في أسانيد ها ضعف، إلا أنها في الترغيب، و مثله يتسامح فيه“ (۲)

۱۔ تحقیق المقال فی تخریج احادیث فضائل اعمال: ص ۱۱۳

۲۔ تفسیر ابن کثیر: ۲۸۲/۳

(ترجمہ): ”یہ تمام سندیں ضعیف ہیں، مگر یہ کہ یہ ترغیب میں ہیں، اور ان جیسوں میں تساہل برتا جاتا ہے۔“

(۱۷) علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”ويحوز عند المحدثين وغيرهم التساهل في أسانيد سوى الموضوع في المواعظ، والقصص، وفصائل الأعمال.“ (۱)

(ترجمہ): ”حضرات محدثین وغیر محدثین سب نے موضوع روایت کے علاوہ ضعیف حدیث میں تساہل کو جائز کہا ہے جب مواعظ، قصص اور فضائل اعمال میں ہو۔“

(۱۸) علامہ زرکشی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

”ويحوز روايته والعمل به في غير ذلك كالقصص وفصائل الأعمال، والترغيب

والترهيب، ونقل ذلك عن ابن عبد الرحمان بن مهدي، وأحمد بن حنبل.“ (۲)

(ترجمہ): ”ضعیف حدیث کو روایت کرنے کے ساتھ ساتھ اس پر عمل کرنا بھی جائز ہے عقائد اور احکام کے علاوہ جیسے فضائل اعمال، قصص اور ترغیب و ترہیب میں، اور عبد الرحمان بن مہدی رحمہ اللہ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی یہی رائے ہے۔“

(۱۹) علامہ عراقی (۳) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

۱۔ الخلاصة في اصول الحديث: ص ۲۸

۲۔ التلک علی کتاب ابن الصلاح: ص ۲۳۵

۳۔ ابو الفضل عبد الرحیم بن الحسین بن عبد الرحمان کردی عراقی شافعی موصوف عراقی کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ کی پیدائش ۷۲۵ھ میں ہوئی۔ موصوف نے ارباب کمال سے علوم کی تحصیل کی۔ موصوف بلاشبہ اپنے زمانہ کے حافظ حدیث تھے، موصوف کو تصنیف و تالیف میں بھی ید طولی حاصل تھا۔ وفات ۸۰۶ھ میں ہوئی۔ چند مشہور تصانیف: المغنی عن حمل الاسفار فی الاسفار، الالفیہ، التقیید والایضاح۔ ترجمہ کے لئے دیکھئے: شذرات الذهب فی اخبار من ذهب

: ۱۸۲/۷-۱۸۳، اور الاعلام: ۳۳۲/۳-۳۳۵

”وأما غير الموضوع فَجَوَزُوا التَّساهُلَ فِي إِسْنَادِهِ،
وَرَوَاتِهِ مِنْ غَيْرِ بَيَانٍ لضعفه إِذَا كَانَ فِي غَيْرِ الْأَحْكَامِ
وَالْعُقَا ئِد. بَلْ فِي التَّرْغِيبِ وَالتَّرْهِيْبِ، مِنْ الْمَوَاعِظِ
وَالْقَصَصِ، وَفَضَائِلِ الْأَعْمَالِ، وَنَحْوِهَا. “ (۱)

(ترجمہ): ”اگر حدیث ضعیف ہو لیکن موضوع نہ ہو تو محدثین اس کی اسناد میں تساہل
کو جائز سمجھتے ہیں اور یہ بھی جائز قرار دیتے ہیں کہ ضعف کی تصریح کئے بغیر بیان بھی
کیا جاسکتا ہے جب کہ حدیث کا تعلق احکام و عقائد سے نہ ہو بلکہ مواعظ، قصص اور
فضائل اعمال میں ترغیب و ترہیب سے ہو۔“

(۲۰) حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ (۲) پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
”فذكر في كتابه الحديث المنكر و الضعيف الذي يحتمل
في الترغيب والترهيب. “ (۳)

(ترجمہ): ”علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب میں منکر اور ضعیف احادیث کو
بھی لیکر آئے ہیں جو ترغیب و ترہیب میں قابل عمل ہیں۔“

(۲۱) محقق ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

- ۱۔ (شرح التبصرة والتذكرة: ۳۲۵/۱)
- ۲۔ ابوالفرج عبدالرحمان بن علی بن بغدادی حنبلی جو ابن الجوزی کے نام سے مشہور ہیں ۵۱۰ھ میں
پیدا ہوئے کبار علماء امت سے علم حاصل کیا۔ آپ مشہور واعظ، مفسر قرآن، حافظ حدیث، فقیہ،
زاهد اور مورخ تھے۔ اور موصوف کو تصنیف و تالیف میں بھی ید طولی حاصل تھا، موصوف کی علمی
خدمات نہایت قابل قدر ہیں مگر موصوف میں بھی ایک گونہ تشدد تھا جس پر علماء نے نکیر کی
ہے۔ وفات ۵۹۷ھ میں ہوئی۔ چند مشہور تصانیف: زاد المسیر، تلخیص ابلیس، المنتظم۔ ترجمہ
کے لئے دیکھئے: البدایہ والنہایہ: ۴۶۵/۱۴-۴۷۰، شذرات الذهب فی اخبار من
ذہب: ۴۳/۵-۴۵:

”فالضعیف غیر الموضوع، یعمل بہ فی فضائل الأعمال“ (۱)

(ترجمہ): ”ضعیف روایت جبکہ موضوع نہ ہو فضائل اعمال میں قابل عمل ہے۔“
نیز موصوف رقمطراز ہیں:

”الاستحباب یثبت بالضعیف غیر الموضوع“ (۲)

(ترجمہ): ”ضعیف حدیث جبکہ موضوع نہ ہو، اس سے استحباب ثابت ہوتا ہے۔“

(۲۲) سید شریف جرجانی (۳) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”و یجوز عند العلماء التساہل فی إسناد الضعیف دون الموضوع وروایتہ من غیر بیان ضعفہ فی المواعظ والقصص.“ (۴)

(ترجمہ): ”علماء کرام کے نزدیک موضوع روایت کے علاوہ ضعیف حدیث کی سند میں تساہل برتنا جائز ہے، اسی طرح اس کا روایت کرنا مواعظ اور قصص میں، اس کا ضعف بیان کئے بغیر۔“

۱۔ فتح القدیر: ۳۰۳/۱

۲۔ فتح القدیر: ۹۵/۲

۳۔ ابوالحسن علی بن محمد بن علی حسینی جرجانی حنفی جو سید شریف جرجانی کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ کی

پیدائش ۴۰۷ھ میں ہوئی اپنے زمانہ کے ارباب کمال سے علوم کی تحصیل کی، اور کم عمری میں علوم

سے فراغت حاصل کی۔ موصوف نے فراغت کے بعد درس و تدریس کا مشغلہ اختیار کیا

۔ موصوف کو علوم حدیث، نحو، لغت، معانی، منطق اور تصنیف و تالیف میں مہارت کاملہ حاصل

تھا۔ وفات ۸۱۶ھ میں ہوئی۔ چند مشہور تصانیف: التعریفات، شرح السراجیہ، مختصر جامع

لمعرفۃ علوم الحدیث۔ ترجمہ کے لئے دیکھئے: الفوائد البہیہ فی تراجم الحنفیہ: ص ۱۲۵-۱۲۷،

اور الاعلام: ۵: ۷

۴۔ ظفر الامانی بشرح سید شریف جرجانی: ص ۱۸۱

(۲۳) علامہ جلال الدین محلی^(۱) رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

وضوء کے دوران ہر عضو کے دھونے کے متعلق دعاء کے نقل کرنے کے بعد چند ایک روایات نقل کر کے:

”وإن كانت ضعيفة للعمل بالحدیث الضعیف فی فضائل الأعمال.“ (۲)

(ترجمہ): ”اور یہ طرق اگرچہ ضعیف ہیں لیکن فضائل اعمال میں قابل اعتبار ہیں۔“

(۲۴) علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”وسهلو فی غیر الموضوع... من غیر تبیین لضعفه لکن فیما یكون فی الترغیب والترہیب من المواعظ والقصاص وفضائل الأعمال ونحو ذلك خاصة.“ (۳)

(ترجمہ): ”اور موضوع روایت کے علاوہ میں تساہل کو جائز کہا ہے اس کا ضعف بیان کئے بغیر جب ترغیب و ترہیب، مواعظ و قصص اور فضائل اعمال وغیرہ میں ہو۔“

(۲۵) علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”ويعمل بالضعیف أيضاً فی الأحکام إذا کان فیہ احتیاط.“ (۴)

۱۔ جلال الدین محمد بن احمد بن ابراہیم محلی شافعی آپ کی پیدائش مصر میں ۷۱۷ھ میں ہوئی علم کی تکمیل اپنے زمانہ کے کبار علماء امت سے کیا، اور تفسیر، فقہ، کلام، اصول، نحو، منطق وغیرہ میں بلند مقام پایہ، موصوف زکاوت اور بے پناہ ذہانت میں گویا کہ اللہ جل شانہ کی ایک نشانی تھی۔ ورع، امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور دنیا سے بے رغبتی میں بھی آپ کی ذات نمایاں ہیں وفات ۸۶۴ھ میں ہوئی۔ چند مشہور تصانیف: شرح الجمع الجوامع، شرح المنہاج، شرح القواعد۔ ترجمہ کے لئے دیکھئے: شذرات

الذہب فی اخبار من ذہب ۴۳۲/۷-۴۳۳، اور الاعلام ۳۳۳/۵

۲۔ شرح الجلال المحلی علی المنہاج للنووی: ۵۶/۱

۳۔ فتح المغیث بشرح الفیہ الحدیث: ۱/۳۳۹

۴۔ تدریب الراوی فی شرح تقریب النوادی: ۳۵/۱

(ترجمہ): ”اور ضعیف حدیث احکام میں بھی معتبر ہے جبکہ اس میں احتیاط کا پہلو ہو۔“
یہ عبارات بھی اپنے مفہوم کے لحاظ سے بالکل روشن اور بے غبار ہے مزید تشریح کی حاجت نہیں۔

(۲۶) علامہ زکریا انصاری (۱) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”جَوَزُوا التَّسَاهُلَ فِي غَيْرِ مَوْضُوعٍ مِنْ غَيْرِ تَبْيِينٍ لضعفه إِنْ
كَانَ فِي التَّرْغِيبِ وَالتَّرْهِيْبِ مِنَ الْمَوَاعِظِ وَالْقَصَصِ وَفَضْلِ
أَعْمَالٍ وَنَحْوِهَا.“ (۲)

(ترجمہ): ”اور موضوع روایت کے علاوہ میں تساہل کو جائز کہا ہے اس کا ضعف بیان
کئے بغیر جب ترغیب و ترہیب، مواعظ و قصص اور فضائل اعمال وغیرہ میں ہو۔“

(۲۷) علامہ ابن حجر مکی یتیمی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”قَدْ اتَّفَقَ الْعُلَمَاءُ عَلَى جَوَازِ الْعَمَلِ بِالْحَدِيثِ الضَّعِيفِ فِي
فَضَائِلِ الْأَعْمَالِ.“ (۳)

(ترجمہ): ”یعنی فضائل اعمال“ میں ضعیف حدیث پر عمل کے بارے میں علماء کا
اتفاق ہے۔“

۱۔ ابو یحییٰ زکریا بن محمد بن احمد بن زکریا انصاری خزر جی شافعی ۸۲۳ھ کو مصر میں پیدا ہوئے
اور یہی ابتدائی تعلیم ہوئی۔ موصوف نے تفسیر، حدیث، فقہ، اصول اور ادب کی تکمیل اس دور
کے نامور علماء سے کی اور سینکڑوں مشائخ وقت اور محدثین سے روایت حدیث کی اجازت حاصل
کی۔ جب موصوف نے علوم دینیہ کی تحصیل کر لی تو درس و تدریس کا شغل اختیار کیا اور نہایت
خوش حال زندگی بسر کی۔۔۔ عہدہ قضا پر تقرر ہوا۔ اس کے بعد نہایت عظیم الشان منصبوں پر فائز
ہوئے۔ مقام امام شافعی میں تدریس کا عہدہ ملا جو اس زمانے میں سب سے بڑا عہدہ تھا
۔ وفات ۹۲۵ھ میں ہوئی۔ چند مشہور تصانیف: فتح الباقی، آداب القاضی علی مذہب
الشافعی، فتوحات الالہیہ۔ ترجمہ کے لئے دیکھئے: النور السافر عن اخبار القرن
العاشر: ۱۷۲-۱۷۷، اور شذرات الذہب فی أخبار من ذہب: ۱۷۸-۱۷۶، اور فوائد جامعہ۔

عجالتاً: ص ۳۳۲-۳۳۹

۲۔ فتح الباقی علی المذہب العرانی: ۳۰۴/۱

۳۔ الفتح المبین شرح الاربعین: ص ۳۲

(۲۸) علامہ ابن نجار حنبلی (۱) رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

”ويعمل بالضعيف في الفضائل.“ (۲)

(ترجمہ): ”اور ضعیف حدیث پر فضائل اعمال میں عمل کیا جائے گا۔“

(۲۹) خطیب محمد بن محمد شربنی (۳) رحمۃ اللہ علیہ ایک حدیث نقل کر کے لکھتے ہیں:

”هذا الحديث منقطع، لكنه من الفضائل فيتسامح فيه.“ (۴)

(ترجمہ): ”یہ حدیث منقطع تو ہے، لیکن فضائل میں ہونے کی بنا پر اس میں تساہل

سے کام لیا جائے گا۔“

ان عبارات میں بھی یہ حقیقت واشگاف کی گئی ہے کہ ضعیف حدیث فضائل میں قابل اعتبار

ہے۔

۱۔ ابوالبقاء تقی الدین محمد بن احمد بن عبدالعزیز فتوحی حنبلی جو ابن نجار کے نام سے مشہور ہیں موصوف

کی پیدائش ۸۹۸ھ میں ہوئی تحصیل علوم اپنے والد ماجد سے کرنے کے ساتھ ساتھ اس زمانے

کے ارباب علم و فضل سے کیا اور تمام علوم میں مہارت حاصل کی حتیٰ کہ یہاں تک کہا جانے لگا کہ

حنبل مذہب کی ان پر انتہا ہو گئی، موصوف مشہور فقیہ، اصولی، شیریں کلام، عابد، زاہد اور بڑے متقی

تھے، موصوف کو اہل شہر کی خواہش پر عہدہ قضاء بھی سپرد کیا گیا۔ وفات ۹۷۹ھ میں ہوئی۔ چند

مشہور تصانیف: الکوکب المنیر، منتہی الارادات فی جمع المقنع مع التلخیص و زیادات۔ ترجمہ کے لئے

دیکھئے: شذرات الذہب فی اخبار من ذہب: ۷۸/۴۵-۴۵۸، الاعلام: ۶/۶۶

۲۔ شرح الکوکب المنیر: ۵۶۹/۲

۳۔ شمس الدین محمد بن احمد شربنی قاہری شافعی۔ موصوف نے اپنے زمانہ کے ارباب کمال سے

علوم کی تحصیل کی، فراغت کے بعد درس و تدریس کا شغل اختیار کیا۔ موصوف مشہور مفسر و فقیہ تھے،

زہد و ورع اور کثرت عبادت میں بھی مشہور تھے۔ وفات ۹۷۷ھ میں ہوئی۔ چند مشہور تصانیف:

تفسیر سراج المنیر، مغنی المحتاج، الاتباع فی حل الاقاظ ابی شجاع۔ ترجمہ کے لئے دیکھئے: شذرات

الذہب فی اخبار من ذہب: ۸/۴۵۱، اور الاعلام: ۶/۶۶

۴۔ مغنی المحتاج شرح المنہاج: ۲۳۱/۱

(۳۰) ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”والضعیف يعمل به في فضائل الأعمال اتفاقاً.“ (۱)
(ترجمہ): ”اور ضعیف حدیث کا فضائل اعمال میں قابل عمل ہونا اتفاقی مسئلہ ہے۔“

(۳۱) علامہ علاء الدین ہسکفی حنفی (۲) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”في عمل به في فضائل الأعمال.“ (۳)
(ترجمہ): ”ضعیف حدیث پر فضائل اعمال میں عمل کیا جائے گا۔“

(۳۲) علامہ صنعانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”وأما غير الموضوع فجوزوا التساهل فيه وروايته من غير بيان لضعفه إذا كان في غير الأحكام والعقائد كصفات الله تعالى.“ (۴)

(ترجمہ): ”بہر حال موضوع روایت کے علاوہ ضعیف حدیث میں حضرات محدثین نے تساہل کو جائز قرار دیا ہے اور اس کا روایت کرنا اس کے ضعف بیان کے بغیر جب وہ روایت احکام اور عقائد جیسے صفات باری تعالیٰ میں نہ ہو۔“

۱۔ الموضوعات الکبریٰ: ص ۳۰۹

۲۔ محمد بن علی بن محمد بن علی ہسکفی حنفی علاء الدین ہسکفی کے نام سے مشہور ہیں ۱۰۲۵ھ میں پیدا ہوئے۔ موصوف مشہور محدث و فقیہ جامع معقول و منقول، صاحب تصانیف کثیرہ تھے، احادیث و مرویات کے بڑے حافظ تھے، آپ کے فضل و کمال کی شہادت آپ کے مشائخ و اساتذہ اور ہم عصرین نے بھی دی ہے، خصوصیت سے آپ کے شیخ خیر الدین ربلی نے آپ کے کمال درایت و روایت کی بڑی تعریف کی ہے۔ وفات ۱۰۸۸ھ میں ہوئی۔ چند مشہور تصانیف: الدر المختار فی شرح تنویر البصار، الدر المنثور، افاضۃ الانوار علی اصول المنار۔ ترجمہ کے لئے دیکھئے: الاعلام: ۶/۲۹۴، اور انوار الباری شرح صحیح البخاری: ۳/۳۷۵

۳۔ رد المختار علی در المختار: ۱/۱۲۸

۴۔ توضیح الافکار لمعانی تنقیح الانظار: ۲/۱۱۷

(۳۳) علامہ عبدالعزیز فرہاروی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”قال النووي، وابن جماعة، والطبي، والبلقيني، والعراقي بجواز روايته الضعيف في غير الأحكام والعقائد من غير بيان ضعفه، كالقصص، والمواعظ، والترغيب، والترهيب، والفضائل۔“ (۱)

(ترجمہ): ”امام نووی، ابن جماعہ، علامہ طیبی، علامہ بلقینی اور حافظ عراقی نے ضعیف روایت کی روایت کرنے کو احکام اور عقائد کے علاوہ جیسے قصص، مواعظ، ترغیب و ترہیب اور فضائل میں جائز قرار دیا ہے، اس کے ضعف بیان کئے بغیر۔“

(۳۴) علامہ عبدالحی لکھنوی حنفی رحمۃ اللہ علیہ نے جمہور علماء امت کا مسلک بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

”ويعلم أن ممن نصَّ على قبول الحديث الضعيف في فضائل الأعمال، أحمد بن حنبل وغيره، واختاره جمع عظيم من المحدثين، وصرح به ابن سيد الناس في سيرته المسماة ”بعيون الأثر“ وعلي القاري في ”الحظ الأوفر في الحج الأكبر“ وفي ”كتاب الموضوعات“ والسيوطي في رسالته ”المقامة السندسية“ ورسالة ”التعظيم والمنة في أن أبوي رسول الله ﷺ في الجنة“ ورسالته ”طلوع الشريا بإظهار ما كان خفياً“ والسخاوي في ”القول البديع في الصلاة على الحبيب الشفيع“ والعراقي في ”ألفيته“ والنووي في كتابه ”الأذكار“ وفي ”التقريب“ وشرح ”الألفية“ كالسخاوي، وشيخ زكريا الأنصاري، وغيرهما، والحافظ

ابن حجر و ابن الہمام فی کتابہ ”تحریر الاصول“ و فی حاشیۃ الہدایۃ المسماۃ ”بفتح القدر“ و غیر ہم ممن تقدم علیہم أو تأخر۔“ (۱)

(ترجمہ): ”اور معلوم ہونا چاہئے کہ جن حضرات نے ضعیف حدیث کے فضائل اعمال میں قابل عمل ہونے کی تصریح کی ہے وہ امام احمدؒ و غیرہ حضرات ہیں، اور اسی کو حضرات محدثین کی ایک بڑی جماعت نے اختیار کیا ہے جس کی تصریح ابن سید الناس نے ”عیون الاثر“ میں اور ملا علی قاری نے ”الخط الاوفیٰ فی الحج الاکبر“ اور ”موضوعات گمری“ میں اور حافظ سیوطی نے ”اپنے رسائل“ ”المقامۃ السندیۃ“ اور ”التعظیم والمہمۃ فی ان ابوی رسول اللہ ﷺ فی الحجۃ“ اور ”طلوع الثریا باظہار ما کان خفیاً“ میں اور حافظ سخاوی نے ”القول البدیع فی الصلاۃ علی الحبیب الشفیع“ میں اور علامہ عراقی نے ”الفیہ“ میں اور شراح ”الفیہ“ نے جیسے سخاوی اور شیخ زکریا انصاری وغیرہ نے، اور حافظ ابن حجر اور ابن ہمام نے اپنی کتاب ”تحریر الاصول“ اور ”فتح القدر“ میں اور ان کے علاوہ جو حضرات ان سے پہلے کے ہوں یا بعد کے، سب نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ ضعیف الاسناد احادیث فضائل اعمال میں معتبر ہیں۔“

نیز موصوف رقمطراز ہیں:

”و الاستحباب یثبت بالضعیف غیر الموضوع۔“ (۲)

(ترجمہ): ”اور استحباب موضوع کے علاوہ ضعیف حدیث سے بھی ثابت ہوتا ہے۔“

علامہ عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کے اس فتویٰ پر اس وقت کے مشہور علماء میں

۱۔ ظفر الامامی بشرح سید شریف جرجانی: ص ۱۸۹

۲۔ الرفع والتکمیل فی الجرح والتعدیل: ص ۳۲

سے (۳۳) علامہ سید محمد نذیر حسین (۱) مولانا محمد عبدالرب (۲)، مولانا سید شریف حسین (۳)، مولانا سید احمد حسین (۴) اور مولانا محمد حفیظ اللہ صاحب (۵) نے بالفاظ ”الجواب صحیح“

۱۔ نذیر حسین بن جواد علی بن عظمۃ اللہ بن اللہ بخش حسینی سلفی دہلوی موصوف کی پیدائش ۱۲۲۰ھ یا ۱۲۲۵ھ میں ہندوستان کے مشہور شہر دہلی میں ہوئی، موصوف نے اپنے وقت کے ارباب کمال سے علوم کی تکمیل کی اور بڑا کمال حاصل کیا، آپ کو تفسیر اور حدیث میں کمال و مہارت تامہ حاصل تھی موصوف میں عمل، پاک دامن، دیانت داری اور پرہیزگاری اعلیٰ پیمانہ پر تھی موصوف نے درس و تدریس کو اپنا مشغلہ بنا رکھا تھا، وفات ۱۳۲۰ھ میں ہوئی۔ چند مشہور تصانیف: معیار الحق، ثبوت الحق، مجموع الفتاویٰ ترجمہ کے لئے دیکھئے: نزہۃ الخواطر و ہجۃ المسامح والنواظر: ۵۲۳/۸-۵۲۶، اور انوار الباری شرح صحیح البخاری ۴۰۹/۲-۴۱۲

۲۔ مولانا محمد عبدالرب عبدالرب بن عبدالحق حسینی دہلوی بانی مدرسہ عبدالرب، موصوف اپنے زمانہ کے مشاہیر اہل علم میں ہونے کے علاوہ مشہور خطیب و واعظ بھی تھے، وفات ۱۳۳۵ھ میں ہوئی، تصانیف: فردوس آسیہ، ترجمہ کے لئے دیکھئے: نزہۃ الخواطر و ہجۃ المسامح والنواظر: ۲۵۷/۸

۳۔ سید شریف حسین بن نذیر حسین سلفی دہلوی ۱۲۲۸ھ میں پیدا ہوئے موصوف نے علوم کی تکمیل اپنے والد ماجد سے کی، اور برابری کے صحبت میں رہے یہاں تک کہ افتاء اور تدریس کی صلاحیت پیدا ہو گئی تو والد نے یہ دونوں شعبے ان کے حوالہ کیئے، موصوف پھر بھی یہ دونوں کام والد کی موجودگی میں کیا کرتے تھے، وفات ۱۳۰۲ھ میں ہوئی۔ ترجمہ کے لئے دیکھئے: نزہۃ الخواطر و ہجۃ المسامح والنواظر: ۱۹۳/۸

۴۔ مولانا سید احمد حسین۔ احمد حسین بن بدرالدین عثمانی حنفی موصوف نے ہندوستان کے مشہور و معروف دینی درسگاہوں میں اپنے زمانہ کے کبار علماء امت سے علوم کی تکمیل کی۔ فراغت کے بعد درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کا مشغلہ اختیار کیا۔ آپ ذکاوت اور بے پناہ ذہانت میں بہت مشہور تھے۔ وفات ۱۳۵۲ھ میں ہوئی۔ چند مشہور تصانیف: سیرۃ نور الدین محمود الزنگی، سیرۃ صلاح الدین ایوبی۔ ترجمہ کے لئے دیکھئے: نزہۃ الخواطر و ہجۃ المسامح والنواظر: ۴۹/۸

۵۔ مولانا حفیظ اللہ صاحب رحمہم اللہ حفیظ اللہ بن گاما خان سلفی دہلوی موصوف کی پیدائش دہلی میں ہوئی اور ابتدائی تعلیم بھی یہی حاصل کی، پھر حجاز کا سفر کیا اور وہاں شیخ نذیر حسین کی مجلس کو لازم پکڑا اور ان سے علم حدیث، تفسیر، فقہ حنفی اور اصول کی تکمیل کی، فراغت کے بعد تاحیات درس و تدریس اور وعظ و نصیحت کا مشغلہ اختیار کیا۔ وفات ۱۳۲۲ھ میں ہوئی۔ ترجمہ: نزہۃ الخواطر و ہجۃ المسامح والنواظر: ۱۳۵/۸-۱۳۶

والرأي نحيح“ دستخط ثبت کئے ہیں جس سے مذکورہ الصدر حضرات کا بھی بالاتفاق ضعیف حدیث سے استنباط کے ثبوت کا مسلک واضح نظر آتا ہے۔

(۳۵) فقیہ الہند مولانا رشید احمد گنگوہی (۱) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”أن الرواية الضعيفة معتبرة في فضائل الأعمال“ (۲)

(ترجمہ): ”ضعیف روایت فضائل اعمال میں معتبر ہے۔“

(۳۶) دور آخر میں مغرب کے محدث علامہ عبداللہ غماری (۳) رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

”حفاظ الحديث اتفقوا على جواز العمل بالحديث“

۱۔ رشید بن ہدلیہ احمد انصاری گنگوہی حنفی آپ کی ولادت ۱۲۲۲ھ میں ہوئی، ابتدائی تعلیم گنگوہ میں ہوئی، پھر دہلی تشریف لے گئے مولانا مملوک علی صاحب وغیرہ سے تکمیل کی اور تفسیر و حدیث حضرت شاہ عبدالغنی صاحب وغیرہ سے پڑھی، چار سال میں تمام علوم ظاہری سے کامل و مکمل ہو کر وطن واپس ہوئے اور درس و افادہ میں مصروف ہو گئے، موصوف کا درس حدیث نہایت محققانہ، محدثانہ و فقیہانہ تھا، جس کا اندازہ آپ کے درس کی تقاریر سے بخوبی ہوتا ہے، علامہ کشمیری فرمایا کرتے تھے کہ حضرت گنگوہی نہ صرف مذہب حنفی کے ماہر تھے، بلکہ چاروں مذاہب کے فقیہ تھے، میں نے ان کے سواء کسی کو نہیں دیکھا جو چاروں مذاہب کا ماہر ہو، موصوف یہ بھی فرماتے تھے کہ حضرت گنگوہی کو فقیہ فی النفس کا مرتبہ حاصل تھا۔ وفات ۱۳۱۳ھ میں ہوئی۔ چند مشہور تصانیف: امداد السلوک، ہدایۃ الشیعہ، زبدۃ المناسک۔ ترجمہ کے لئے دیکھئے:

الاعلام: ۲۶۳، انوار الباری شرح صحیح البخاری: ۳۱۲/۲-۳۱۳ اور مشاہیر علماء: ۱۸۶/۱، ۱۸۸

۲۔ الکوکب الدرّی علی جامع الترمذی: ۱۸۵/۱

۳۔ ابوالفضل عبداللہ بن محمد بن الصدیق بن احمد حسینی غماری موصوف ۱۳۲۸ھ میں ہوئی۔ اپنے زمانہ کے ارباب کمال سے علوم کی تحصیل کی، موصوف اپنے زمانے کے مشہور محدث، حافظ حدیث، فقیہ، اصولی، باحث، محقق، متکلم اور محقق تھے، موصوف کو درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں بھی ید طولی حاصل تھا، چنانچہ بہت سے مشہور معروف دینی اداروں میں مسند درس کو زینت بخشی۔ وفات ۱۴۱۳ھ میں ہوئی۔ چند مشہور تصانیف: فضائل القرآن، الفتاویٰ، الحج المینات فی اثبات الکرامات۔ ترجمہ کے لئے دیکھئے: اتمام الاعلام: ۲۶۳-۲۶۴، اور تحفۃ الاعلام: ۲۳-۲۶

الضعیف فی فضائل الأعمال... ومعهم فقهاء المذاهب الأربعة. (۱)

(ترجمہ): ”فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل کے جواز پر حفاظ حدیث کا اتفاق ہے اور ان کے ساتھ اس مسئلہ میں چاروں مذاہب کے فقہاء بھی ہیں۔“
(۳۷) دور حاضر کے مشہور محدث و محقق شیخ محمد عوامہ مدظلہ (۲) لکھتے ہیں:

”أما الحديث الضعيف: فذهب جمهورهم - بل جماهيرهم - إلى العمل به في الأعمال... وهذا معلوم شائع.“ (۳)

(ترجمہ): ”بہر حال ضعیف حدیث: تو جمہور اس بات کی طرف گئے ہیں کہ فضائل اعمال میں حجت ہے، اور یہ مشہور و معروف مذہب ہے۔“

نیز موصوف فرماتے ہیں:

”و بهذا يتبين أن للحدیث الضعیف قيمة و اعتباراً فی نظر

۱۔ تحقیق المقال فی تخریج احادیث فضائل اعمال ص ۱۱۴

۲۔ محمد بن عوامہ حلبی حنفی موصوف حلب میں ۱۳۵۸ھ میں پیدا ہوئے موصوف نے علوم کی تکمیل بلاد عرب کے مشہور و معروف مدارس میں کبار علماء امت سے کی، جیسے مدینہ منورہ، حلب، دمشق، مصر اور جدہ۔ فراغت کے بعد موصوف نے درس و تدریس، تصنیف و تالیف اور تحقیق و تعلیق و تخریج کا مشغلہ اختیار کیا اور تا وقت جاری ہے۔ موصوف نے تصنیفی، تحقیقی اور تخریجی میدان میں جو کام سرانجام دیئے ہیں وہ کسی سے مخفی نہیں۔ چند مشہور تصانیف: ادب الاختلاف فی مسائل العلم والدین، اثر الحدیث الشریف فی اختلاف الفقهاء۔ تحقیق و تعلیق و تخریج: تقریب التہذیب، الکاشف فی معرفۃ من لہ رولۃ فی الکتب الہیۃ، مصنف ابن ابی شیبہ جو تقریباً ۲۶ ضخیم جلدوں میں چھپ چکی ہے، تحقیق سنن ابی داؤد جو ۶ ضخیم جلدوں میں چھپ چکی ہیں، نصب الرایۃ یہ بھی ۶ ضخیم جلدوں میں چھپ چکی ہے، پہلی جلد میں دراسہ ہے جو انتہائی وسیع مباحث اور موازنہ پر مشتمل ہے۔ تحقیق القول البدیع، وغیرہ ذلک

۳۔ اثر الحدیث الشریف فی اختلاف الائمة الفقهاء: ص ۳۶

أئمتنا السالفین، کما رأیناہ علی خلاف ما یشیعہ بعض الناس اليوم إذ أهدروہ مطلقاً و ألحقوہ بالحدیث الموضوع و نظموا ہما فی (سلسلہ) واحدة۔“ (۱)

(ترجمہ): ”اس سے یہ ظاہر ہو گیا کہ ضعیف حدیث قابل قدر و قیمت ہے، اور ہمارے ائمہ سلف کی نظروں میں قابل اعتبار تھی، جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں، بخلاف اس بات کے جو بعض لوگ پھیلا رہے ہیں جنہوں نے ضعیف حدیث کو موضوع کے ساتھ ملا کر بالکل ساقط الاعتبار قرار دیا ہے اور دونوں کو ایک ہی لڑی میں پرو دیا ہے۔“

(۳۸) شیخ نور الدین عمر (۲) مدظلہ العالی رقمطراز ہیں:

”یبدو أن أو سبط هذه المذاهب هو أعدلها وأقواها۔“ (۳)

(ترجمہ): ”اس سے ظاہر ہو گیا کہ درمیانہ (یعنی دوسرا) مذہب (کہ ضعیف حدیث فضائل اعمال میں معتبر ہے) سب سے زیادہ معتدل اور قوی ہے۔“

ان صریح عبارات سے بھی معلوم ہوا کہ ضعیف حدیث کی حجیت فی الفضائل ایک مسلمہ حقیقت ہے۔

- ۱۔ اثر الحدیث الشریف فی اختلاف الائمة الفقہاء: ص ۴۱
- ۲۔ موصوف دور حاضر کے مشہور و معروف محقق ہیں، تحقیقی کام ہی ایسے کئے ہیں جن سے موصوف کی علمی شخصیت نمایاں ہوتی ہے، موصوف نے علوم کی تکمیل بلاد عرب کے مشہور و معروف مدارس میں کبار علماء امت سے کی، فراغت کے بعد موصوف نے تصنیفی، تحقیقی تعلق اور تخریجی میدان میں جو کام سرانجام دیئے ہیں وہ کسی سے مخفی نہیں اور یہ تا وقت جاری ہیں۔ موصوف حاضر وقت میں حلب و دمشق کے جامع کلیۃ الشریعہ میں استاذ علوم قرآن و علوم حدیث ہیں: چند تصانیف: منہج الہد فی علوم الحدیث، تحقیق و تعلیق و تخریج: علوم الحدیث، نزہۃ النظر، ارشاد طلاب الحقائق، شرح علل الترمذی وغیرہ ذلک۔
- ۳۔ منہج الہد فی علوم الحدیث: ص ۲۷۴-۲۷۵

حدیث ضعیف سے استحباب کا ثبوت کے حکم اور اس پر اشکال و جواب:

یہاں ایک اہم اشکال وارد ہوتا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جمہور علماء ایک طرف تو فرماتے ہیں کہ ضعیف حدیث احکامات میں حجت نہیں، اور یہ کہتے ہیں کہ حدیث ضعیف سے استحباب اور جواز ثابت ہو سکتا ہے، تو استحباب اور جواز بھی تو احکام شرعیہ میں سے ایک حکم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ پھر یہ کیسے فرماتے ہیں کہ حدیث ضعیف سے استحباب و جواز ثابت ہوگا، اس کے نتیجے میں حدیث ضعیف سے حکم شرعی کا اثبات تو ہو گیا۔ اس لئے ایک طرف یہ کہنا کہ ضعیف حدیث سے استحباب و جواز ثابت ہو جاتا ہے اور دوسری طرف یہ بتانا کہ حدیث ضعیف سے احکام ثابت نہیں ہوتے دونوں میں اس لحاظ سے بظاہر تضاد ہے۔

چنانچہ اس اشکال کا تذکرہ کرتے ہوئے علامہ دوانی رحمۃ اللہ علیہ (۱) رقمطراز ہیں:

”اتفقوا علی أن الحدیث الضعیف لا یثبت به الأحکام الشرعیة، ثم ذکرُوا أنه یجوز بل یتحب العمل بالأحادیث الضعیفة فی فضائل الأعمال، و ممن صرح به النووی فی کتبه لا سیما کتاب الأذکار، وفیه إشکال؛ لأن جواز العمل واستحبابه کلاهما من الأحکام الخمسة الشرعیة، فإذا استحب العمل بمقتضی الحدیث الضعیف کان ثبوته بالحدیث الضعیف، وذلك ینافی ما تقرر من

۱۔ جلال الدین محمد بن اسعد بن محمد بکری دوانی شافعی۔ موصوف کی پیدائش ۸۲۰ھ میں ہوئی۔ موصوف نے ارباب کمال سے علوم کی تحصیل کی۔ موصوف نے جملہ علوم خصوصاً علم معقولات میں کمال حاصل کیا اور پھر درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کا مشغلہ اختیار کیا۔ کچھ عرصہ فارس میں عہدہ قضاء پر فائز رہے۔ موصوف بلاشبہ امام معقولات تھے۔ وفات ۹۲۸ھ میں ہوئی۔ چند مشہور تصانیف: انموزج العلوم، حاشیہ شرح العقائد، شرح علی متن تہذیب المنطق۔ ترجمہ کے لئے دیکھئے: النور السافر عن اخبار القرن العاشر: ص ۱۹۰-۱۹۲، اور فوائد جامعہ برعجالہ نافعہ:

عدم ثبوت الأحكام بالحدیث الضعیفة . “(۱)

(ترجمہ): ”سب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ضعیف حدیث سے احکام شرعیہ ثابت نہیں ہوتے، پھر یہ کہتے ہیں کہ ضعیف حدیث پر عمل کرنا جائز نہیں بلکہ مستحب ہے، اور جنہوں نے اس بات کی تصریح کی ہے ان میں سے امام نووی بھی ہے جنہوں نے اپنی کتب میں خصوصاً کتاب الاذکار میں اس کا ذکر کیا ہے، لیکن اس پر اشکال وارد ہوتا ہے، اس لئے کہ جواز عمل و استحباب دونوں احکام خمسہ شرعیہ میں سے ہیں، پھر جب ضعیف حدیث سے استحباب عمل ثابت ہوا تو اس کا ثبوت ضعیف حدیث سے ہوا، اور یہ بات اس تقریر کے منافی ہے جس میں کہا ہے کہ ضعیف حدیث سے احکام شرعیہ ثابت نہیں ہوتے۔“

اشکال کا جواب:

اس اشکال کا مختصر جواب تو یہ ہے کہ تمام احکامات ایک درجے اور مقام کے نہیں، بلکہ ان میں فرق مراتب ہے۔ فرض، واجب، سنت موکدہ، اور پھر مستحب و جواز۔ اسی طرح حرام، مکروہ تحریمی، مکروہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ۔ اس کے بالمقابل احادیث میں بھی فرق مراتب ہے۔ حدیث متواتر، مشہور، عزیز اور غریب اسی طرح حدیث موضوع، حدیث منکر، حدیث ضعیف۔ چونکہ استحباب اور جواز احکامات کے سلسلہ میں کم درجے کے ہیں، لہذا جمہور علماء نے اس سلسلہ میں نرمی سے کام لیا اور استحباب اور جواز کے ثبوت میں حدیث ضعیف کو حجت مان لیا۔ لہذا جہاں جمہور علماء نے یہ اصول مقرر کیا ہے کہ حدیث ضعیف فضائل اور ترغیب و ترہیب میں حجت ہے اسی طرح انہوں نے یہ اصول بھی مقرر کیا کہ حدیث ضعیف سے استحباب اور جواز بھی ثابت ہو سکتا ہے۔ اس طرح اشکال ختم ہو جاتا ہے۔

متقدمین علماء میں علامہ دوانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس اشکال کو نقل کر کے جواب دینے کی

کوشش کی ہے، اس سلسلہ میں ان کی عبارت نقل کی جاتی ہے۔ لیکن علامہ عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے موصوف کے کلام کو نقل کرنے کے بعد ضعیف حدیث سے استحباب ثابت ہونے کے متعلق تفصیل سے کلام کیا ہے۔

چنانچہ علامہ عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ علامہ دوانی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

وقد حاول بعضهم التفصي عن ذلك ، وقال: مراد النووي أنه إذا ثبت حديث صحيح أو حسن في فضيلة عمل من الأعمال، تجوز رواية الحديث الضعيف في هذا الباب. ولا يخفى أن هذا لا يربط بكلام النووي، فضلا عن أن يكون مراده ذلك، فكم بين جواز العمل واستحبابه، وبين مجرد نقل الحديث من فرق، على أنه لو لم يثبت الحديث الصحيح أو الحسن في فضيلة عمل من الأعمال، يجوز نقل الحديث الضعيف فيها، لا سيما مع التنبيه على ضعفه. ومثل ذلك في كتب الحديث وغيره شائع، يشهد به من تتبع أدنى تتبع.

والذي يصلح للتعويل أنه إذا وجد حديث ضعيف في فضيلة عمل من الأعمال، ولم يكن هذا العمل مما يحتمل الحرمة والكراهة، فإنه يجوز العمل به ويستحب؛، لأنه مأمون الخطر ومرجو النفع، إذ هو دائر بين الإباحة والاستحباب، فلا احتياط العمل به رجاء الثوب.

وأما إذا دار بين الحرمة والاستحباب، فلا وجه لاستحباب العمل به. وأما إذا دار بين الكراهة والاستحباب فمجال النظر فيه واسع، إذ في العمل دغدغة الوقوع في المكروه،

وفي الترك مظنة ترك المستحب ، فليُنظر: إن كان خطر الكراهة أشد، بأن تكون الكراهة المحتملة شديدة، والاستحباب المحتمل ضعيفا، فحينئذ يرجح الترك على العمل به.

وإن كان خطر الكراهة أضعف، بأن تكون الكراهة على تقدير وقوعها كراهة ضعيفة، دون مرتبة ترك العمل على تقدير استحبابه، فلا احتياط العمل به. وفي صورة المساواة يحتاج إلى نظر تام، والظن أنه يستحب أيضا، لأن المباحات تصير بالنية عبادة، فكيف ما فيه شبهة الاستحباب لأجل الحديث الضعيف.

فجواز العمل واستحبابه مشروطان. أما جواز العمل فبعدم احتمال الحرمة، وأما الاستحباب فيما ذكرنا مفصلا. بقي ههنا شيء، وهو أنه إذا عدم احتمال الحرمة، فجواز العمل ليس لأجل الحديث، إذ لو لم يوجد، يجوز العمل أيضا؛ لأن المفروض انتفاء الحرمة.

لا يقال: الحديث الضعيف ينفي احتمال الحرمة؛ لأننا نقول: الحديث الضعيف لا يثبت به شيء من الأحكام الخمسة، وانتفاء الحرمة يستلزم ثبوت الإباحة، والإباحة حكم شرعي، فلا يثبت بالحديث الضعيف. ولعل مراد النووي ماذا؟ وإنما ذكر جواز العمل توطئة للاستحباب.

وحاصل الجواب: أن الجواز معلوم من خارج، والاستحباب أيضاً معلوم من القواعد الشرعية، الدالة على

استحباب الاحتیاط فی أمر الدین، فلم یثبت شیء من الأحکام بالحدیث الضعیف، بل أوقع الحدیث شبهة الاستحباب، فصار الاحتیاط أن یعمل به، واستحباب الاحتیاط معلوم من قواعد الشرع. انتھی کلام الدوانی.

(ترجمہ) ”بعض نے اس اشکال سے بچنے کی پوری کوشش کی ہے اور یہ کہا ہے کہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد یہ ہے کہ جب ایک مرتبہ کسی عمل کی فضیلت کے بارے میں صحیح یا حسن حدیث موجود ہو تو اس میں ضعیف حدیث کو نقل کرنا بھی صحیح ہے۔

حالانکہ یہ بات تو بالکل واضح ہے کہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے اس کا بالکل جوڑ ہی نہیں چہ جائیکہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مقصد ہو، کیونکہ جواز اور استحباب اور نقل حدیث کے مابین فرق واضح چیز ہے۔

تاہم یہ بات بھی تو ثابت ہے کہ اگر کسی فضیلت میں نہ صحیح حدیث ہو اور نہ حسن پھر بھی ضعیف حدیث کو فضیلت میں نقل کرنا صحیح ہے جب کہ ضعف پر تنبیہ بھی ساتھ ہو، یہ بات تو کتب حدیث میں عام طور سے ملتی ہے اور جس شخص کا کتب حدیث سے تھوڑا سا بھی لگاؤ اور تعلق ہو گا وہ اس بات سے باخوبی واقف ہوگا۔

لیکن قابل اعتماد بات یہ ہے کہ جب کسی عمل کے بارے میں کوئی ضعیف حدیث موجود ہو اور عمل بھی ایسا ہو کہ اس کو انجام دینے سے حرام اور مکروہ کا ارتکاب نہ آتا ہو، تو اس حدیث ضعیف پر عمل کرنا جائز اور مستحب ہے اس لئے کہ اس میں نقصان تو کوئی نہیں بلکہ فائدہ کی امید بھی ہے کیونکہ جب حرام اور مکروہ نہ ہو تو کم از کم اس پر عمل مباح اور مستحب ہوگا، تو نیکی کی امید سے عمل بہتر ہوا بلکہ احتیاط بھی اسی میں ہے۔

اور جب حدیث ضعیف پر عمل سے حرام کا ارتکاب لازم آتا ہو تو عمل کرنے کا کوئی راستہ نہیں، اور جب عمل کرنے سے مکروہ میں پڑ جانے کا ارتکاب لازم آتا ہو تو اس صورت میں گہری

نظر سے کام لینگے کیونکہ اگر عمل کریں گے تو مکروہ میں پڑ جانے کا خطرہ ہے ترک کر دیں گے تو ذہن میں یہ بات آتی ہے کہ مستحب کو چھوڑا، لیکن عمل اور ترک عمل میں خیال اس بات کا رکھیں گے کہ اگر مکروہ میں پڑ جانے کا خطرہ زیادہ ہوا اگرچہ استحباب کا احتمال بھی ہو لیکن دوسرا احتمال قوی ہو تو اس وقت ترک عمل کو ترجیح ہوگی اور عمل نہیں کیا جائے گا۔

اور اگر مکروہ کا خطرہ انتہائی کمزور ہو تو احتیاط عمل کرنے میں ہے۔ اور اگر مساوات کی صورت ہو تو اب انتہائی دقت نظر کی ضرورت ہے لیکن پھر بھی رائج بات تو یہی ہے کہ عمل کرنا بہتر اور اولیٰ ہے؛ کیونکہ جتنے بھی مباحات ہیں، نیت سے وہ عبادات میں بدل جاتے ہیں، تو وہ کیسے عبادت نہیں بنے گا جس میں خود اولیت اور بہتریت حدیث کی وجہ سے آئی ہو۔

خلاصہ یہ کہ عمل کا جائز ہونا اور اولیٰ ہونا مطلقاً نہیں بلکہ مشروط ہے، کہ جب حرمت کا احتمال نہ ہو اور جو بات ہم نے ذکر کی اس سے عمل اولیٰ اور بہتر بن جاتا ہے۔ البتہ ایک بات کی گنجائش نکلتی ہے کہ جب احتمال حرمت ہو ہی نہیں تو جواز عمل حدیث کے بنیاد پر نہیں ہوگا؛ کیونکہ اگر جواز کے لئے حدیث کو بنیاد بنائیں گے اور حدیث موجود نہ ہو تو چاہئے کہ عمل بھی جائز نہ ہو حالانکہ عمل جائز ہے، اس لئے کہ حرمت کا انتفاء جواز عمل کے لئے شرط نہیں ہے بلکہ ذہن میں رہنی ہوئی بات ہے۔

یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ ضعیف حدیث حرمت کے احتمال کو ختم کر دیتی ہے؛ کیونکہ ضعیف حدیث سے احکام خمسہ میں سے کوئی حکم ثابت نہیں ہو سکتا، اور حرمت کے ختم ہونے سے اباحت ثابت ہوتی ہے اور اباحت ایک شرعی حکم ہے، لہذا یہ شرعی حکم ضعیف حدیث سے ثابت نہیں ہو سکتی، یہ بھی ممکن ہے کہ امام نوویؒ نے جواز عمل کو استحباب عمل کے لئے تمہیداً ذکر کیا ہو۔

جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ عمل کا جائز ہونا خارج سے معلوم ہوتا ہے اور استحباب بھی ان شرعی قواعد سے معلوم ہوتا ہے جو خود دین کے معاملہ میں احتیاط پر دلیل ہے۔ لہذا حدیث ضعیف سے کوئی حکم ثابت نہ ہوا بلکہ حدیث ضعیف نے تو استحباب کا شبہ بیچ میں ڈال دیا، تو احتیاط اس درجہ میں ہو گیا کہ اس پر عمل کیا جائے اور یہ تو شرع کے قواعد سے بھی معلوم ہے کہ احتیاط کے پہلو کو لیکر عمل کرنا بہتر اور اولیٰ ہے۔

علامہ دوانی رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ جواب پر علامہ شہاب الدین خفاجی رحمۃ اللہ علیہ نے تردید کا اظہار کیا ہے، چنانچہ علامہ عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ علامہ خفاجی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

”وقد تعقب الشهاب الخفاجي في ”نسيم الرياض شرح شفا القاضي عياض“ كلام الدواني هذا بما ليس بشيء؛ فإنه نقل أولاً عبارة ”أذكار النووي“ ذكر الفقهاء والمحدثون أنه يجوز ويستحب العمل في الفضائل والترغيب والترهيب بالحديث الضعيف، ما لم يكن موضوعاً، وأما الأحكام كالحلال والحرام والمعاملات، فلا يعمل فيها إلا بالحديث الصحيح أو الحسن، إلا أن يكون في احتياط في شيء من ذلك، كما إذا ورد حديث ضعيف بکراهة بعض البيوع أو الأنکحة؛ فإن المستحب أن يتنزه عن ذلك، ولكن لا يجب، انتهت.

ثم قال: وخالف ابن العربي المالکي في ذلك فقال: إن الحديث الضعيف لا يعمل به مطلقاً. وقال السخاوي في قول البديع سمعت شيخنا ابن حجر أي العسقلاني المصري مراراً يقول وكتبه لي بخطه: إن شرائط العمل بالضعيف ثلاثة: الأول: متفق عليه، وهو أن يكون الضعيف غير شديد، فيخرج من انفراد من الكذابين والمتهمين ومن فحش غلطه.

والثاني: أن يكون مندرجاً تحت أصل عام، فيخرج ما يخترع بحيث لا يكون له أصل أصلاً.

والثالث: أن لا يعتقد عند العمل به ثبوته، لئلا ينسب إلى النبي ﷺ ما لم يقله. قال: والأخيران عن ابن عبد السلام وابن دقيق العيد، والأول نقل العلائي الاتفاق عليه. وعن أحمد أنه يعمل به إذا لم يوجد غيره. وفي رواية عنه: ضعيف الحديث أحب إلينا من رأي الرجال. وذكر ابن حزم الإجماع على أن مذهب أبي حنيفة أن ضعيف الحديث عنده أولى من الرأي والقياس، إذا لم يجد في الباب غيره. فتحصل أن في العمل بالحديث الضعيف ثلاثة مذاهب: لا يعمل به مطلقاً، يعمل به مطلقاً، ويعمل به في الفضائل بشروط.

وقيد ابن الصلاح جواز رواية الضعيف باحتمال صدقه في الباطن. وهل يشترط في الاحتمال أن يكون قوياً أم لا؟ فيه خلاف، وظاهر كلام مسلم أنه إذا لم يكن قوياً لا يعتد به. انتهى.

ثم نقل الخفاجي كلام الدواني الذي نقلناه سابقاً، ثم قال: إذا أحطت خبراً بما قدمناه في كلام الحافظ السخاوي، عرفت أن ما قاله الجلال مخالف لكلامهم برمته، وما نقله من الاتفاق غير صحيح، مع ما سمعته من الأقوال. والاحتمالات التي أبدأها لا تفيد سوى تسويد وجه القرطاس. والذي أوقعه في الحيرة توهمه أن عدم ثبوت الأحكام به متفق عليه، وأنه يلزم من العمل به في الفضائل والترغيب أنه يثبت به حكم من الأحكام. وكلاهما غير صحيح.

أما الأول فلأن من الأئمة من جَوَّز العمل به بشروطه،
وقَدَّمَهُ على القياس. وأما الثاني فلأن ثبوت الفضائل
والترغيب لا يلزمه الحكم، ألا ترى أنه لو روي حديث
ضعيف في ثواب بعض الأمور الثابت استحبابها والترغيب
فيه، أو في فضائل بعض الصحابة أو الأذكار المأثورة، لم يلزم
مما ذكر ثبوت حكم أصلاً، ولا حاجة إلى تخصيص
الأحكام أو الأعمال كما توهم، للفرق الظاهر بين الأعمال
وفضائل الأعمال.

وإذا ظهر عدم الصواب، لأن القوس في يد باريها، ظهر أنه
لا إشكال، ولا خلل ولا اختال. انتهى كلام الخفاجي، عند
ذكر حديث من سئل عن علم فكتمه ألجمه الله بلجام من
نار يوم القيامة، الواقع في ديباجة شفاء القاضي عياض.

اور علامہ خفاجی^(۱) رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ”نسیم الریاض“ میں علامہ دوانی رحمۃ اللہ
علیہ کے کلام کا تعاقب کیا ہے جو خود لائق التفات نہیں، کیونکہ انہوں نے سب سے پہلے ”الاذکار
للنووی“ کی عبارت ذکر کی ہے کہ فقہاء اور محدثین نے یہ بات ذکر کی ہے، کہ فضائل ترغیب اور
ترہیب میں ضعیف حدیث کی بنیاد پر عمل جائز اور مستحب بن جاتا ہے، البتہ یہ بات اس وقت تک
ہے کہ حدیث موضوع نہ ہو۔

رہی احکام کی بات جیسے حلال حرام اور معاملات تو ان سب کے اندر صحیح یا حسن حدیث کی

۱۔ احمد بن محمد بن عمر شہاب الدین خفاجی مصری حنفی آپ ۹۷۷ھ میں پیدا ہوئے۔ موصوف نے علم
اپنے زمانہ کے کبار علماء امت سے حاصل کیا، موصوف بڑے مفسر، محدث، فقیہ اور جامع معقول
و منقول تھے، مصر میں ایک عرصہ دراز تک قاضی بھی رہے، وفات ۱۰۶۹ھ میں ہوئی، چند مشہور
تصانیف: حاشیہ علی تفسیر البیضاوی، نسیم الریاض فی شرح شفاء القاضی عیاض، دیوان الادب فی
ذكر شعراء العرب، ترجمہ کے لئے دیکھئے: الاعلام: ۲۳۸/۱، انوار الباری: ۱۸۴/۲

بنیاد پر ہی عمل کیا جائے گا، ہاں جہاں احتیاط کی بات ہو وہاں احتیاط سے کام لیں گے، جیسے کسی بیع یا نکاح کی کراہت میں کوئی ضعیف حدیث آجائے تو وہاں بہتر بات یہی ہے کہ بچا جائے لیکن بچنا ضروری اور واجب نہیں۔

پھر علامہ خفاجی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ابن العربی المالکی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کہہ کر اس کی مخالفت کی ہے کہ ضعیف حدیث پر کسی حال میں عمل نہیں ہو سکتا۔

اور حافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ”القول البدیع“ میں کہا ہے کہ میں نے اپنے شیخ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ سے بارہا یہ سنا اور مجھے لکھ کر بھی بھیجا کہ ضعیف حدیث پر عمل کرنے کے لئے تین شرائط ہیں:

اول: یہ کہ اس حدیث کا ضعف شدید نہ ہو، لہذا اس شرط سے کذابین، متہمین اور فاحش الغلط کی وہ روایات جن کے نقل کرنے میں وہ منفرد ہوں خارج ہو گئیں۔

دوم: یہ کہ دین کے عام اصول کے تحت داخل ہو، یعنی اس کا مضمون دین کے مسلمہ اصول و قواعد کے معارض نہ ہو، موضوع روایات اس شرط سے خارج ہو گئیں۔

سوم: اس ضعیف حدیث پر عمل کرتے وقت، اس کے بعینہ ثبوت کا اعتقاد نہ رکھا جائے کہ یہ آپ ﷺ سے اسی طرح ثابت ہے۔

شرط اول علامہ علائی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے جس پر سب کا اتفاق نقل کیا ہے، بقیہ دو شرطیں ابن عبد السلام رحمۃ اللہ علیہ اور ابن دقیق العید رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہیں۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے یہ بات منقول ہے کہ ضعیف حدیث پر عمل اس وقت کیا جائے گا جب کوئی دوسری حدیث صحیح یا حسن موجود نہ ہو اور ان سے ایک دوسری روایت یہ بھی ہے کہ ضعیف حدیث ہمیں قیاس سے زیادہ پسند ہے۔

ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ نے تو اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے ضعیف حدیث ان کے نزدیک بھی رائے اور قیاس سے زیادہ قابل عمل ہے جب کہ کوئی دوسری حدیث اس باب میں موجود نہ ہو۔

لہذا خلاصہ کلام یہ نکلا کہ حدیث ضعیف پر عمل کرنے میں تین مذاہب ہیں (۱) ضعیف حدیث کسی حال میں قابل عمل نہیں (۲) ہر حال میں قابل عمل ہے (۳) فضائل میں ضعیف حدیث پر اپنی شرائط کے مطابق عمل کیا جائے گا۔

اور ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ نے ضعیف حدیث کے جواز کو صدق باطن کے احتمال کے ساتھ مقید کیا ہے۔ اب کیا اس احتمال کا قوی ہونا بھی ضروری ہے یا نہیں؟ یہ ایک مختلف فیہ بات ہے۔ لیکن ”مسلم“ کے کلام کے ظاہر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب احتمال قوی نہ ہو تو اس کا اعتبار نہ ہوگا۔ اور پھر علامہ خفاجی رحمۃ اللہ علیہ نے جلال الدین دوانی رحمۃ اللہ علیہ کے سابقہ کلام کو نقل کرنے کے بعد کہا۔۔۔۔۔

نیز جو احتمالات اور اقوال انہوں نے ظاہر کئے ہیں ان کا کوئی فائدہ نہیں بجز صفحات کو سیاہ کرنے کے۔ اور ان کو حیرت زدہ کرنے والے درجہ ذیل دو امور ہیں۔ (۱) ان کا یہ گمان کہ ضعیف حدیث سے احکام کا ثابت نہ ہونا متفق علیہ ہے (۲) اور ضعیف حدیث پر عمل کرنے سے احکام میں سے کسی حکم کا ثابت ہونا لازم آتا ہے جبکہ یہ دونوں باتیں درست نہیں۔ پہلی بات کے درست نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ بعض ائمہ نے ضعیف حدیث پر عمل کرنے کو شرائط کا لحاظ کرتے ہوئے جائز قرار دیا ہے اور اس کو قیاس پر مقدم کیا ہے دوسری بات کے درست نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ضعیف حدیث سے فضائل کے ثابت ہونے سے حکم کا ثابت ہونا لازم نہیں آتا۔

مثلاً جن امور کا استحباب ثابت ہے ان کی فضیلت یا بعض صحابہ اور اذکار ماثورہ کے فضائل میں کوئی ضعیف حدیث نقل کی جائے تو اس سے کسی حکم کا ثابت ہونا لازم نہیں آتا۔ لہذا احکام یا اعمال کی تخصیص کی ضرورت نہیں کیونکہ اعمال اور اعمال کے فضائل میں فرق ظاہر ہے۔

اور جب دوانی کی مذکورہ بات کا درست نہ ہونا ثابت ہو گیا تو معلوم ہو گیا کہ اب کوئی اشکال باقی نہیں رہا۔

علامہ عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ علامہ خفاجی رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ کلام کو نقل کرنے کے

بعد لکھتے ہیں:

أقول: العجب من الخفاجي مع سعة نظره في علوم المنقولة،
زل قدمه في بحث من أبحاث المنقول، وأصاب فيه الجلال
الدواني حامل رايات المعقول، مع مشاركة في المنقول. ولا
عجب فلكل عالم زلة، ولكل جواد كبوة، وقد يفتح الله
على عبد من عباده مالميس من أهله، ويمنع عن عبد من عباد
ه ما هو من أهله. وإن نظرت بنظر التأمل، عرفت أن ما أورد
الخفاجي على الدواني غير خال من الخلل. أما ما أورد عليه
بقوله: ما نقله من الاتفاق غير صحيح... إلخ. فهو مدفوع
بأن الدواني غير متفرد في دعوى الاتفاق على أنه لا تثبت
الأحكام بالحديث الضعيف، بل قد ذكره غيره أيضاً. مع
أنه يمكن أن يكون المراد به اتفاق الأكثر، وهو صحيح
بلا ريب.

على أن هذا الإيراد لا يقدح في المقصود؛ فإن كثيراً ممن
نص على أن الحديث الضعيف لا يثبت به حكم من
الأحكام، نص على قبوله في فضائل الأعمال، فيرد إشكال
التناقض عليهم، ويحتاج إلى الجواب. ولا دخل في ورود
الإشكال الذي تصدى الدواني لجوابه؛ لكون الأمر الأول
اجتماعياً بل ولا على كون الثاني اجتماعياً أيضاً. ومن ههنا
يظهر أنه لا يمكن الخلاص عن الإشكال المذكور، بأن عدم
ثبوت حكم من الأحكام بالحديث الضعيف مذهب

طائفة، وقبوله في الفضائل مذهب طائفة أخرى، فلا إشكال. وذلك لما ذكرنا من أن كثيراً ممن اختار الأول اختار الثاني أيضاً. مع النووي وغيره قد حكى الاتفاق على قبوله في الفضائل الأعمال، فيرد الإشكال بلا شبهة على من ذهب إلى عدم ثبوت الأحكام به.

ثم قوله: والذي أوقعه في الحيرة إلخ. غير صحيح، فإنه لا دخل في الحيرة؛ لكون المسألتين اتفاقيتين، بل يكفي لها اتحاد قائلهما، وهو موجود ههنا. وعلى هذا فلا يضر قوله: وكلاهما غير صحيح، أما الأول فلأن إلخ. وأما ما ذكره بقوله: وأما الثاني إلخ. فهو غير صحيح، فإن عبارة النووي وابن الهمام، وغيرهما منادية بأعلى النداء بكون المراد بقبول الحديث الضعيف في فضائل الأعمال، هو ثبوت الاستحباب ونحوه به، لا مجرد ثبوت فضيلة لعمل ثابت بدليل آخر. ويوافقه صنيع جمع من الفقهاء والمحدثين، حيث يشتون استحباب الأعمال التي لم تثبت (بالأحاديث الصحيحة؟). وأيضاً لو كان المراد ما ذكره، لما كان لقولهم: يقبل الضعيف في فضائل الأعمال وفي المناقب وفي الترغيب وفي التهيب، فائدة يعتد بها، إذ قبوله في فضائل الأعمال الذي ذكره، هو عين قبوله في الترغيب والتهيب. وأيضاً لا يحصل على هذا التقرير وجه اشتراط قبول الحديث الضعيف في فضائل الأعمال، بالشرطين الأخيرين، من الشروط الثلاثة التي ذكرها السخاوي

و السیوطی وغیرہما، نقلاً عن ابن حجر؛ فإنه لو كان المراد به قبوله في فضائل الأمور الثابتة المأثورة، فأی ضرورة إلى تقييده بكون ما دل عليه مندرجاً تحت أصل كلي، وبأن لا يعتقد عند العمل به ثبوته؛ فإن نفس العمل و استحبابه لما ثبت بدليل صحيح، ولم يفد الضعيف إلا ذكر فضله، لا بد أن يكون ذلك العمل مندرجاً في أصل شرعي، ويصح إعتقاد ثبوته 'والذي يظهر بعد التأمل الصادق، هو قبول الضعيف في ثبوت الاستحباب وجوازه، فإذا دل حديث ضعيف على استحبابه شيء أو جوازه، ولم يدل دليل آخر صحيح عليه، وليس هناك ما يعارضه ويرجح عليه، قبل ذلك الحديث و جاز العمل بما أفاده والقول باستحباب ما دل عليه وجوازه. غاية ما في الباب أن يكون مثل هذا الاستحباب والجواز دون رتبة من الاستحباب والجواز الثابت بالأحاديث الصحيحة والحسنة ويشترط قبوله بشروط: أحدها: ما أشرنا إليه من فقدان دليل آخر أقوى منه معارضاً له؛ فإن دل حديث صحيح أو حسن على كراهة عمل أو حرمة، والضعيف على استحبابه وجوازه، فالعمل يكون أقوى، والقول بمفاده أخرى.

وثانيها: أن لا يكون الحديث شديد الضعف، بأن تفرد بروايته شديد الضعف، كالكذاب، وفاحش الغلط، والمغفل، وغير ذلك، أو كثرت طرقه لكن لم يخل طريق من طرقه عن شدة الضعف، وذلك أن يكون السند

شديد الضعف مع عدم ما يجبره نقصانه، يجعله في حكم
العدم، ويقربه إلى الموضوع والمخترع، الذي لا يجوز العمل
به بحال.

وثالثها: أن يكون ما ثبت به داخلاً تحت أصل كلي من
الأصول الشرعية، غير مخالف لقواعد الدينية، لئلا يلزم إثبات
ما لم يثبت شرعاً به، فإنه إذا كان ما دل عليه داخلاً في الأصول
الشرعية غير مناقض لها، فنفس جوازه ثابت بها. والحديث
الضعيف الدال عليه يكون مؤكداً له، وكذا الاستحباب؛ فإن
الجائزات تصير بحسن النية عبادة، فكيف إذا وجد ما فيه
شبهة ثبوت الاستحباب.

ورابعها: أن لا يعتقد العامل ثبوته بل الخروج عن العهدة
بيقين؛ فإنه إن كان صحيحاً في نفس الأمر فذاك، وإلا لم
يترتب على العمل به فساد شرع.

وقس عليه إذا دل الحديث الضعيف على كراهة عمل، لم
يدل على استحبابه دليل آخر، فيؤخذ به ويعمل بمفاده
احتياطاً، فإن ترك المكروه مستحب، وترك المباح لا بأس
فيه شرعاً. وبهذا كله يظهر لك دفع الإشكال الذي تصدى
للجواب عنه الدواني والخفاجي، وسلك كل منهما مسلكاً
مغايراً لمسلك الآخر.

وخلاصة الكلام، الرافع للأوهام، هو أن ثبوت الاستحباب
أو الكراهة التي هي في قوة الاستحباب أو الجواز بالحديث
الضعيف مع الشروط المتقدمة: لا ينافي قولهم: إنه لا يثبت

الأحكام الشرعية، فإن الحكم باستحباب شيء دل عليه الضعيف أو كراهته: احتياطي، والحكم بجواز شيء دل عليه تأكيد لما ثبت بدلائل أخرى، فلا يلزم منه ثبوت شيء من الأحكام في نفس الأمر، ومن حيث الاعتقاد نعم لو لم تلاحظ الشروط المتقدمة، لزم الاشكال ألبتة ولعلك تتفطن من هذا البيان الصريح، والبيان الرفيع: دفع ما يتوهم من صنيع الفقهاء والمحدثين، حيث يثبتون الاستحباب ونحوه بالأحاديث الضعيفة في مواضع كثيرة، ويستنكفون عنه في مواضع كثيرة، وهل هذا إلا تعارض وتساقط؟

وجه الدفع أن المواضع التي أثبتوا فيها الاستحباب بالضعيفة هي مالم يطلعوا على شدة الضعف في أحاديثها، وعلموا أن ما أفادتها داخل تحت أصول شرعية يعتمد عليها، فاعتبروا بها. والتي استنكفوا فيها عن ذلك، وعللوا بكون الأحاديث ضعيفة، هي التي لم تدخل الأعمال الثابتة بها تحت الأصول الشرعية، أو وجدوا في تلك الأحاديث ضعفاً شديداً فأسقطوها عن الاعتبار بالكلية^(۱)۔

میں کہتا ہوں: کہ مجھے تعجب ہے خفاجی رحمۃ اللہ علیہ پر حالانکہ وہ علوم منقولہ میں وسیع النظر ہیں کہ وہ منقول کی ایک بات میں زلت قدم کا شکار ہو گئے ہیں اور اس بارے میں جلال الدین دوانی صاحب معقولات وحائل لواء معقولات نے درست کہا۔ اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ ہر عالم لغزش کا شکار ہو سکتا ہے۔

اور کبھی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کسی بندے پر ایسے علوم و معارف کھول دیتے ہیں جن کا وہ اہل نہیں، اور جو ان علوم کا اہل ہے اس سے روک دیتے ہیں۔

اگر تو غور و فکر کی نظر دوڑائے تو تجھے معلوم ہو جائے گا کہ خفاجی رحمۃ اللہ علیہ نے جو اعتراضات کئے ہیں وہ درست نہیں۔ خفاجی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ اعتراض کہ دوانی رحمۃ اللہ علیہ نے (ضعیف حدیث سے احکام ثابت نہ ہونے پر جو اتفاق نقل کیا ہے وہ درست نہیں) تو اس کا جواب یہ ہے کہ دوانی رحمۃ اللہ علیہ اس دعوے میں متفرد نہیں بلکہ ان کے علاوہ اور علماء بھی اس کے قائل ہیں۔ حالانکہ یہ بھی ممکن ہے کہ اس اتفاق سے اکثر کا اتفاق مراد ہو اور یہ بات تو بلا شک و شبہ درست ہے۔

نیز یہ اعتراض مقصود میں مغل نہیں ہو سکتا، کیونکہ جو حضرات حدیث ضعیف سے حکم ثابت نہ ہونے کے قائل ہیں، وہیں فضائل میں ضعیف حدیث کے قابل عمل ہونے کے قائل ہیں، تو تناقض کا اشکال ان پر بھی وارد ہوگا، اور جواب کی ضرورت بھی ہوگی۔

اور دوانی جس اشکال کے جواب کے درپے ہوئے ہیں اس اشکال کے وارد ہونے میں کوئی مسئلہ نہیں، کیونکہ پہلا امر اجماعی ہے بلکہ دوسرا بھی اجماعی ہے۔

اور یہاں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مذکورہ اشکال کا درج ذیل جواب دیکر بھی اشکال ختم نہیں ہوتا، وہ جواب یہ ہے کہ حدیث ضعیف سے کسی بھی حکم کا ثابت نہ ہونا ایک جماعت کا قول ہے، اور فضائل میں اس کو قبول کرنا دوسری جماعت کا، اس لئے کوئی اشکال نہیں۔

کیونکہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ بہت سے حضرات جو پہلی بات کے قائل ہیں وہ دوسری کے بھی قائل ہیں۔ جیسے امام نووی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ جنہوں نے فضائل میں ضعیف حدیث کے قبول کرنے پر اتفاق نقل کیا ہے، تو اب ان پر بھی اشکال وارد ہوگا جو ضعیف حدیث سے احکام کے ثابت نہ ہونے کے قائل ہیں۔

پھر خفاجی کا دوسرا اعتراض (والذي أوقعه في الحيرة) بھی درست نہیں، اس لئے کہ حیرت میں پڑنے کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ دونوں مسئلے اتفاقی ہیں، بلکہ دونوں کے قائلین کا متحد ہونا کافی ہے، اور وہ یہاں پایا جاتا ہے۔

اسی بنا پر خفاجی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول (و کلاهما غیر صحیح) ہمارے لئے مضر نہیں، اور خفاجی رحمۃ اللہ علیہ نے دوسرے امر کے درست نہ ہونے کی وجہ جو (وأما الثاني) سے بیان کی ہے وہ درج ذیل وجوہات کی بنیاد پر درست نہیں۔

(۱) کیونکہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ، ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے علاوہ محدثین کی عبارات بآواز بلند یہ پکار رہی ہے کہ فضائل میں ضعیف حدیث کے قبول کرنے سے مراد اس سے استحباب وغیرہ ثابت ہونا ہے نہ کہ کسی ایسے عمل کے لئے صرف فضیلت کا ثبوت مراد ہے جو کسی اور دلیل سے ثابت ہے۔ اور اس کی تائید بہت سے فقہاء اور محدثین کے طرز سے بھی ہوتی ہے کیونکہ وہ غیر ثابت اعمال کا استحباب ضعیف احادیث سے ثابت کرتے ہیں۔

(۲) اور اگر مراد وہی ہو جس کا تذکرہ خفاجی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہے تو محدثین کے اس قول: (يقبل الضعيف في فضائل الأعمال وفي الترغيب والترهيب) کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا، اس لئے کہ کسی اور دلیل سے ثابت شدہ اعمال کے فضائل میں ضعیف حدیث کو قبول کرنا بعینہ ترغیب و ترہیب میں قبول کرنا ہے۔

(۳) اور نیز اس تقریر کے مطابق فضائل میں ضعیف حدیث کو قبول کرنے کو علامہ سخاوی اور علامہ سیوطی وغیرہ کی ذکر کردہ تین شرائط میں سے آخری دو شرطوں کے ساتھ مشروط کرنا بے فائدہ ہوتا ہے، کیونکہ اگر اس سے ثابت اور منقول امور کے فضائل میں ضعیف حدیث کو قبول کرنا مراد ہو تو پھر اس قید کی کوئی ضرورت نہیں کہ ضعیف حدیث کا مدلول کسی اصل کلی کے تحت داخل ہو، اور یہ کہ اس پر عمل کرتے وقت اس کے ثبوت کا اعتقاد نہ رکھا جائے، کیونکہ جب نفس عمل اور اس کا استحباب صحیح دلیل سے ثابت ہو جائے اور ضعیف حدیث سے صرف اس کی فضیلت کا ذکر کرنا مقصود ہو، تو پھر اس عمل کا کسی شرعی اصل کے تحت داخل ہونا بھی ضروری ہوگا اور اس کے ثبوت کا اعتقاد بھی درست ہوگا۔

اچھی طرح سوچنے کے بعد جو بات میرے سامنے ظاہر ہوئی وہ یہ ہے کہ ضعیف حدیث کو

استحباب اور جواز کے ثبوت کے لئے قبول کیا جائے گا؛ کیونکہ جب کسی فعل کا استحباب یا جواز کسی حدیث صحیح سے ثابت نہیں ہے، اور حدیث ضعیف اس کے استحباب یا جواز پر دلالت کرتی ہے اور کوئی دلیل اس کا معارض بھی نہیں ہے، تو اس صورت میں اس حدیث ضعیف کو قبول کیا جائے گا، اور اس کے مقتضی پر عمل کیا جائے گا اور اس کے مدلول سے جواز یا استحباب کا قول کیا جائے گا۔

حدیث ضعیف سے جو استحباب اور جواز ثابت ہوتا ہے وہ اس استحباب اور جواز سے رتبہ میں کم ہے جو احادیث صحیحہ اور حسنہ سے ثابت ہے، لیکن موصوف نے اس کے لئے چار شرائط ذکر کی ہیں:

پہلی شرط: یہ ہے کہ جس حدیث ضعیف سے استحباب ثابت ہے اس سے زیادہ قوی حدیث اس کے معارض نہ ہو جس سے اس فعل کی حرمت یا کراہت ثابت ہوتی ہو؛ کیونکہ اس صورت میں عمل قوی حدیث پر ہوگا۔

دوسری شرط: یہ ہے کہ اس حدیث ضعیف کا ضعف شدید نہ ہو، بایں طور کہ اس حدیث کے روایت کرنے میں کوئی کذاب، یا فاحش غلط اور مغفل وغیرہ متفرد ہو، یا اس حدیث ضعیف کے طرق زیادہ ہیں لیکن تمام طرق میں کوئی طریق شدت ضعف سے خالی نہ ہو۔

تیسری شرط: یہ ہے کہ وہ حدیث ضعیف اصول شرعیہ میں سے کسی اصل کلی کے تحت داخل ہو، قواعد دیدیہ کے مخالف نہ ہو، کیونکہ اس صورت میں نفس جواز تو اس سے ثابت ہوگا، اور حدیث ضعیف کے ذریعہ اس جواز کو مزید تقویت پہنچے گی، اسی طرح اس سے استحباب بھی ثابت ہوگا، کیونکہ کوئی جائز فعل جب عبادت کی نیت سے عبادت بن جاتا ہے تو پھر ثبوت استحباب کے شبہ سے کیسے عبادت نہیں بنے گا؟۔

چھوٹی شرط: اس حدیث ضعیف پر عمل کے لئے والا صرف اس کے ثبوت کا اعتقاد نہ کرے؛ بلکہ یقینی طور پر اس حدیث ضعیف پر عمل کرنے کی ذمہ داری سے نکلنے کا اعتقاد رکھے؛ کیونکہ اگر یہ حدیث ضعیف نفس الامر میں بھی صحیح ہے پھر تو اس پر عمل ہو گیا، اور اگر نفس الامر میں صحیح نہ ہو تو اس

پر عمل کرنے میں کوئی فساد شرعی بھی مرتب نہ ہوا، کیونکہ یہ حدیث ضعیف قواعد شرعیہ کے تحت داخل ہے۔

اور اسی پر ایک اور مسئلے کو بھی قیاس کر لیا جائے کہ جب ضعیف حدیث کسی عمل کے مکروہ ہونے پر دلالت کرے اور اس کے استحباب پر دوسری دلیل دلالت نہ کرے، تو اس پر احتیاطاً عمل کر لیا جائے گا؛ اس لئے کہ مکروہ کا چھوڑنا مستحب ہے اور مباح کے چھوڑنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں۔ اور اس مذکورہ تفصیل کے مطابق اس اشکال کا جواب واضح ہو گیا جس کے جواب کے لئے خفاجی اور دوانی درپے ہوئے اور ہر ایک نے دوسرے کے مخالف مسلک اختیار کیا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ استحباب یا ایسی کراہت جو استحباب کی قوت میں ہو، یا جواز کا ضعیف حدیث سے سابقہ شرائط کے ساتھ ثابت ہونا محدثین کے اس قول کے منافی نہیں کہ ضعیف حدیث سے شرعی احکام ثابت نہیں ہوتے، کیونکہ کسی ایسی چیز کے استحباب یا کراہت کا حکم لگانا جس پر ضعیف حدیث دلالت کرے یہ احتیاطی حکم ہے اور کسی ایسی چیز کے جواز کا حکم لگانا جس پر ضعیف حدیث دلالت کرے یہ دیگر دلائل سے ثابت شدہ احکام کی تاکید ہوتی ہے، لہذا اس سے نفس الامر اور اعتقاد کی رو سے کسی حکم کا ثابت ہونا لازم نہیں آتا، ہاں اگر سابقہ شرائط کا لحاظ نہ رکھا جائے تو یقیناً اشکال لازم آئے گا۔

فقہاء کرام کی صنیع سے ایک اشکال پیدا ہو سکتا ہے کہ حضرات فقہاء کرام اکثر مواضع میں احادیث ضعیفہ سے استحباب وغیرہ احکامات ثابت کرتے ہیں جبکہ دوسرے بہت سے مقامات میں احادیث ضعیفہ سے استحباب وغیرہ احکامات ثابت کرنے میں بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے نظر آتے ہیں،

لیکن اس کا جواب یوں دیا جاتا ہے کہ جہاں پر یہ حضرات احادیث ضعیفہ سے استحباب ثابت کرتے ہیں یہ احادیث ان حضرات کے نزدیک شدید ضعیف نہیں ہوتیں، اور ان کا مدلول اصول شرعیہ کے تحت داخل ہوتا ہے۔

اور جہاں پر ان احادیث ضعیفہ سے استحباب ثابت نہیں کرتے وہاں یا تو وہ احادیث ان کے نزدیک شدید ضعیف ہوتی ہیں، یا ان کا مدلول اصول شرعیہ میں سے کسی اصل شرعی کے تحت داخل نہیں ہوتا۔ لہذا اس تقریر سے یہ اشکال خود رفع ہو گیا۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی بتاتے چلیں کہ جہاں جہاں بھی حضرات فقہاء نے ضعیف حدیث سے جواز و استحباب کو ثابت کیا ہے تو متصلاً اس بات کی بھی تصریح کی ہے کہ اس سے وہ احکام ثابت نہیں ہوں گے جن کا تعلق حلت، حرمت، بیع، نکاح اور طلاق وغیرہ سے ہے۔

چنانچہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ ضعیف حدیث سے جواز و استحباب ثابت فرمانے کے بعد رقمطراز ہیں:

”وأما الأحكام كالإحلال، والحرام، والبيع، والنكاح، والطلاق، وغير ذلك فلا يعمل فيها إلا بالحديث الصحيح أو الحسن.“ (۱)

(ترجمہ): ”اور بہر حال احکام جیسے حلال و حرام، بیع، نکاح اور طلاق وغیرہ اس میں صرف صحیح یا حسن حدیث پر ہی عمل کیا جائے گا۔“

اسی طرح حافظ ابن حجر مکی پٹمی رحمۃ اللہ علیہ نے فضائل اعمال میں ضعیف حدیث کے قبول کرنے پر جو استدلال کیا ہے اس کا مقتضاء بھی یہ ہے:

”قد اتفق العلماء على جواز العمل بالحديث الضعيف في فضائل الأعمال، أنه إن كان صحيحاً في نفس الأمر فقد أعطي حقه من العمل به، وإلا لم يترتب على العمل به مفسدة تحليل ولا تحريم ولا ضياع حق للغير.“ (۲)

(ترجمہ): ”یعنی فضائل اعمال“ میں ضعیف حدیث پر عمل کے بارے میں علماء کا اتفاق

۱۔ کتاب الاذکار الممتحیۃ من کلام سید الابرار: ص ۱۵

۲۔ فتح المبین شرح الاربعین: ص ۳۲

ہے، کیونکہ اگر وہ واقعتاً صحیح تھی تو اس کا حق اس کو مل گیا، ورنہ اس پر عمل کرنے سے نہ تو حرام کو حلال کرنا لازم آیا اور نہ اس کے برعکس اور نہ ہی کسی غیر کے حق کا پامال کرنا۔

چنانچہ حضرات فقہاء نے ضعیف حدیث کو ان ہی دو وجوہ کے سبب احکام میں ناقابل عمل قرار دیا ہے، کیونکہ اس پر عمل کرنے سے یا تو تحلیل و تحریم کا مفسدہ لازم آئے گا یا غیر کے حق کا ضیاع لازم آئے گا۔ چنانچہ اس سے حضرات فقہاء کی منقبت و منزلت کا اندازہ ہوتا ہے اور کیوں نہ ہو؟ جبکہ سید الکونین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی بعثت کا مقصد اصلی بھی یہی تفقہ فی الدین ہی تھا۔

صلوٰۃ او ایمن چونکہ مستحب ہے اور اس کا ثبوت درجہ ذیل حدیث سے ہے۔

ضعیف حدیث سے استحباب کی مثال:

جامع الترمذی کی وہ حدیث ہے جو صلوٰۃ او ایمن سے متعلق ہے:

”عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: من صلى بعد المغرب ست ركعات، لم يتكلم فيما بينهن بسوء، عدلن له بعبادة ثنتي عشرة سنة۔ قال أبو عيسى وقد روى عن عائشة رضي الله عنها قال: من صلى بعد المغرب عشرين ركعة، بنى الله له بيتاً في الجنة۔ قال أبو عيسى حديث أبي هريرة رضي الله عنه حديث غريب لا نعرفه إلا من حديث زيد بن الحبان، عن عمر بن أبي خثعم قال: وسمعت محمد بن إسماعيل يقول: عمر بن عبد الله بن أبي خثعم منكر الحديث وضعفه جداً۔“ (۱)

”قال الكشميري لم يصح فيها حديث وحديث الباب أيضاً ضعيف، والعمل به مع ضعفه۔“^(۱)

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ صلوٰۃ اوایین کے بارے میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ یہ روایت صرف زید بن الحبان عن عمر بن ابی خثعم کے طریق سے مروی ہے اور میں نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے عمر بن ابی خثعم کے بارے میں سنا کہ انہوں نے ان کو ”منکر الحدیث“ کہنے کے ساتھ ان کی نہایت تضعیف بھی کی ہے۔ علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس باب میں کوئی حدیث صحیح نہیں اور مذکورہ حدیث بھی ضعیف ہے، لیکن اس کے باوجود اس پر عمل ہے۔

تیسرا مذہب ضعیف حدیث مطلقاً حجت نہیں

تیسرا مذہب یہ ہے کہ حدیث ضعیف مطلقاً حجت نہیں ہے۔ اس مذہب کو عموماً امام یحییٰ بن معین، امام بخاری، امام مسلم، علامہ ابن حزم، ابوبکر ابن عربی، امام ابن تیمیہ اور علامہ شوکانی رحمہم اللہ وغیرہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، لہذا اس سلسلہ میں جملہ تفصیل پیش خدمت ہے:

یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ^(۲) کے موقف کی وضاحت:

۱۔ العرف الشذی علی جامع الترمذی: ص ۱۰۱

۲۔ امام یحییٰ بن معین ابو زکریا یحییٰ بن معین بن عون بن زیاد بن بسطام غطفانی بغدادی۔ موصوف کی ولادت ۱۵۸ھ میں ہوئی۔ موصوف نے اپنے زمانہ کے ارباب علم و فضل سے علوم دینیہ کی تکمیل کی موصوف علوم حدیث اور رجال کے فن شناس امام ہیں وہ اپنے زمانے کے یگانہ روزگار محدث اور امام جرح و تعدیل تھے، ائمہ اعلام کا ان کی جلالت شان پر اتفاق ہے۔ موصوف فن اسماء رجال میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے، چنانچہ امام احمد بن حنبلؒ فرمایا کرتے تھے کہ ہم میں سے ابن معین رجال کے سب سے بڑے عالم ہیں۔ خود ان سے یہ منقول ہے کہ میں نے اپنے ہاتھ سے دس لاکھ حدیثیں لکھی ہیں، موصوف کی ایک سعادت یہ بھی ہے کہ جس تختہ پر آپ ﷺ کو غسل دیا گیا تھا، اسی پر انہیں بھی غسل دیا گیا۔ وفات ۲۳۳ھ میں ہوئی۔ چند مشہور تصانیف: تاریخ والعلل، معرفۃ الرجال، الکنی والاسماء۔ ترجمہ کے لئے دیکھئے: تاریخ مدینۃ السلام: ۱۶/۲۶۳-۲۷۶، اور تذکرۃ الحفاظ: ۱۲/۱۵-۱۵، اور الاعلام: ۱۷۲/۸-۱۷۳

ابن سید الناس (۱) نے اپنی کتاب ”عیون الاثر“ میں (۲) امام یحییٰ بن معین کا مذہب مطلقاً رد ہی نقل کیا ہے، حالانکہ ان کا مذہب بھی جمہور کے موافق ہے، شواہد درج ذیل ہیں:

(۱) شیخ احمد محمد نور سیف نے ”مقدمہ تاریخ ابن معین“ میں لکھا ہے کہ: یحییٰ بن معین کی محمد بن اسحاق کے متعلق جو رائیں منقول ہیں، ان سے قطعاً یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ ان کی حدیثیں مطلقاً قابل ترک ہیں، چنانچہ ابن اسحاق کے متعلق فرمایا: ”ثقة و لكن ليس بحجة“ ابن اسحاق کے شاگرد ”زیاد بن عبد اللہ بن البکائی“ کے متعلق فرمایا: ”ليس بشئ“، لا بأس به في المغازي، وأما في غيرها، فلا۔ معلوم ہوا ان کے نزدیک مغازی وغیرہ میں تو ابن اسحاق اور ان کے شاگرد مقبول ہیں، احکام میں نہیں۔ (۳)

(۲) ”عن ابن أبي مریم، قال سمعت ابن معین يقول:

ادريس بن سنان يكتب من حديثه الرقائق۔“ (۴)

(ترجمہ): ”ابن ابی مریم فرماتے ہیں، کہ میں نے ابن معین سے سنا کہ ادریس بن

سنان کی حدیث رقائق (آداب و فضائل) کے باب میں قابل قبول ہے، جبکہ یہ

ضعیف ہیں۔“

۱۔ ابوالفتح محمد بن محمد بن محمد بن احمد یحییٰ شافعی جو ابن سید الناس کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ کی

پیدائش ۱۷۶ھ میں ہوئی۔ موصوف نے علوم کی تکمیل اس وقت کے مشہور و معروف علماء امت

سے کی، موصوف نے فراغت کے بعد درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کا مشغلہ اختیار کیا اور

مشہور مدارس جیسے ظاہریہ میں مسند حدیث پر فائز ہوئے۔ موصوف مشہور حافظ حدیث، مورخ،

ادیب اور شاعر تھے۔ وفات ۳۴۲ھ میں ہوئی۔ چند مشہور تصانیف: عیون الاثر، نور

العیون۔ ترجمہ کے لئے دیکھئے طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ۱۵۰/۵-۱۵۳، اور الدرر الکامیۃ فی

ایمان المملیۃ الثامیۃ ۱۳۰/۴-۱۳۲

۲۔ عیون الاثر ۱۵۱

۳۔ تاریخ ابن معین: ۱۰۷

۴۔ الکامل فی الضعفاء: ۳۴۲

(۳) ”قال ابن معین في موسى بن عبيدة يكتب من حديثه الرقائق.“ (۱)

(ترجمہ): ”یحییٰ بن معین موسیٰ بن عبید (ضعیف روای) کے متعلق فرماتے ہیں کہ ان سے رقائق (آداب و فضائل) کے باب میں روایت لی جاسکتی ہے۔“

(۴) حافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے جن لوگوں سے (عقائد و احکام میں تشدد و فضائل وغیرہ میں تساہل) نقل کیا ہے، ان میں یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں۔ (۲)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ (۳) کے موقف کی وضاحت:

علامہ جمال الدین قاسمی (۴) رحمۃ اللہ علیہ نے ”قواعد التحدیث“ (۵) میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب مطلقاً رد ہی نقل کیا ہے اور یہ نتیجہ انہوں نے صحیح بخاری کی شرائط اور اس میں کسی ضعیف حدیث کو داخل کتاب نہ کرنے سے نکالا ہے، لیکن یہ بات درست نہیں، بلکہ اس مسئلہ میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا موقف بالکل جمہور کے موافق ہے۔

۱۔ شرح علل الترمذی: ۷۴/۱ ۲۔ فتح المغیث: بشرح الفیہ الحدیث: ۱۵۱/۲

۳۔ ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم المغیرہ بن بردزبہ جعفی بخاری۔ موصوف کی ولادت ۱۲ شوال ۱۹۳ھ میں ہوئی ہے۔ آپ تحصیل علم و فقہ کے لئے مختلف دور دراز شہروں میں پہنچے ہیں اور بڑے بڑے محدثین و فقہاء سے علم حاصل کیا ہے، ان رحلات کے دوران فاقے بھی کئے اور پتے اور گھاس کھا کر گزارا کیا، بعض اوقات اپنا لباس تک فروخت کر دینے کی نوبت بھی آئی، زندگی کے ایک بڑے حصے میں سالن استعمال نہیں کیا یہی وجہ ہے کہ امام بخاری ؑ اس عظیم مرتبہ پر پہنچے کہ بڑے اور چھوٹے سب ان کی تعریف میں رطب اللسان نظر آتے ہیں۔ موصوف کا حافظہ بھی بے مثال تھا، جس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔ موصوف نے حدیث رسول کی جو خدمت کی ہے وہ کسی سے مخفی نہیں، آپ میں یہ تمام اوصاف موجود تھے: احتیاط و تقویٰ، حسن سلوک اور اپنا، بے نفسی، حدیث پر عمل اور شوق عبادت۔ وفات ۲۵۶ میں ہوئی۔ چند مشہور تصانیف: الجامع الصحیح، لأدب المفرد، تاریخ کبیر۔ ترجمہ کے لئے دیکھئے: تاریخ مدینہ السلام: ۳۲۲/۲-۳۵۷، اور الأعلام: ۳۴۶/۶

۴۔ جمال الدین بن محمد سعید بن قاسم سلفی ۱۲۸۳ھ میں پیدا ہوئے۔ موصوف اپنے زمانہ میں شام کے امام اور ادیب تھے۔ وفات ۱۳۳۲ھ میں ہوئی ہے۔ چند مشہور تصانیف: قواعد التحدیث، دلائل التوحید، محاسن التاویل۔ ترجمہ کے لئے دیکھئے: الأعلام: ۱۳۵/۲

۵۔ قواعد التحدیث: ص ۱۱۳

جہاں تک صحیح بخاری کا تعلق ہے تو اولاً: اس میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صرف صحیح حدیثوں کا التزام کیا ہے، لہذا اس میں کسی ضعیف حدیث کا نہ ہونا اس بات کو مستلزم نہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ضعیف حدیث سرے سے ناقابل عمل ہے، جیسا کہ کسی حدیث کا اس میں نہ ہونا اس بات کو مستلزم نہیں کہ وہ غیر صحیح ہے، چنانچہ خود آپ نے احادیث آداب و اخلاق کا ایک گراں قدر مجموعہ ”الادب المفرد“ کے نام سے مرتب فرمایا ہے جس کی شروط یقیناً ان کی ”الجامع الصحیح“ سے بہت فروتر ہے، حتیٰ کہ محافظ سنت کے لئے (شیخ ناصر الدین البانی صاحب) ”صحیح الادب المفرد“ اور ”ضعیف الادب المفرد“ جیسے عمل کی مشقت اٹھانی پڑی۔

اس کتاب میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فضائل اور ترغیب و ترہیب کے بارے میں بیسیوں حدیثیں ضعیف نقل کی ہیں اور ان کا ضعف واضح بھی نہیں کیا ہے یعنی یہ بھی نہیں بتلایا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ فضائل اور ترغیب و ترہیب میں عام طور پر محدثین کے یہاں ضعیف احادیث پر عمل تھا، حتیٰ کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فضائل کے باب میں بلا تکلف ضعیف احادیث سے استدلال کرتے ہیں۔

محدث شام شیخ عبدالفتاح ابو غده حنفی رحمہ اللہ^(۱) فرماتے ہیں:

۱۔ ابو غده عبدالفتاح بن محمد بن بشیر حنفی: موصوف ۱۳۳۶ھ کو حلب میں پیدا ہوئے، اور یہی ابتدائی تعلیم ہوئی۔ موصوف نے تفسیر، حدیث، فقہ، اصول اور ادب کی تکمیل اس دور کے نامور علماء سے کی اور سینکڑوں مشائخ وقت اور محدثین سے روایت حدیث کی اجازت حاصل کی۔ جب موصوف نے علوم دینیہ کی تحصیل کر لی تو درس و تدریس، تصنیف و تالیف، تحقیق و تعلیق اور تخریج کا مشغلہ اختیار کیا۔ فراغت کے بعد مشہور و معروف دینی اداروں میں مسند درس کو زینت بخشی۔ موصوف مشہور محدث، فقیہ اور محقق تھے، آپ کی علمی خدمات نہایت قابل قدر ہیں۔ وفات ۱۴۱۷ھ میں ہوئی۔ چند مشہور تصانیف: صفحات من صبر العلماء، لمحات من تاریخ السنۃ و علوم الحدیث، الاسناد من الدین، قیمۃ الزمن عند العلماء شیخ کی بیسیوں حدیث اور رجال کی کتابوں پر تحقیقات ارباب علم اور اہل ذوق سے داد تحسین حاصل کر چکی ہیں جن میں چند مشہور یہ ہیں: سنن نسائی، لسان المیزان، خلاصۃ الخرزجی۔ اس کے علاوہ بیسیوں کتابوں پر شیخ کی نہایت وسیع تعلیقات اودہ حواشی ہیں جن میں سرفہرست: الرفع والکمال، الأجوبة الفاضلة، توجیہ النظر، ثلاث رسائل، اربع رسائل اور خمس رسائل ہیں۔ ترجمہ کے لئے دیکھئے:

”جرى الإمام البخاري في كتابه ”الأدب المفرد“ فأورد فيه جملة كبيرة من الأحاديث والآثار الضعيفة مستدلاً بها في الباب وقد يكون الباب قاصراً عليها، وفي روايتها الضعيف، والمجهول، ومنكر الحديث، والمتروك وأشباه ذلك.“ (۱)

(ترجمہ): ”اسی طرح امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کتاب میں ضعیف احادیث و آثار کی ایک بڑی مقدار تخریج کی ہے، بلکہ بعض ابواب تو آباد ہی ضعیف احادیث سے ہیں، اور آپ نے ان سے استدلال کیا ہے، چنانچہ اس کے رجال میں، مجہول، منکر الحدیث اور متروک ہر طرح کے پائے جاتے ہیں۔“

نیز موصوف دوسری جگہ رقمطراز ہیں:

”مشى عليه البخاري في ”الأدب المفرد“، مشى عليه شيخه الإمام أحمد في كتابه ”الزهد“ وقبله الإمام عبد الله بن المبارك في كتابه الزهد وغيرهما ممن ألفوا في الفضائل والرقائق كما هو معلوم مشهور.“ (۲)

(ترجمہ): ”حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے الادب المفرد میں فضائل کے باب میں ضعیف احادیث کے قبول کرنے کا جو طرز اپنایا ہے یہی طریقہ ان کے شیخ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا بھی تھا، جیسا کہ ان کی کتاب الزہد سے واضح ہے اور یہی طریقہ ان سے پہلے حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کا بھی تھا، جیسا کہ ان کی کتاب الزہد والرقائق سے واضح ہے، اسی طرح جن لوگوں نے بھی زہد و رقائق کے بارے میں کتابیں تالیف کی ہیں، جیسا کہ یہ بات مشہور و معروف ہے۔“

۱۔ تعلیق ظفر الامانی بشرح سید شریف جرجانی: ص ۱۸۲

۲۔ تعلیق ظفر الامانی بشرح سید شریف جرجانی ص ۱۸۵

(ان تمام محدثین نے فضائل میں ضعیف حدیث سے استدلال کیا ہے۔)
ہم ان کی مثالیں ”الادب المفرد“ سے ان شاء اللہ تعالیٰ آگے ذکر کریں گے۔
اس پوری بحث سے لامحالہ یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا موقف بالکل جمہور
کے موافق ہے۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ (۱) کے موقف کی وضاحت:
علامہ جمال الدین قاسمی رحمۃ اللہ علیہ نے ”قواعد التحدیث“ (۲)
میں امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب بھی مطلقاً رد ہی نقل کیا ہے اور دلیل یہ دی ہے کہ انہوں
نے مقدمہ میں ضعیف و منکر احادیث کے روایت کرنے والوں کی سخت مذمت کی ہے۔ اور اپنی
صحیح میں ضعیف حدیث کا اخراج نہیں کیا ہے، حالانکہ ان کا مذہب بھی جمہور کے موافق ہے، شواہد
درج ذیل ہیں:

(۱) امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی اس مذمت سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ ضعفاء سے روایت

۱۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ ابوالحسن مسلم بن الحجاج بن مسلم بن وردقشیری نيسابوری۔ موصوف کی
ولادت ۲۰۲ھ میں ہوئی۔ موصوف نے اپنے زمانہ کے نامور علماء اور سینکڑوں مشائخ وقت اور
محدثین سے علم حاصل کیا، تحصیل علم کے سلسلہ میں بارہا بصرہ تشریف لے گئے۔ امام موصوف
کے زمانہ میں سینکڑوں ائمہ فن پیدا ہو چکے تھے جس میں بہت سے شیوخ کو امام موصوف کی
استاذی کا شرف حاصل ہے، تاہم موصوف کو فطری قابلیت اور قوت حافظہ نے اس قدر گرویدہ
بنالیا تھا کہ ابن راہویہ نے پیشن گوئی فرمائی، خدا جانے کس بلا کا یہ شخص ہوگا۔ ابو زر عہ اور ابو حاتم
نے ان کی امامت حدیث کی گواہی دی ہے اور انہیں محدثین کا پیشوا تسلیم کیا ہے، موصوف صحیح
وسقیم حدیث کی پہچان میں اپنے تمام اہل عصر میں ممتاز تھے۔ پوری زندگی میں نہ کسی کی غیبت کی
اور نہ ضرب و شتم۔ وفات ۲۶۱ھ میں ہوئی۔ چند مشہور تصانیف: صحیح مسلم، کتاب الوجدان،
کتاب التیمیز۔ ترجمہ کے لئے دیکھئے: تاریخ مدینۃ السلام: ۱۵/۱۲۱-۱۲۵، اور البدایہ
والنہایہ: ۱۱/۲۶۹-۷۲ کا موقف:

کرنا مطلقاً ناجائز ہے، انہوں نے تو صحیح حدیثوں کو جمع کرنے والے پر یہ بات ضروری قرار دی ہے کہ وہ مشہور ثقہ راویوں کی حدیثوں کو تلاش کر کے جمع کرے، ضعیف حدیث کے علی الاطلاق مردود ہونے پر ان سے کوئی صراحت منقول نہیں ہے۔

(۲) امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں ”عطاء بن السائب، لیث بن ابی سلیم، یزید بن ابی زیاد، ابان بن صممہ، محمد بن اسحاق اور محمد بن عمرو بن علقمہ جیسے متکلم فیہ رواۃ کی روایات لی ہیں ہم تو ان جیسے راویوں کی روایات فضائل میں قابل عمل قرار دے رہے ہیں، چنانچہ امام مسلمؒ کے اس صنیع سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک ضعیف حدیث فضائل میں قابل عمل ہے۔

(۳) امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے بعض ضعفاء کی حدیثیں صحیح میں متابعات و شواہد کے طور پر لی ہیں، چنانچہ ”مقدمہ صحیح“ میں راویان کے بارے میں اختیار کردہ منہج بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

”إنا نعهد إلى جملة ما أسند من الأخبار عن رسول الله ﷺ فنقسمها على ثلاثة أقسام، وثلاثة طبقات من الناس.. فأما القسم الأول: فإننا نتوخى أن نقدم الأخبار التي أسلم من العيوب من غيرها وأنقى. من أن يكون ناقلوها أهل استقامة في الحديث، واتقان لما نقلوا. لم يوجد في رواياتهم اختلاف شديد. ولا تخليط فاحش.. فإذا نحن نقصينا أخبار هذا الصنف من الناس، أتبعنا أخباراً يقع في أسانيد بعضها بعض من ليس بالموصوف بالحفظ والاتقان۔

كالصنف المتقدم قبلهم. فأما ما كان منها عن قوم عند أهل الحديث متهمون أو عند الأكثر منهم. فلسنا نتشاغل بتخريج حديثهم.“ (۱)

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اس عبارت میں حدیثوں کی تین قسمیں بنانے کے ساتھ ساتھ روایت کی بھی تین قسمیں بنائی ہیں۔

(۱) وہ حدیثیں جو حفاظ متقنین کی روایت سے ہیں۔

(۲) وہ حدیثیں جو ایسے لوگوں کی روایت سے ہیں جو حفظ و اتقان میں متوسط اور بظاہر

جرح سے محفوظ ہیں۔

(۳) وہ حدیثیں جو ضعیفاء اور متروکین کی روایت سے ہیں۔

اس تیسرے طبقہ میں امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے چوتھے طبقے کی طرف اشارہ کیا ہے جو ان کی عبارت ”أو عند الأكثر منهم.“ اور ”وكذلك من الغالب على حديثه المنكر أو الغلط.“ کے مفہوم مخالف سے سمجھ میں آ رہا ہے۔ اگرچہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر تصریح نہیں فرمائی ہے اور یہ وہ طبقہ ہے جو بعض کے نزدیک ضعیف ہے اور بعض کے نزدیک ثقہ۔ اور ایسے ہی وہ روایت بھی جن کی اکثر یا تمام روایات ثقہ روایت کے مخالف نہ ہوں۔ اسی طرح وہ روایت بھی جو کثرت اغلاط کے شکار نہ ہوں اس طبقے میں داخل ہیں۔

مذکورہ طبقے کے روایت سے بھی امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت لی ہے جس کی تصریح شارح مسلم قاضی عیاض^(۱) رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے، اور علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو ”فتح الملہم“ میں نقل کیا ہے:

۱۔ ابو الفضل عیاض بن موسیٰ بن عیاض بن عمرو بن موسیٰ مکی سیبی ۴۹۶ھ میں مقام سبت میں پیدا ہوئے اور یہیں نشوونما پائی۔ موصوف نے اول اپنے شہر کے علماء و مشائخ سے استفادہ کیا۔ پھر اندلس کی طرف سفر کیا اور وہاں کے علماء و مشائخ سے علم حدیث اور دیگر فنون حاصل کئے۔ موصوف علوم حدیث، نحو، فقہ، کلام عرب اور معرفت ایام و انساب میں مہارت کلیہ رکھتے تھے۔ وفات ۵۴۴ھ میں مراکش میں ہوئی۔ چند مشہور تصانیف: اکمال المعلم شرح صحیح مسلم، مشارق الانوار، اللماع فی ضبط الروایۃ و تقیید السماع۔ ترجمہ کے لئے دیکھئے: تاریخ الاسلام:

”ثم أشاره إلى ترك حديث من أجمع العلماء أو اتفق
الأكثر منهم على تهمة، وبقى من اتهمه بعضهم وزكاه
بعضهم، فلم يذكره هنا، ووجدته ذكر في أبواب كتابه
حديث الطنقتين الأولين، وأتى بأسانيد الثانية منها على
طريق الاتباع للأولى، والا ستشهاد، أوحى لم يجد في
الباب للقسم الأول شيئاً، وذكر أقواماً تكلم فيهم قوم
وزكاهم آخرون ممن ضعف روايتهم ببدعة، فعندي أنه أتى
بطبقاته الثلاث في كتابه على ما ذكر، ورتب في مقدمة
كتابه، وبينه في تقسيمه، وطرح الرابعة كما نص عليه“^(۱)

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے جن تین طبقات کا ذکر کیا ہے، ان میں آخری طبقہ ان رواۃ کا ہے
جن کے متہم ہونے پر تمام یا اکثر علماء کا اتفاق ہے، اس سے پہلے ایک طبقہ ہے جس کا ذکر امام مسلم
رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی عبارت میں نہیں کیا ہے، اور وہ، وہ لوگ ہیں جن کو بعض نے ضعیف کہا ہیں
اور بعض نے ان کی توثیق کی ہیں۔

یہ کل چار طبقے ہوئے، میں نے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کو پایا کہ وہ پہلے دونوں طبقوں کی
حدیثیں لاتے ہیں، اس طرح کے باب میں اولاً طبقہ اولیٰ کی حدیث کو لیکر آتے ہیں پھر مزید
تقویت کے لئے طبقہ ثانیہ کی حدیثیں ذکر کرتے ہیں اور جب کسی باب میں طبقہ اولیٰ سے کوئی
حدیث ان کے پاس نہیں ہوتی تو طبقہ ثانیہ ہی کی حدیث پر اکتفاء کر لیتے ہیں، پھر کچھ ایسے لوگوں
کی حدیثیں بھی لیکر آتے ہیں جن کی بعض نے تضعیف اور بعض نے توثیق کی ہوتی ہے،
میرے (قاضی عیاض) نزدیک حق بات یہ ہے کہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اس کتاب ”
الجامع الصحیح“ میں ان تینوں طبقوں سے روایت لی ہیں، رہے چوتھے طبقے کے لوگ تو ان کی روایت
کو آپ نے نہیں لیا ہے۔

نیز موصوف فرماتے ہیں:

”پھر میں نے اپنی اس رائے کو ماہرین علم حدیث کے سامنے پیش کیا تو سب نے میری اس رائے کی تصویب کی۔“ (۱)

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے جو توجیہ کی ہے، علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ بھی اس کو پسند فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں:

”و هذا الذي اختاره ظاهر جداً.“ (۲)

(ترجمہ): ”اور قاضی عیاض نے جس رائے کو اختیار کیا ہے یہ بالکل ظاہر ہے۔“

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت بھی اسی طرف مشیر ہے:

”قلت: بل خرج حديث الطبقة الأولى، وحديث الثانية إلا النزر القليل مما يستنكره لأهل الطبقة الثانية. ثم خرج لأهل الطبقة الثالثة أحاديث ليست بالكثيرة في الشواهد و الاعتبارات، والمتابعات، وقل أن خرج لهم في الأصول شيئاً.... وهم كعطاء بن السائب، وليث، ويزيد ابن زياد، وأبان بن صعمة، ومحمد بن إسحاق، ومحمد بن عمرو بن علقمة، وطائفة أمثالهم.“ (۳)

(ترجمہ): ”میں کہتاں کہ طبقہ اولی و ثانیہ کی حدیثیں مساویانہ طور پر لیتے ہیں، ثانیہ کی محدودے چند کو چھوڑ کر جس میں وہ کسی قسم کی نکارت سمجھتے ہیں، پھر متابعات و شواہد کے طور پر طبقہ ثالثہ کی حدیثیں لیتے ہیں، جن کی تعداد بہت زیادہ نہیں، اصول میں تو ان کی حدیثیں شاید و باید ہی لیتے ہیں، یہ عطاء بن السائب، لیث بن ابی سلیم،

۱۔ مقدمہ صحیح مسلم مع شرح النووی: ۲۸۷/۱

۲۔ حوالہ سابق: ۲۹۱/۱

۳۔ سیر اعلام النبلاء: ۵۷۵/۱۲

یزید بن ابی زیاد، ابان بن صمعہ، محمد بن اسحاق اور محمد بن عمرو بن علقمہ اور ان کی حیثیت کے لوگ ہیں۔“

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فتح الملہم میں ”بحث المصنف و صنیع مسلم فی صحیحہ من روایۃ بعض الضعفاء۔“ (۱) کے تحت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کی اس رائے کو نقل کیا ہے اور پھر اس پر کوئی نکیر نہیں فرمائی ہے۔ چنانچہ اس سے معلوم ہوا کہ ان کے ہاں بھی یہی درست ہے۔

ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک روایۃ احادیث کے اصل میں چار طبقات ہیں، تین کو تو انہوں نے صراحتاً بیان فرمایا اور ایک کو ضمناً بیان کیا ہے، نیز یہ کہ ان تینوں طبقوں کی احادیث کو ”الجامع الصحیح“ میں نقل کیا ہے، رہے چوتھے طبقے کے لوگ تو ان کی روایت کو آپ نے نہیں لیا ہے۔

”مقدمہ مسلم“ کی عبارت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ”طبقہ ثالث“ وہ ہے جس کے روایۃ جمیع یا اکثر کے نزدیک متہم اور متروک ہیں، مگر شارحین مسلم نے اس کو چوتھا طبقہ بنایا ہے جیسا کہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ ”وطرح الرابعۃ“ سے اس طبقے کی طرف اشارہ کیا ہے جس کے بارے میں امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ ”فلسنا نتشاغل“ کہہ رہے ہیں۔

لیکن حقیقت میں ”طبقہ ثالث“ وہ ہے جسے ہم نے اوپر ذکر کیا؛ کیونکہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے تین طبقات سے تو روایت لی ہیں جیسا کہ موصوف نے

”إنا نعلم ما أسند من الأخبار عن رسول الله ﷺ فنقسمها على ثلاثة أقسام و ثلاثة طبقات من الناس.“ (۲)

۱۔ فتح الملہم شرح صحیح مسلم: ۱۵۵/۱

۲۔ مقدمۃ الجامع الصحیح لامام مسلم: ۱۱۱/۱

سے اشارہ کیا ہے۔ جبکہ جسے ہم ”طبقہ رابعہ“ قرار دے رہے ہیں اس کے بارے میں تو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے صاف طور پر ”فلسنا نتشاغل“ کا اعلان فرما دیا ہے۔

توابع و شواہد کے بارے میں جو کچھ بھی کہا گیا ہے اور اس کا جو بھی مقام و مرتبہ ہے، تاہم امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے پوری کتاب کا نام ”المسند الصحيح المختصر من السنن، بنقل العدل عن العدل عن رسول اللہ ﷺ“ رکھا ہے۔^(۱)

چنانچہ محدث شام شیخ عبدالفتاح ابو غدہ الحنفی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ”ملاٹ رسائل“ کی تعلیقات میں اس پر تنبیہ فرمائی ہے۔^(۲)

اس پوری بحث سے لامحالہ یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کا موقف بالکل وہی ہے جو جمہور کا ہے۔

علامہ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ کے موقف کی وضاحت:

علامہ جمال الدین قاسمی رحمۃ اللہ علیہ نے ”قواعد التحدیث“^(۳)

میں علامہ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب بھی مطلقاً رد ہی نقل کیا ہے، لیکن ان کا مذہب بھی جمہور کے موافق ہے۔

علامہ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق اہل علم کو معلوم ہے کہ وہ پکے ظاہری تھے، لیکن ان کو بھی بہت سے مسائل میں ضعیف حدیث کو قبول کرنا پڑا، اپنی مشہور کتاب ”المحلی“ میں ایک جگہ رقمطراز ہیں:

”وهذا الأثر وإن لم يكن مما يحتج بمثله فلم نجد عن رسول الله ﷺ غيره وقد قال أحمد بن حنبل: ضعيف“

۱۔ تحقیق اسی التحسین واسم جامع الترمذی: ص ۳۳-۵۱

۲۔ ملاٹ رسائل: ص ۱۸۶

۳۔ قواعد التحدیث: ص ۱۱۳

الحديث أحب ألي من الرأي .“ (۱)

(ترجمہ): ”یعنی ہم نے جس حدیث سے استدلال کیا ہے اس جیسی حدیث کو اگرچہ حجت نہیں بنا یا جاتا مگر ہمیں اس کے علاوہ حضور ﷺ کی کوئی دوسری حدیث ملی نہیں اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے، ضعیف حدیث مجھے رائے سے زیادہ پسند ہے۔“

علامہ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ کی یہ غیر مقلدیت بھی دیکھئے! کہ ضعیف حدیث سے استدلال کرنے کے لئے وہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ کی تقلید کر رہے ہیں، ایک طرف ان کی کتابوں میں تقلید کے خلاف ایک طوفاں ہے اور دوسری طرف امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید کا قلابہ بھی اپنے گلے میں علی الاعلان ڈالا جا رہا ہے۔ معلوم ہوا کہ تقلید کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں۔

چنانچہ اس سے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کا بھی مطلب سمجھ میں آتا ہے، جو لوگ اس سے حسن درجہ والی روایت مراد لیتے ہیں ان کے لئے ”وإن لم یکن مما یحتج بمثلہ“ والے جملہ سے فرار کی کوئی سبیل نہیں!

قاضی ابوبکر ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ کے موقف کی وضاحت:

علامہ سخاویؒ نے ”فتح المغیث“ (۲) میں قاضی ابوبکر ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب مطلقاً رد ہی نقل کیا ہے، لیکن ان کا مذہب بھی جمہور کے موافق ہے۔ جہاں تک ”احکام القرآن“ کی عبارت ہے، (۳) جس میں موصوف نے اپنے تلامذہ کو وصیت کی ہے کہ ایسے احادیث سے شغف نہ رکھو جن کی سندیں صحیح نہ ہو، لیکن اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ ضعیفاء سے روایت کرنا مطلقاً ناجائز ہے، انہوں نے تو صحیح حدیثوں کو جمع کرنے کی ترغیب دی ہے کہ وہ مشہور ثقہ راویوں کی حدیثوں کو تلاش کر کے جمع کریں، ضعیف حدیث کے علی الاطلاق مردود ہونے پر ان سے کوئی صراحت تو ملی نہیں جس سے ثابت ہو کہ ان کے نزدیک فضائل اعمال میں ضعیف حدیث قابل عمل نہیں، البتہ اس کے برعکس ثابت ہے۔

۱۔ المحلی بالآثار: ۶۱/۳

۲۔ فتح المغیث بشرح الفیہ الحدیث: ۱۵۲/۲

۳۔ احکام القرآن لابن العربی: ۵۸۰/۲

۱۔ مرسل حدیث جو جمہور محدثین و شافعیہ کے نزدیک ضعیف ہے، مالکیہ کے نزدیک اس سے استدلال درست ہے، وہ خود اس بات کو نقل کرتے ہیں:

”المرسل عندنا حجة في أحكام الدين من التحليل والتحريم، وفي الفضائل، وثواب العبادات، وقدینا ذلك في أصول الفقه“ (۱)

(ترجمہ): ”مرسل حدیث مالکیہ کے نزدیک تمام احکام دین میں حجت ہے، اور اس کے ساتھ ساتھ فضائل اعمال میں بھی، اور اس بات کو ہم اصول فقہ میں بیان کر چکے ہیں۔“

۲۔ ضعیف حدیث کے فضائل اعمال میں معمول بہ ہونے کی صراحت خود فرماتے ہیں:

”روی أبو عيسى حديثاً مجهولاً فإن شئت فسمته وإن شئت فلا؛ وهو إن كان مجهولاً فإنه يستحب العمل به، لأنه دعاء بخير؛ وصلة للجليس؛ وتودد له“ (۲)

(ترجمہ): ”یعنی اگرچہ یہ حدیث ایک مجہول کی روایت سے ہے: کہ اگر آپ چاہو تو چھینک کا جواب دو، اور اگر چاہو تو جواب نہ دو، لیکن اس پر عمل کرنا مستحب ہے، کیونکہ اس میں خیر کی دعاء اور ہمنشین کی دل جوئی اور اس سے تعلق و محبت کا اظہار ہے۔“

چنانچہ مذکورہ بحث کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ موصوف مطلقاً عدم جواز کے قائل ہیں۔

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے موقف کی وضاحت:

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ بھی فضائل اعمال وغیرہ میں ضعیف حدیث پر عمل کے مسئلہ میں جمہور سے الگ نہیں ہو سکے، اس دعویٰ کا بین ثبوت ان کی کتاب ”الکلم الطیب“ ہے، اس میں ضعیف حدیثوں کی تعداد کتنی ہے؟ اس کا جواب شیخ ناصر الدین البانی صاحب دیں گے، جنہوں نے ”صحیح الکلم الطیب“ اور ضعیف الکلم الطیب“ میں خطا تذاویز قائم کرنے کا کارنامہ انجام دی ہے۔

اس سے قطع نظر ضعیف حدیث کے فضائل اعمال میں معمول بہ ہونے کی صراحت موصوف خود فرماتے ہیں:

۱۔ عارضة الاحوذی شرح جامع الترمذی ۲/۲۳۷

۲۔ عارضة الاحوذی شرح جامع الترمذی: ۲۰۵/۱۰

”فإذا روي حديث في فضل بعض الأعمال المستحبة، وثوابها، وكرهية بعض الأعمال وعقابها فمقادير الثواب والعقاب وأنواعه إذا روي فيها حديث لا نعلم أنه موضوع جازت روايته والعمل به.. فالحاصل أن هذا الباب يروى ويعمل به في الترغيب والترهيب.“^(۱)

(ترجمہ): ”جب کوئی روایت بعض اعمالِ مستحبہ کی فضیلت و ثواب اور بعض اعمال کی کراہت اور عقاب میں روایت کی جائے، پھر ثواب و عقاب اور ان کی انواع کی مقدار کے بارے میں کوئی ایسی روایت کی جائے اور ہمیں علم نہ ہو کہ یہ روایت موضوع ہے تو اس روایت کے بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اس پر عمل کرنا بھی جائز ہے۔“

حاصل کلام یہ کہ ترغیب و ترہیب کے باب میں اس قسم کی روایت کا روایت کرنے کے ساتھ ساتھ اس پر عمل کرنا بھی جائز ہے۔

علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ کے موقف کی وضاحت:

اگرچہ علامہ شوکانی^(۲) رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ”الفوائد المجموعہ“^(۳) کی عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے نزدیک ضعیف حدیث مطلقاً ناقابل عمل ہے، لیکن ان کی اہم ترین تصنیف ”نیل الاوطار“ کی یہ عبارت اس کی نفی کرتی ہے:

- ۱۔ مجموع فتاویٰ امام ابن تیمیہ: ۶۶، ۶۵، ۱۸
- ۲۔ ابو عبد اللہ محمد بن علی بن محمد عبد اللہ شوکانی یمنی صنعانی سلفی۔ موصوف ۱۷۳۷ھ میں پیدا ہوئے۔ موصوف بڑے محدث شہیر، مقتدا و پیشوائے فرقہ اہل حدیث گزرے ہیں، اکابر محدثین زمانہ سے علوم کی تکمیل کی تحصیل کمالات کے بعد آپ سے بکثرت علماء نے استفادہ کیا، ۱۲۲۹ھ میں موصوف صنعائین کے قاضی القضاۃ بھی مقرر ہوئے تھے۔ موصوف تقلید کو ناجائز کہتے تھے۔ وفات ۱۲۵۰ھ میں ہوئی۔ چند مشہور تصانیف: نیل الاوطار، تفسیر فتح القدیر، تحفۃ الذاکرین، الفوائد المجموعہ۔ ترجمہ کے لئے دیکھئے: الاعلام: ۶، ۲۹۸، اور انوار الباری شرح صحیح البخاری: ۲، ۲۹۳
- ۳۔ الفوائد المجموعہ فی الأحادیث الموضوعۃ: ص ۲۸۳

”والآیات والأحادیث المذكورة في الباب تدل على مشروعية الاستكثار من الصلاة بين المغرب والعشاء والأحادیث وإن كان أكثرها ضعيفاً فهي منتهضة لمجموعها لا سيما في فضائل الأعمال“ (۱)

(ترجمہ): ”اس کا مطلب یہ ہے کہ مغرب وعشاء کے درمیان نوافل کی کثرت سے متعلق اکثر حدیثیں اگرچہ ضعیف ہیں، لیکن ان کی مجموعی حیثیت اس قابل ہے کہ ان پر عمل کیا جائے، خاص کر فضائل اعمال میں۔“

مذکورہ عبارت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مغرب اور عشاء کے مابین نوافل کے بارے میں جو کہ صلاۃ اوابین کے نام سے مشہور ہے بہت سی روایات مروی ہیں، حالانکہ امام ترمذی اس کے بارے میں فرماتے ہیں:

”عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم: من صلى بعد المغرب ست ركعات، لم يتكلم فيما بينهن بسوء، عدلن له بعبادة ثنتي عشرة سنة۔ قال أبو عيسى وقد روى عن عائشة رضی اللہ عنہا عن النبي صلی اللہ علیہ وسلم قال من صلى بعد المغرب عشرين ركعة بنى الله له بيتاً في الجنة۔ قال أبو عيسى حديث أبي هريرة رضی اللہ عنہ حديث غريب لانعرفه إلا من حديث زيد بن الحبان، عن عمر بن أبي خثعم قال: وسمعت محمد بن إسماعيل يقول: عمر بن عبد الله بن أبي خثعم منكر الحديث وضعفه جداً“ (۲)

”قال الكشميري لم يصح فيها حديث وحديث الباب أيضاً ضعيف والعمل به مع ضعفه۔“ (۳)

۱۔ نیل الاوطار شرح منتهی الاخبار: ۶۷/۳

۲۔ (جامع الترمذی ۴۵۶/۱)

۳۔ العرف الہدی علی جامع الترمذی: ۱۰۱

امام ترمذیؒ مذکورہ روایت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ روایت صرف زید بن الحبان عن عمر بن ابی شعم کے طریق سے مروی ہے اور میں نے امام بخاریؒ سے عمر بن ابی شعم کے بارے میں سنا کہ انہوں نے ان کو ”منکر الحدیث“ کہنے کے ساتھ ان کی نہایت تضعیف بھی کی ہے۔ علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ اس باب میں کوئی حدیث صحیح نہیں اور مذکورہ حدیث بھی ضعیف ہے، لیکن اس کے باوجود اس پر عمل ہے۔

نیز موصوف کی کتاب ”تحفۃ الذاکرین“ کا مطالعہ کرنے والا شخص تو ہمت ہی نہیں کر سکتا کہ ان کی طرف زیر بحث مسئلہ میں خلاف جمہور رائے کا انتساب کرے، کیونکہ اس میں بہت سے احادیث ضعیف ہیں۔

یہ صرف چند اقوال اور چند کتابوں کے نام پیش کئے گئے جن میں ائمہ، فقہاء اور محدثین کرام کا ضعیف حدیث کے متعلق منہج اور عمل بیان کیا گیا ہے، ورنہ کتب فقہ، کتب اصول، کتب حدیث اور کتب رجال سے کئی مثالیں مزید پیش کی جاسکتی ہیں۔

ما قبل میں ذکر کردہ تمام عبارات و معروضات سے یہ حقیقت آشکارا ہو گئی کہ ضعیف حدیث جب تک موضوع نہ ہو چند شرائط کے ساتھ جبکہ احکام و عقائد سے متعلق نہ ہو، تو اجماعی طور پر پوری امت کے نزدیک قابل عمل ہے، اور امام نوویؒ، ابن حجرؒ، ملا علی قاریؒ نے جو اجماع کا دعویٰ کیا تھا وہ بظاہر بالکل درست معلوم ہوتا ہے، لہذا یہ کہنا کہ ضعیف احادیث حجت نہیں سراسر ائمہ مجتہدین اور محققین کے مذہب نیز، فقہ حدیث کی باریکیوں سے ناواقفیت کی دلیل ہے! حقیقت یہ ہے کہ ہر دور میں ضعیف احادیث سے استدلال کیا جاتا رہا ہے اور حضرات محدثین ان ضعیف احادیث کو اپنی کتابوں میں درج کرتے چلے آئے ہیں اور حضرات فقہاء ان سے بعض مقامات پر استدلال کرتے رہے ہیں اور پوری امت بالاتفاق ان پر عمل کرتی چلی آرہی ہے۔

لہذا ضعیف احادیث کا مطلقاً انکار کر دینا اور انہیں قابل عمل نہ سمجھنا سخت غلطی ہے امت مرحومہ اس فکری انتشار کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ اس امت کو پہلے ہی دین اسلام کے بارے میں شکوک و شبہات سے دوچار کیا جا رہا ہے اور دین اسلام پر سے ان کا اعتماد ختم کر دینے اور اس کی

ازلی وابدی اور روشن تعلیمات سے محروم کر دینے اور سلف سے ان کا تعلق ختم کر دینے کے لئے طرح طرح کی سازشوں کے جال پھیلانے جارہے ہیں۔

ایسے میں امت کو دین اسلام کی طرف راغب کرنے اور ان کی ڈوبتی ناؤں کو سہارا دینے اور اسلامی تعلیمات سے ان کا رشتہ مضبوط کرنے کی ضرورت ہے۔

ان حالات میں قرآن کریم کے بعد احادیث رسول اللہ ﷺ ہی سے رہنمائی حاصل کی جا سکتی ہے، اگر ضعیف احادیث کا مطلقاً انکار کر دیا جائے تو امت، احادیث نبویہ کے ایک بڑے ذخیرے سے محروم ہو جائے گی۔

کیا صحتِ سند صحتِ متن کو مستلزم ہے؟

سند کا مقام شریعت مطہرہ میں بہت ہی اہمیت کا حامل ہے، اسی وجہ سے کہا گیا ”لو لا الإِسْنَادُ لَقَالَ مَنْ شَاءَ مَا شَاءَ.“ (۱) اگر سند نہ ہوتی تو جس کے جی میں جو آتا کہہ جاتا، اور جب چاہتا آپ ﷺ کی طرف نسبت کرتا۔ لیکن اس کے باوجود صحت و ضعف وغیرہ کے پرکھنے کا مدار صرف سند کو قرار دینا صحیح نہیں، اس لئے کہ بعض سندیں بالکل صحیح ہوتی ہیں لیکن ان کا متن صحیح نہیں ہوتا، اور ایسی بھی کئی صورتیں ہیں کہ جن کی سندیں تو مجروح ہیں لیکن متن بالکل صحیح ہے، لہذا صرف سند کو مدار بنانا صحیح نہیں۔

(۱) چنانچہ علامہ ابن الصلاح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”ولیس من شرطہ أن یکون مقطوعاً بہ فی نفس الأمر.. فلیس ذلك قطعاً بأنه کذب فی نفس الأمر.“ (۲)

(ترجمہ): ”اور یہ ضروری نہیں کہ یہ حدیث نفس الامر میں بھی صحیح ہو۔ ایسا ہی یہ بھی ضروری نہیں کہ یہ حدیث نفس الامر میں بھی غیر صحیح ہو۔“

(۲) علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

”والحكم بالصحة أو الحسن على الإسناد، لا يلزم منه الحكم بذلك على المتن، إذ قد يكون شاذاً أو معللاً.“ (۱)

(ترجمہ): ”یعنی سند پر صحیح یا حسن کا حکم لگانا اس بات کو مستلزم نہیں کہ متن پر بھی صحیح یا حسن کا حکم لگایا جائے، اس لئے کہ متن کبھی شاذ ہوتا ہے کبھی معلل۔“

(۳) محقق ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”فإن ضعف الإسناد غير قاطع ببطلان المتن بل ظاهر فيه، فإذا تأيد بما يدل على صحته من القرائن كان صحيحاً.“ (۲)

(ترجمہ): ”کسی حدیث کے سند کا ضعیف ہونے سے یقینی طور پر یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس کا متن بے اصل ہو اور ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے، چنانچہ جب ایسے قرائن مل جائے جن سے اس حدیث کی صحت کی تائید ہو جائے تو یہ حدیث صحیح شمار ہوگی۔“

دوسری بات روایات پر صحت و ضعف کا حکم لگانا خود ایک امر اجتہادی ہے۔

(۳) علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”أن تضعيف الرجال و توثيقهم، و تصحيح الأحاديث و تحسينها أمر اجتهادي. ولكل وجهة.“ (۳)

(ترجمہ): ”رجال کی تضعیف و توثیق، اور احادیث کی تصحیح و تحسین ایک امر اجتہادی ہے اور ہر ایک کے لئے ایک جہت ہے۔“

لہذا عین ممکن ہے کہ ایک راوی ایک کے نزدیک ضعیف ہو اور دوسرے کے ہاں ثقہ ہو، اور اس جیسی مثالوں سے اسماء رجال کی کتابیں بھری پڑی ہیں، اسی طرح ایک حدیث ایک کے

۱۔ اختصار علوم الحدیث مع الشرح الباعث الحثیث: ص ۴۳

۲۔ فتح القدیر: ۸۷/۲

۳۔ قواعد فی علوم الحدیث: ص ۴۹

نزدیک ضعیف ہو اور دوسرے کے ہاں صحیح یا حسن ہو۔ صرف اس وجہ سے ضعیف حدیث کو چھوڑ دینا کہ فلاں نے اس کو ضعیف کہا ہے، کہاں کی عقلمندی ہے؟! ممکن ہے کہ یہ حدیث صحیح یا حسن درجہ کی ہو، لیکن چونکہ فضائل اعمال، مناقب، ترغیب و ترہیب سیر و مغازی کی احادیث کے ذریعہ غفلت سے بیداری اور دین پر عمل کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، اس لئے پورے شد و مد سے ان کے خلاف کر کے اعمال کی حیثیت گھٹانے کا فریضہ انجام دیا گیا۔

یہاں تک ضعیف حدیث کی اسنادی حیثیت سے بحث کی گئی ہے، اب اس امر کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ یہی ضعیف حدیث اگر فقہاء و محدثین میں متلقی بالقبول ہو جائے تو ضعف کے باوجود اسے احکام میں بھی مستدل بناتے ہیں، معلوم یہ ہوا کہ حدیث کی دیگر اقسام کی طرح احکام میں حجت بننے سے صرف اسنادی ضعف مانع ہے، اگر قرائن قویہ سے اس ضعف کی تلافی ہو جائے تو احکام میں بھی حجت بن سکتی ہے حتیٰ کہ مقطوع کے لئے بھی ناسخ بن سکتی ہے! اور اگر قرائن نہ بھی ہوں تو بھی فی نفسہ فضائل وغیرہ میں جمہور کے ہاں بلا تردد قابل تحمل ہے۔

تلقی بالقبول کی حیثیت:

تلقی بالقبول کی وجہ سے ایسی احادیث بھی صحت کا درجہ پالیتی ہیں جنہیں حضرات محدثین اسنادی حیثیت سے صحیح قرار نہیں دیتے، چنانچہ اس بارے میں چند ایک معروضات نظر قارئین ہیں:

(۱) ”علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ“ ”الاستدکار“ میں امام بخاری اور امام ترمذی کا یہ قول ”حدیث“ ”ہو الطہور ماء ہ“ کی سند اہل علم کے نزدیک صحیح نہیں ہے“ (جبکہ امام بخاری اور امام ترمذی کے نزدیک صحیح ہے) نقل کر کے لکھتے ہیں:

”لکن الحدیث عندي صحيح؛ لأن العلماء تلقّوه بالقبول.“ (۱)

(ترجمہ): ”لیکن یہ حدیث میرے نزدیک بھی صحیح ہے؛ اس لئے کہ اسے علماء کی تلقی بالقبول حاصل ہے۔“

نیز موصوف ”التمہید“ میں حدیث ”الدینار أربعة وعشرون قيراطاً .“ پر بحث کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

”وفي قول جماعة العلماء، وإجماع الناس على معناه، غنى عن الإسناد فيه.“ (۱)

(ترجمہ): ”علماء کی ایک جماعت کا اس کے مطابق عمل کرنا اور لوگوں کا اس کے معنی پر اجماع ہونا، اس حدیث کو سند سے مستغنی کر دیتے ہیں۔“

(۲) حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ ”تلقین میت“ کے بارے میں ایک حدیث نقل کر کے فرماتے ہیں:

”فهذا الحديث وإن لم يثبت، فاتصال العمل به في سائر الأمصار، والأعصار من غير إنكار كافٍ في العمل به.“ (۲)

(ترجمہ): ”یہ حدیث اگرچہ ثابت نہیں ہے لیکن تمام شہروں اور زمانوں میں بغیر کسی تکیر کے اس پر عمل متصل چلا آ رہا ہے جو عمل کرنے کے لئے کافی ہے۔“

(۳) علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”ثم وقفت بعد هذا على كلام لشيخنا العلامة ابن تيمية أنه

نقل القطع بالحديث الذي تلقته الأمة بالقبول عن

جماعات من الأئمة، منهم القاضي عبد الوهاب المالكي،

والشيخ أبو حامد الأسفرائني، والقاضي أبو الطيب الطبري،

والشيخ أبو اسحاق الشيرازي من الشافعية، وابن حامد،

و أبو يعلى ابن الفراء، وأبو الخطاب، وابن الزاغوني، وأمثالهم

من الحنابلة، وشمس الأئمة السرخسي من الحنفية،

قال: وهو قول أكثر أهل الكلام من الأشعرية وغيرهم كأبي

إسحاق الاسفرائني، وابن فورك و قال: و هو مذهب أهل الحديث قاطبةً و مذهب السلف عامةً، و هو معنى ما ذكره ابن الصلاح استنباطاً فوافق فيه هؤلاء الأئمة. “(۱)

(ترجمہ): ”امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مضمون میری نظر سے گزرا، جس میں انہوں نے ائمہ کی ایک بڑی جماعت سے نقل کیا ہے کہ جب کسی حدیث کو تلقی

بالقبول حاصل ہو جائے تو وہ علم یقینی کا فائدہ دیتی ہے، منجملہ ان علماء کے شوافع میں سے قاضی عبدالوہاب مالکی، شیخ ابو حامد اسفرائنی، قاضی ابوالطیب طبری، شیخ ابواسحاق اسفرائنی، حنابلہ میں سے ابن حامد، ابویعلیٰ، ابن الفراء، ابوالخطاب، ابن زاغونی

وغیرہ ہیں، احناف میں شمس الائمہ سرحسی کا بھی یہی مذہب ہے کہ جس حدیث کو تلقی بالقبول حاصل ہو وہ علم یقینی کا فائدہ دیتی ہے۔ پھر فرمایا: اہل کلام میں سے اکثر

اشاعرہ جیسے ابواسحاق اسفرائنی، ابن فورک وغیرہ کا بھی یہی مذہب ہے، مزید یہ کہ تمام محدثین اور سلف کا بھی یہی مذہب ہے۔ یہ وہی بات ہے جسے ابن صلاح رحمۃ

اللہ علیہ نے بطور استنباط بیان کیا اور ان ائمہ کی موافقت کی۔“

(۴) علامہ زرکشی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”أن الصحة توجد أيضا من أهل الحديث بالقبول و العمل به، وإن لم يوقف له على إسناد صحيح“ (۲)

(ترجمہ): ”حدیث کے صحیح ہونے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ محدثین کے ہاں اسے تلقی بالقبول حاصل ہونے کے ساتھ ساتھ اس پر عمل بھی ہوا ہو، اگرچہ اس کی کوئی صحیح سند نہ ہو۔“

(۵) حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”ومن جملة صفات القبول أن يتفق العلماء على العمل

بمدلول حدیث؛ فإنہ یقبل حتی یجب العمل به، و قد صرح بذلك جماعة من أئمة الأصول. “(۱)

(ترجمہ): ”کسی حدیث کے مقبول ہونے کی وجوہات میں سے ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اہل علم اس حدیث کے مدلول پر عمل کرنے میں متفق ہوں؛ چنانچہ جس حدیث کی یہ حالت ہو وہ مقبول ہے اور اس پر عمل کرنا واجب ہے، اور اس اصول کی تصریح ائمہ اصول حدیث کی ایک پوری جماعت نے کی ہے۔“

(۶) محقق ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ حدیث ”طلاق الأمة ثنتان وعدتها حیضتان“ کے بارے میں بعض محدثین کی تضعیف نقل کر کے ان کی تردید کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

”و مما یصح الحدیث أيضاً عمل العلماء علی وفقہ، و قال الترمذی عقیب روایتہ: حدیث غریب، والعمل علیہ عند أهل العلم من أصحاب رسول الله ﷺ وغيرهم، وفي ”الدارقطني“ قال القاسم و سالم: عمل به المسلمون۔ وقال مالك: شهرة الحدیث بالمدينة تغني عن صحة سنده انتهى و الله أعلم.“ (۲)

(ترجمہ): ”علماء کا کسی حدیث کے مطابق عمل کرنا بھی تصحیح حدیث کا سبب ہے، امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد فرماتے ہیں: (اگرچہ) حدیث غریب ہے لیکن صحابہ اور تابعین کے اہل علم حضرات نے اسی پر عمل کیا ہے، ”دارقطنی“ میں ہے۔ ”قاسم اور سالم نے کہا ہے“ مسلمانوں کا عمل اسی پر ہے۔ امام مالک فرماتے ہیں: مدینے میں حدیث کی شہرت اس کی سند کی صحت سے مستغنی کر دیتی ہے۔“

(۷) علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

”و كذا إذا تلقت الأمة الضعيف بالقبول، يعمل به على الصحيح، حتى أنه ينزل منزلة المتواتر في أنه ينسخ

۱۔ لأجوبة الفاضلة للأسئلة العشرة الكاملة: ص ۲۳۱

۲۔ فتح القدیر: ۳/۳۳۹

المقطوع به.. ولهذا قال الشافعي في حديث "لا وصية لوارث" إنه لا يثبت أهل الحديث، ولكن العامة تلقته بالقبول وعملوا به حتى جعلوه ناسخاً لآية الوصية. (۱)

(ترجمہ): "اسی طرح جب ضعیف حدیث کو تلقی بالقبول حاصل ہو جائے تو اس پر حدیث صحیح کی طرح عمل کیا جائے گا، بسا اوقات اسے تو اتر کے مرتبے میں قرار دیکر قطعیات کو بھی منسوخ کیا جاتا ہے، اسی وجہ سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث "لا وصیۃ لوارث" کے بارے میں فرمایا ہے کہ یہ حدیث اگرچہ محدثین کے نزدیک کسی صحیح سند سے ثابت نہیں، لیکن عامۃ المسلمین نے اسے تلقی بالقبول سے نوازا ہے اور اسے آیت وصیت کے لئے ناسخ قرار دیا۔"

(۸) علامہ سیوطی رحمہ اللہ یوں گویا ہیں:

"قال بعضهم: يحكم للحديث بالصحة إذا تلقاه الناس بالقبول وإن لم يكن له إسناد صحيح. (۲)"

(ترجمہ): "بعض محدثین کہتے ہیں کہ جب کسی حدیث کو لوگوں کے عمل سے تائید (تلقی بالقبول) حاصل ہو جائے تو اگرچہ اس کی سند صحیح نہ بھی ہو تب بھی اس پر "صحت" کا حکم لگا دیا جائے گا۔"

(۹) علامہ اکرم سندھی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

"وهذا التلقي وحده أقوى في إضافة العلم من مجرد كثرة الطرق القاصرة عن التواتر. (۳)"

(ترجمہ): "تلقی بالقبول علم یقین کا فائدہ دینے میں ان کثرت طرق سے زیادہ قوی ہے جو تو اتر تک نہ پہنچے ہوں۔"

۱۔ فتح المغیب بشرح المغیۃ الحدیث: ۱۵۳/۲-۱۵۴

۲۔ تدریب الراوی فی شرح تقریب النوادی: ۶۶/۱

۳۔ امعان الخمر شرح نوحۃ الفکر ص ۳۳

(۱۱) علامہ عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”و کذا إذا تلقت الأمة الضعيف بالقبول يعمل به على الصحيح، حتى إنه ينزل منزلة المتواتر في أنه ينسخ المقطوع به، ولهذا قال الشافعي في حديث لا وصية لوارث إنه لا يثبت أهل الحديث، ولكن العامة تلقت بالقبول و عملوا به حتى جعلوه ناسخاً لآية الوصية، أو كان في موضع احتياط“ (۱)

(ترجمہ): ”اسی طرح جب ضعیف حدیث کو تلقی بالقبول حاصل ہو جائے تو اس پر حدیث صحیح کی طرح عمل کیا جائے گا، بسا اوقات اسے تواتر کے مرتبے میں قرار دیکر قطعیات کو بھی منسوخ کیا جاتا ہے، اسی وجہ سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث ”لا وصیۃ لوارث“ کے بارے میں فرمایا ہے کہ یہ حدیث اگرچہ محدثین کے نزدیک کسی صحیح سند سے ثابت نہیں، لیکن عامۃ المسلمین نے اسے تلقی بالقبول سے نوازا ہے اور اسے آیت وصیت کے لئے ناسخ قرار دیا۔ اسی طرح ضعیف حدیث موضع احتیاط میں بھی قابل قبول ہوتی ہے۔

(۱۲) حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

”و ذهب بعضهم إلى أن الحديث إذا تأيد بالعمل ارتقى من حال الضعيف إلى مرتبة القبول وهو الأوجه عندي.“ (۲)

(ترجمہ): ”بعض محدثین کہتے ہیں کہ جب ضعیف حدیث کی تائید عمل سے ہو جائے تو وہ مرتبہ ضعف سے درجہ قبول تک ترقی کر جاتی ہے اور یہی میرے نزدیک صحیح ہے۔“

اس ساری بحث سے یہ ثابت ہوا کہ ضعیف حدیث کو جب تلقی بالقبول حاصل ہو جائے تو اسے صحیح قرار دیا جائے گا، لہذا اب یہ حدیث اس تلقی بالقبول کی وجہ سے بمنزلہ متواتر بن جائے گی۔

۱۔ لأجوبة الفاضلة للأسئلة العشرة الكاملة: ص ۵۱-۵۲

۲۔ فیض الباری شرح صحیح البخاری: ۳/۴۰۹

حدیث ضعیف میں شروط ثلاثہ کی حیثیت:

حدیث ضعیف کی مقبولیت کے لیے علماء نے کچھ شرائط مقرر کیے ہیں، متقدمین کے ہاں بھی اس کے مقبولیت کے لیے شرائط تھیں، تاہم متاخرین نے اس کے شرائط کی مزید تنقیح کی، سب سے پہلے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے منقح انداز میں اس کے لیے باقاعدہ تین شرائط مقرر کئے، جسے بہت مقبولیت ملی، اور بعد میں اسی کو کتابوں میں نقل کیا جانے لگا۔ جن کے ذریعہ نہ صرف حدیث ضعیف کو ایک مقام مل جاتا ہے بلکہ اس کے ذریعہ سے پیدا ہونے والے کسی شرعی مشکل کا بھی تدارک ہو جاتا ہے۔ یعنی حدیث ضعیف کا بالکل ترک بھی لازم نہیں آتا، اور وہ کسی بڑی شرعی بات کے لیے بنیاد بھی نہیں بنے گی۔

چونکہ یہ شرائط سب سے پہلے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہیں، اسی وجہ سے علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ان تین شرائط میں سے سوائے ایک شرط کے باقی کو علامہ ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر نہیں کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

”لم يذكر ابن الصلاح، والمصنف هنا، وفي سائر كتبه لما

ذكر، سوى هذا الشرط: وهو كونه في الفضائل ونحوها“ (۱)

(ترجمہ): ”علامہ ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے سوائے

اس شرط کے کہ فضائل اعمال وغیرہ میں ہو اور کسی شرط کا ذکر نہیں کیا ہے، بلکہ امام

نووی رحمۃ اللہ علیہ نے تو اپنی تمام تصانیف میں سوائے مذکورہ شرط کے اور کوئی شرط

ذکر ہی نہیں کی ہے۔“

البتہ ان میں ہر شرط بذات خود ضعیف حدیث پر کس قدر موثر ہے یہ بحث تفصیل کی مقتضی ہے۔

تین شرائط:

حافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ ضعیف

حدیث پر عمل کرنے کے لئے تین شرائط ہیں:

”سمعت شيخنا ابن حجرأي العسقلاني المصري مراراً يقول وكتبه لي بخطه: إن شرائط العمل بالضعيف ثلاثة: الأول: متفق عليه، وهو أن يكون الضعف غير شديد، فيخرج من انفراد من الكذابين والمتهمين ومن فحش غلطه. والثاني: أن يكون مندرجاً تحت أصل عام، فيخرج ما يبتدع بحيث لا يكون له أصل أصلاً. والثالث: أن لا يعتقد عند العمل به ثبوته، لئلا ينسب إلى النبي ﷺ ما لم يقله. قال: والأخيران عن ابن عبد السلام وابن دقيق العيد، والأول نقل العلائي الاتفاق عليه.“ (۱)

(ترجمہ): ”میں نے اپنے شیخ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ سے بارہا یہ سنا اور مجھے لکھ کر بھی بھیجا کہ ضعیف حدیث پر عمل کرنے کے لئے تین شرائط ہیں:

اول: یہ کہ اس حدیث کا ضعف شدید نہ ہو، لہذا اس شرط سے کذابین، متہمین اور فاحش الغلط کی وہ روایات جن کے نقل کرنے میں وہ منفرد ہوں خارج ہو گئیں۔

دوم: یہ کہ دین کے عام اصول کے تحت داخل ہو، یعنی اس کا مضمون دین کے مسلمہ اصول و قواعد کے معارض نہ ہو، موضوع روایات اس شرط سے خارج ہو گئیں۔

سوم: اس ضعیف حدیث پر عمل کرتے وقت، اس کے بعینہ ثبوت کا اعتقاد نہ رکھا جائے کہ یہ آپ ﷺ سے اسی طرح ثابت ہے۔“ شرط اول: علامہ علائی (۲) رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے جس پر سب کا اتفاق نقل کیا ہے، بقیہ دو شرطیں ابن عبد السلام رحمہ اللہ اور ابن دقیق العید رحمہ اللہ

۱۔ القول البدیع فی الصلاة علی الحبيب الشفیع: ص ۴۹۶، ۴۹۷

۲۔ ابوسعید خلیل بن کیرکلی علائی شافعی ۶۹۴ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ تحصیل علم و فقہ کے لئے مختلف دور دراز شہروں میں پہنچے ہیں اور بڑے بڑے محدثین و فقہاء سے علم حاصل کیا ہے۔ موصوف مشہور حافظ حدیث، فقیہ، متکلم، ادیب، اور شاعر تھے۔ موصوف کو معرفت رجال، علل اور متون میں بھی ید طولی حاصل تھا، اور اپنا تر، تنقیح القہوم فی صغ العموم۔ ترجمہ کے لئے دیکھئے: طبقات الشافعیۃ الکبریٰ: ۲۳۸/۵-۲۳۹، اور شذرات الذہب فی اخبار مثل نہیں چھوڑا۔ وفات ۷۶۱ھ میں ہوئی ہے۔ چند مشہور تصانیف: جامع التحصیل، الاشباہ والنظائر من ذہب: ۳۸۱/۶-۳۸۲

سے منقول ہیں۔“

شرط اول: جس کے بارے میں علامہ علائی رحمہ اللہ کے حوالے سے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ یہ شرط اتفاقی ہے، البتہ شیخ محمد عوامہ صاحب مدظلہ العالی نے ”القول البدیع“ کی تعلیق میں^(۱) اس امر میں دعویٰ اتفاق کے بارے میں تردد کا اظہار کیا ہے، اس کے بعد موصوف نے علامہ سخاوی رحمہ اللہ کی اس عبارت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

علامہ سخاوی رحمہ اللہ صلوٰۃ حاجت کے تحت ایک حدیث ذکر کر کے اس پر کلام کرنے کے بعد یوں فرماتے ہیں:

”و فی الجملة هو حدیث ضعیف جداً یکتب فی فضائل الأعمال.“^(۲)

(ترجمہ): ”یعنی من جملہ یہ حدیث ضعیف جداً ہے لیکن پھر بھی فضائل اعمال میں معتبر ہے۔“

شیخ محمد عوامہ مدظلہ العالی نے اپنی عبارت میں جس امر کی طرف اشارہ کیا ہے بعض اعلام متقدمین کی نصوص سے بھی یہی بات مستفاد ہوتی ہے۔

چنانچہ امام بیہقی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

”و ضرب لا یكون راویہ متھماً بالوضع، غیر أنه عرف بسوء الحفظ و كثرة الغلط في رواياته، أو يكون مجهولاً لم يثبت من عدالته و شرائط قبول خبره ما يوجب العمل. فهذا الضرب أن الأحاديث لا يكون مستعملاً في الأحكام،.. وقد يستعمل في الدعوات والترغيب والترهيب.“^(۳)

(ترجمہ): ”رواۃ کی ایک قسم وہ ہے کہ راوی متہم بالکذب تو نہیں ہوتا، البتہ سوء حفظ کا شکار ہے جس کی وجہ سے روایات میں ان سے بکثرت غلطیوں کا صدور ہوتا رہتا

۱۔ القول البدیع فی الصلاۃ علی الحبیب الشفیع: ص ۴۹۷

۲۔ القول البدیع فی الصلاۃ علی الحبیب الشفیع: ص ۴۵۳

۳۔ دلائل النبوة: ۳۴/۱

ہے، یا مجہول ہے جس کی عدالت معلوم نہیں اور نہ وہ اوصاف ان میں موجود ہیں جن کی وجہ سے روایت کو قبول کیا جاتا ہے۔

تو ایسے رواۃ سے جو روایات مروی ہوں وہ احکام میں مستدل تو نہیں بن سکتیں، البتہ فضائل، ترغیب و ترہیب میں ان روایات پر عمل کیا جائے گا۔
امام ابن ابی حاتم^(۱) رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

”و منهم الصدوق الورع المغفل الغالب علیہ الوهم، و الخطاء، و الغلط، و السهو، فهو یکتب من حدیثہ الترغیب، و الترہیب و الزہد و الآداب.“^(۲)

(ترجمہ): ”یعنی راوی کی ایک قسم ایسی ہوتی ہے کہ اس میں صدق ورع کی صفت تو ہوتی ہے مگر مغفل ہوتا ہے، وہم کا اس پر غلبہ رہتا ہے، غلطی اور بھول چوک اس پر غالب رہتی ہے اس طرح کے راویوں کی روایتیں ترغیب و ترہیب اور زہد و آداب میں قبول کی جائیں گی۔“

اس بحث سے لامحالہ یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جس طرح یہ ایک اتفاقی بات ہے کہ موضوع روایات کسی درجہ میں بھی قابل عمل نہیں اسی طرح یہ بات بھی اتفاقی معلوم ہوتی ہے کہ ضعیف احادیث جبکہ ان میں ضعف شدید نہ ہو، فضائل میں بلا اختلاف قابل عمل ہیں۔

اس تفصیل سے ہم ہرگز یہ ثابت کرنا نہیں چاہتے کہ پہلی شرط کا لحاظ فضائل اعمال میں رکھنا

۱۔ ابو محمد عبد الرحمان بن محمد بن ادریس بن منذر حنظلی رازی شافعی جو ابن ابی حاتم سے مشہور ہیں ۲۴۰ھ میں پیدا ہوئے۔ تحصیل علوم اپنے والد ماجد سے کرنے کے ساتھ ساتھ اس زمانے کے ارباب علم و فضل سے کیا۔ موصوف اپنے زمانے کے مشہور محدث، حافظ حدیث فقیہ، مورخ اور ابدال تھے، موصوف معرفت رجال اور علل کے بھی مسلم امام تھے۔ وفات ۳۲۷ھ میں ہوئی ہے۔ چند مشہور تصانیف: الجرح والتعديل، کتاب العلل، کتاب المراسیل۔ ترجمہ کے لئے دیکھئے: الانساب: ۳۲۶/۲-۳۲۷، اور معجم البلدان: ۱۲۰/۳

۲۔ الجرح والتعديل: ۷/۱

ضروری نہیں، بلکہ اس بات کی طرف اشارہ کرنا مطلوب ہے کہ ائمہ حدیث نے ضعف شدید کے باوجود تحمل روایت کی طرف میلان کا اظہار کیا ہے اور ان کے صنیع میں بہت سے مقامات پر اس کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔

یہاں پر یہ بات بھی یاد رہے کہ! چونکہ بعض علماء نے موضوع کو بھی ضعیف کے عنوان میں داخل کیا ہے اس لئے اگر ضعف شدید سے مراد موضوع ہو تو روایت ”ماسوی الموضوع والعمل بہ“ میں آجائے گا، اور اس صورت میں مذکورہ شرط اتفاقی ہوگی۔

تاہم رائج اور قابل اعتماد مذہب جمہور کا ہے کہ ضعف شدید پر مشتمل روایت فضائل میں بھی معتبر نہیں، البتہ اس تفصیل سے یہ بات اب بخوبی سمجھ میں آجائے گی کہ ضعف خفیف پر مشتمل روایت کی قبولیت پر تنقید کرنا اور اس کو مختلف فیہ امر بنانا، جمہور اعلام امت کے موقف کے خلاف اور ان کے صنیع سے کج روی ہے، بس یہی وہ نکتہ ہے جس کی وضاحت اس خاص تناظر میں ہمیں کرنی تھی۔

شرط ثانی کی حیثیت

مذکورہ شرط ہی کی بنیاد پر شیخ ناصر الدین البانی صاحب نے ضعیف حدیث کے فضائل میں بھی ناقابل اعتبار ہونے پر استدلال کیا ہے، چونکہ موصوف کے ہاں ضعیف حدیث موضوع حدیث ہی کی طرح ہے، اس لئے جب موضوع حدیث اصل عام کے تحت داخل ہی نہیں تو ضعیف حدیث بھی داخل نہیں ہوگی۔

مگر موصوف کا یہ استدلال غلط ہے، کیونکہ مذکورہ شرط اس لئے نہیں لگائی گئی ہے کہ اس کے ذریعہ ضعیف حدیث کو نکال باہر کیا جائے، بلکہ اس شرط سے مقصود موضوع روایات کو نکالنا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے خود اس کی تصریح کی ہے: ”والثانی: أن یکون مندرجاً تحت أصل عام، فیخرج ما یخترع بحیث لا یکون له أصل أصلاً“ دوم: یہ کہ دین کے عام اصول کے تحت داخل ہو، یعنی اس کا مضمون دین کے مسلمہ اصول و قواعد کے معارض نہ ہو، موضوع

روایات اس شرط سے خارج ہو گئیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ مذکورہ شرط ہی کی وجہ سے ضعیف حدیث کو تقویت مل چکی ہے جیسا کہ شیخ محمود سعید مدوح اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

”وہذا واضح؛ لأن الضعيف يحمل أمانة ضعيفة، فإذا اندرج تحت أصل عام، تقوى به، وصار صالحاً للاحتجاج بالهيئة المجموعة من الأصل العام ومن الدليل الخاص۔“ (۱)

(ترجمہ): ”یہ واضح سی بات ہے کہ حدیث ضعیف میں علامات ضعف پائی جاتی ہیں، پس جب یہ حدیث ضعیف اصل عام کے تحت داخل ہو جائے تو اس کو قوت حاصل ہو جاتی ہے، اصل عام اور اس دلیل خاص کی ہیئت مجموعہ سے اور استدلال کرنے کی اس میں صلاحیت پیدا ہو جاتی۔“

اس کی وجہ یہ ہے کہ علامات ضعیفہ اصل عام کے تحت داخل ہونے کی وجہ سے قوی ہو گئی ہیں۔ جہاں تک اصل عام کے تحت داخل ہونے کا مسئلہ ہے تو وہ ضعیف ہی کے ساتھ خاص نہیں؛ بلکہ ہر روایت کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اصل عام کے تحت داخل ہوں ورنہ وہ روایت معمول بہ نہیں بن سکتی اگرچہ حضرات محدثین کی رو سے وہ صحیح کیوں نہ ہو؟۔

شرط ثالث کی حیثیت

حدیث ضعیف کی قبولیت کے لیے تیسری شرط یہ لگائی گئی ہے کہ ”عمل کرتے وقت ثبوت کا اعتقاد نہ رکھے“۔ محدثین کی اس شرط کا کیا مقصد ہے؟ اس کو غور سے سمجھنے کی ضرورت ہے۔ بعض حضرات نے اس کا غلط معنی لیکر اس شرط کا مطلب بالکل عجیب مراد لیا ہے، چونکہ یہ غور طلب ہے لہذا کسی قدر تفصیل کے ساتھ اس کو واضح کیا جاتا ہے۔

چونکہ یہ تین شرائط اپنی موجودہ صورت کے اعتبار سے سب سے پہلے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ

سے نقل کی جاتی ہیں، لہذا سب سے پہلے ان کا حوالہ پیش کیا جاتا ہے۔ علامہ سخاوی رحمہ اللہ نے اپنے استاذ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ سے جو عبارت نقل کی ہے وہ درج ذیل ہے:

”والثالث: أن لا يعتقد عند العمل به ثبوته لئلا ينسب الى النبي ﷺ ما لم يقله.“ (۱)

(ترجمہ): ”تیسری شرط یہ ہے کہ ”حدیث ضعیف پر عمل کرنے والا عمل کرتے وقت اس حدیث کے ثبوت کا اعتقاد نہ رکھے، تاکہ حضور ﷺ کی طرف ایسی بات منسوب نہ کرے جو حضور ﷺ نے ارشاد نہیں فرمائی ہے۔“

(۱) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے یہ بات زیادہ تفصیل کے ساتھ اپنی کتاب ”تبیین العجب بما ورد في فضل رجب“ میں تحریر فرمائی ہے۔

چنانچہ موصوف ارشاد فرماتے ہیں:

”وينبغي مع ذلك: اشتراط أن يعتقد العامل كون ذلك الحديث ضعيفا، وأن لا يشهر ذلك، لئلا يعمل المرء بحديث، فيشرع ما ليس بشرع. أو يراه بعض الجهال فيظن أنه سنة صحيحة“ (۲)

(ترجمہ): ”ان شرائط کے ساتھ ایک شرط یہ بھی مناسب ہے کہ اس حدیث ضعیف پر عمل کرنے والا اس حدیث کے ضعیف ہونے کا اعتقاد رکھے، اور اس حدیث کو زیادہ شہرت نہ دے، تاکہ ایسا نہ ہو کہ کوئی حدیث ضعیف پر عمل کرے اور کسی غیر مشروع بات کو شریعت بنائے۔ یا کوئی جاہل اس حدیث کو دیکھے اور اس کو سنت صحیحہ سمجھ بیٹھے۔“

(۲) علامہ عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

۱۔ القول البدیع فی الصلاة علی الحبيب الشفیع: ص ۴۹۶، ۴۹۷

۲۔ تبیین العجب بما ورد في فضل رجب: ص ۱۱

” أن لا يعتقد العامل ثبوته بل الخروج عن العهدة بيقين، فإنه إن كان صحيحا في نفس الأمر فذاك، وإلا لم يترتب على العمل به فساد شرع.“ (۱)

(ترجمہ) ”اس حدیث ضعیف پر عمل کرنے والا صرف اس کے ثبوت کا اعتقاد نہ کرے بلکہ یقینی طور پر اس حدیث ضعیف پر عمل کرنے کی ذمہ داری سے نکلنے کا اعتقاد رکھے؛ کیونکہ اگر یہ حدیث ضعیف نفس الامر میں بھی صحیح ہے پھر تو اس پر عمل ہو گیا، اور اگر نفس الامر میں صحیح نہ ہو تو اس پر عمل کرنے میں کوئی فساد شرعی بھی مرتب نہ ہوا، کیونکہ یہ حدیث ضعیف قواعد شرعیہ کے تحت داخل ہے۔“

(۳) شیخ محمود سعید مدوح اس شرط کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”الشرط الثالث: قولهم أن لا يعتقد عند العمل به ثبوته للنبي ﷺ، والاعتقاد هنا يعني الظن بمعنى إدراك الطرف الراجح، وهذا الشرط مع دقته لا يمنع العمل بالحديث الضعيف؛ فالحديث الضعيف لم يترجح فيه جانب الظن أو الوهم فيتوقف فيه، وقد يزيد أحد الجانبين تبعا لدرجة ضعف الحديث، فلما لم يترجح جانب الظن كان الصواب عدم اعتقاد أي ظن نسبته لرسول الله ﷺ، وكذا لما لم يترجح جانب الوهم، كان الصواب أيضا عدم نفي النسبة، فالاحتمال قائم سلبا وإيجابا. وهذا الكلام يصدق على الضعيف غير الموضوع بدرجاته الثلاث وهو المشبه أو اللين، والمتوسط، والشديد. فالأول جانب الظن، فاحتمال الصواب فيه راجح، وحصل التوقف لغصة أو شبهة

احتیاطاً. والثانی استوی فیہ الطرفان. والثالث غلب فیہ الوهم باحتمال الخطأ ولم یصل لحد الترتک. ولما کان الأمر كذلك فیجوز العمل به لتقویة الأمانة الضعیفة بدرجاتها التي فیہ بالأصل العام المتقدم فی الشرط الثانی، ولكن یتوقف فی نسبته للنبی ﷺ من باب الاحتیاط فقط لاسیما فی النوعین الأول والثانی، ولا یلزم من التوقف فی النسبة منع العمل، فالقیاس معمول به ولكن لا ینسب للنبی ﷺ، فتدبر. (۱)

(ترجمہ): ”حضرات محدثین کا یہ کہنا: ”أن لا یعتقد عند العمل به ثبوته للنبی ﷺ“ یہاں اعتقاد سے مراد ظن ہے بمعنی طرف رائج یعنی طرف رائج کا ادراک، عمل بالحدیث الضعیف کی یہ شرط باجود دقت کے حدیث ضعیف پر عمل کرنے سے مانع نہیں ہے، کیونکہ حدیث ضعیف میں نہ ظن غالب رائج ہوتا ہے اور نہ وہم اور کبھی کبھار حدیث کے ضعف کے تابع ہو کر کوئی ایک جانب رائج ہو جاتی ہے۔ لیکن جب حدیث ضعیف میں ظن غالب رائج نہیں ہے تو درست بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ آپ ﷺ کی طرف اس کی نسبت کا اعتقاد نہ رکھا جائے، ایسا ہی جب حدیث ضعیف میں وہم بھی رائج نہیں ہے تو اس اعتبار سے بھی درست یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی طرف نسبت کرنے کی نفی بھی نہ کی جائے، لہذا ایجاباً اور سلباً دونوں اعتبار سے احتمال موجود ہے۔

مذکورہ کلام حدیث ضعیف غیر موضوع کے تینوں درجوں پر صادق آتا ہے۔ ”ضعف مشہہ“ یا لین، ”ضعف متوسط“ اور ”ضعف شدید“۔ پہلی قسم میں جانب ظن رائج ہوتا ہے لہذا درستگی کا احتمال

اس میں رائج ہے، اور احتیاطاً کسی شبہ سے اس میں توقف کیا جاتا ہے، اور دوسری قسم میں دونوں جانب برابر رہتے ہیں، اور تیسری صورت میں احتمال خطا کی وجہ سے اس میں وہم غالب ہوتا ہے اور حد ترک تک نہیں پہنچا ہوتا۔

اور جب معاملہ ایسا ہے تو ضعیف حدیث پر عمل کرنا جائز ہے؛ کیونکہ اس میں علامات ضعیفہ اصل عام کے تحت داخل ہونے کی وجہ سے قوی ہو گئیں، لیکن اس کی نسبت حضور ﷺ کی طرف کرنے میں احتیاطاً توقف کیا جائے گا خصوصاً پہلی دو قسموں میں، اور حضور ﷺ کی طرف نسبت کرنے میں توقف کی وجہ سے یہ لازم نہیں آئے گا کہ اس پر عمل بھی نہ کیا جائے؛ کیونکہ قیاس پر عمل کیا جاتا ہے لیکن اس کی نسبت حضور ﷺ کی طرف نہیں کی جاتی ہے۔“

مذکورہ عبارات سے مقصود یہی ہے کہ ضعیف حدیث کی فنی اور عملی حیثیت افراط و تفریط کا شکار نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ حضرات محدثین ”حدیث“ کے معاملہ میں بہت ہی محتاط رہے ہیں، چنانچہ کسی ایک محدث کے بارے میں کبھی بھی یہ ثابت نہیں کیا جاسکتا ہے کہ ان سے ”حدیث رسول“ میں کذب واقع ہوا ہے، لہذا اسی احتیاط کی بنیاد پر شرط ثالث لگائی گئی ہے، مذکورہ شرط اس لئے نہیں لگائی ہے کہ حضرات محدثین کے ہاں ضعیف حدیث سرے سے ثابت ہی نہیں، بلکہ اس سے مقصود احتیاط ہے اور یہ مسلمہ اصول ہے کہ شریعت میں احتیاط ہی کو مد نظر رکھا جاتا ہے۔ ورنہ ضعیف حدیث اصل عام کے تحت داخل ہونے کی وجہ سے پہلے سے قابل عمل بن چکی ہے۔

مگر افسوس ہے! کہ شیخ ناصر الدین البانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی روایتی تحقیق کی بنیاد پر مذکورہ شرط ہی کی بنا پر حدیث ضعیف کو فضائل میں بھی ناقابل عمل قرار دیا ہے۔

شرط ثلاثہ کی افادیت ایک واضح امر ہے، شرط اول کی اہمیت خود واضح ہے۔ شرط ثانی یعنی اصل عام کے تحت ہونا بھی ضروری ہے، اس لئے کہ ضعیف حدیث باوجود فضائل، ترغیب و ترہیب پر مشتمل ہونے کے کسی اصل عام یا صحیح روایت کے خلاف ہو جس میں تطبیق بھی ممکن نہ ہو، تو ضعیف حدیث کو ترک کر دیا جائے گا۔

شرط ثالث سے مقصود بھی یہی ہے کہ ضعیف حدیث کی فنی اور عملی حیثیت افراط کا شکار نہ ہو۔

کیا ضعیف حدیث کو بیان کرتے ہوئے ضعیف کا بیان کرنا ضروری ہے؟
پہلا مسلک:

حفاظ حدیث نے ضعیف حدیث پر عمل کے لئے بیان ضعیف کو ضروری قرار نہیں دیا ہے؛ بلکہ ان کے ہاں تو بیان ضعیف کے غیر مطلوب ہونے پر تصریحات موجود ہیں:

(۱) چنانچہ حافظ ابن صلاح رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”يجوز عند أهل الحديث وغيرهم التساهل في الأسانيد

و روايته ما سوى الموضوع من أنواع الأحاديث الضعيفة

من غير اهتمام ببيان ضعفها ----“ (۱)

دیگر حضرات کی مکمل عبارات پیچھے مذہب ثانی میں ملاحظہ فرمائیں۔

(ترجمہ): ”محدثین اور غیر محدثین سب کے نزدیک اسانید میں تساہل برتنا، اور

ضعیف کی قسموں میں سے موضوع روایت کے ماسوا روایت کرنا، اس کے ضعیف

بیان کئے بغیر جائز ہے۔

(۲) علامہ عراقی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”من غير بيان لضعفه.“ (۲)

(ترجمہ): ”ضعیف روایت ضعیف بیان کئے بغیر قابل عمل ہے۔“

(۳) علامہ زکریا انصاری رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

”من غير تبين لضعف“ (۳)

(ترجمہ): ”بغیر تبیین بیان کئے روایت ضعیف فضائل میں معتبر ہے۔“

۱۔ معرفۃ انواع علم الحدیث: ص ۱۱۰-۱۱۱

۲۔ شرح التہمیرۃ والذکرۃ: ۳۳۲۵-۳۳۲۶

۳۔ فتح الباقی علی الفیہ العراقی: ۳۰۴/۱

(۴) علامہ طیبی رحمہ اللہ گویا ہیں:

”من غیر بیان ضعفه .“ (۱)

(ترجمہ): ”ضعف بیان کے بغیر ضعف حدیث معتبر ہے۔“

(۵) سید شریف جرجانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

”من غیر بیان ضعفه .“ (۲)

(ترجمہ): ”روایت ضعیف بغیر ضعف بیان کے قابل معتبر ہے۔“

(۶) علامہ ابن الوزیر الیمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”من غیر بیان لضعفه .“ (۳)

(ترجمہ): ”حدیث ضعیف ضعف بیان کے بغیر معتبر ہے۔“

(۷) علامہ سخاوی رحمہ اللہ یوں گویا ہیں:

”من غیر تبیین لضعفه .“ (۴)

(ترجمہ): ”ضعیف روایت فضائل میں بغیر ضعف بیان کے معتبر ہے۔“

(۸) علامہ سیوطی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”من غیر بیان ضعفه .“ (۵)

(ترجمہ): ”بغیر ضعف بیان کے روایت ضعیف فضائل میں معتبر ہے۔“

ان کے علاوہ اس بارے میں ان حضرات سے نصوص کچھ کم نہیں، مگر نمونے کے طور پر چند

اقوال کو قارئین کی نظر کیا گیا۔

جمہور کے مسلک منصور کے برخلاف بعض حضرات ہر صورت میں بیان ضعف کو ضروری

۱۔ الخلاصۃ فی اصول الحدیث: ص ۴۸

۲۔ ظفر الامانی بشرح سید شریف جرجانی: ص ۱۸۱

۳۔ توضیح الافکار لمعانی تنقیح الانظار: ۱۱۱/۲

۴۔ فتح المغیث بشرح الفیہ الحدیث: ۱۵۱/۲

۵۔ تدریب الراوی فی شرح تقریب النوادی: ۵۳۰/۱

قرار دیتے ہیں:

کیا ضعیف حدیث کو بیان کرتے ہوئے ضعیف کا بیان کرنا ضروری ہے؟

دوسرا مسلک:

(۱) چنانچہ احمد شاہ صاحب (۱) لکھتے ہیں:

”و الذي أراه أن بيان الضعف في الحديث واجب في كل حال.“ (۲)

(ترجمہ): ”میرے نزدیک ضعیف حدیث میں ضعیف کو بیان کرنا ہر صورت میں ضروری ہے۔“

(۲) شیخ ناصر الدین البانی صاحب فرماتے ہیں:

”لا يجوز رواية الحديث الموضوع إلا مع بيان وضعه، وكذلك الحديث الضعيف عند أهل التحقيق“ (۳)

(ترجمہ): ”جس طرح موضوع روایت کا موضوع ہونے کے تصریح کئے بغیر بیان کرنا جائز نہیں، اسی طرح ضعیف روایت کا بھی ضعیف بیان کئے بغیر بیان کرنا محققین کے نزدیک جائز نہیں۔“

(۳) فوزی بن عبدہ رقمطراز ہیں:

۱۔ احمد بن محمد شاہ بن احمد بن عبد القادر ۱۳۹۰ھ میں پیدا ہوئے۔ موصوف اپنے والد ماجد کے

ہمراہ مصر، سوڈان اور اسکندریہ گئے اور ان میں اس زمانہ کے کبار علماء وقت سے علوم دینیہ کی تکمیل کی، موصوف کو تفسیر اور حدیث میں مہارت تامہ حاصل تھی، فراغت کے بعد درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کا مشغلہ اختیار کیا۔ وفات ۱۳۷۱ھ کو قاہرہ میں ہوئی ہے۔ چند مشہور تصانیف:

شرح مسند امام احمد بن حنبل، الباعث الحثیث شرح اختصار علوم الحدیث، عمدۃ التفسیر، نظام

الطلاق فی الاسلام۔ ترجمہ کے لئے دیکھئے: الاعلام: ۲۵۳/۱

۲۔ الباعث الحثیث شرح اختصار علوم الحدیث: ص ۸۶

۳۔ حکم العمل بالحدیث الضعیف فی فضائل اعمال: ص ۴۰

”قسم یحث علی عمل مشروع : و هو داخل تحت
نصوص آخری صحیحہ ، فهذا يجوز روايته ، مع بیان
ضعفه“ (۱)

(ترجمہ): ”ضعیف حدیث کی ایک قسم وہ ہے جو کسی مشروع عمل پر ابھارے: اور یہ
حدیث دوسرے نصوص صحیحہ کے تحت بھی داخل ہو، تو ایسی روایت کا ضعف بیان
کرنے کے ساتھ روایت کرنا جائز ہے۔“

چنانچہ ان احادیث ضعیفہ کے ساتھ سلف و خلف کا کیا رویہ رہا؟ اور آج ان کے بارے میں
کیا رویہ اپنایا گیا ہے۔ درحقیقت سلف سے اعتماد اٹھا دیا گیا جس کے سبب یہ رویہ اختیار کیا گیا؛
اور کیوں نہ ہو؟ کہ آج عدم اعتمادی کی یہ لہر تمام اطراف عالم میں پھیل چکی ہے جس کے سبب سے
ہر طرف انتشار ہی انتشار ہے، اور یہ حضرات بزبان حال یہ کہ رہے ہیں ”نحن رجال وهم
رجال“ لہذا جو کچھ وہ کر کے چلے گئے ہم بھی وہ سب کچھ کر سکتے ہیں، بلکہ یہاں تک کہا جا رہا ہے
کہ جو فیصلے وہ نہیں کر سکے آج ہم وہ فیصلے بھی کر سکتے ہیں! اس لئے کہ اس وقت تمام کتب مطبوع
نہیں تھیں جو آج مطبوع ہیں۔

اسی طرح ان کے پاس وہ وسائل اور ذرائع موجود نہیں تھے جو آج کے دور میں موجود ہیں،
چنانچہ ان امور کے پیش نظر اب ہر فیصلہ آسان ہے؛ لہذا اس کے بعد ہمیں نہ کسی کے قول کی طرف
رجوع کرنے کی ضرورت ہے اور نہ ہی کسی کا قول ہمارے لئے قابل اعتماد ہے۔

بھلا جن لوگوں کی زندگی کا مشغلہ حدیث کی نشر و اشاعت ہو اور اسی خدمت کی بجا آوری
میں اس دنیائے فانی سے رحلت فرما گئے ہوں۔ چاہئے تو یہ تھا کہ ان کے بنائے ہوئے اصول و
ضوابط ”کل فن رجال“ کے اصول کے مطابق قابل عمل اور زیادہ قابل بھروسہ ہوتے! مگر
افسوس ہے کہ ان تمام رکاوٹوں کو درمیان سے ہٹا کر ان اصولوں کے پیچھے چل پڑے جو ان کی عقل

اور ہوائے نفس کے ترازو میں پورے اترے ہوں، اور اپنے بنائے ہوئے اصول ان کو زیادہ قابل عمل نظر آئے، اور آج بھر پور کوشش اس بات کی کی جا رہی ہے کہ من گھڑت اصول و ضوابط کو رواج دیا جائے، لیکن ۔

ایں خیال است و محال است و جنون
کیونکہ اصل تو وہی ہے جسے حضرات فقہاء و محدثین نے اختیار کیا اور ان کے قول و عمل سے جس کا ثبوت ملتا ہے اور اسی کے اپنانے میں دونوں جہاں کی خیر و عافیت ہے۔

ضعیف حدیث اور تعامل محدثین:

یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ حدیث کی کوئی بھی کتاب یا حدیث کا کوئی بھی مجموعہ ایسا نہیں ہے کہ جس میں ضعیف احادیث کو نہ لیا گیا ہو،۔

چنانچہ بطور تائید چند کتابوں کے نام ملاحظہ فرمائیں:

الموطأ للإمام مالك بن أنس (المتوفى ۱۷۹ھ) كتاب
الزهد، للإمام عبد الله بن مبارك (المتوفى ۱۸۱ھ) مسند
الطيالسي، للإمام سليمان بن داود الطيالسي
(المتوفى ۲۰۴ھ)، مصنف عبد الرزاق، للإمام عبد الرزاق بن
همام (المتوفى ۲۱۱ھ)، مصنف ابن أبي شيبة، للإمام عبد
الله بن محمد ابن أبي شيبة المتوفى (۲۳۵ھ)، مسند الإمام
أحمد بن حنبل، للإمام أحمد بن محمد بن حنبل
(المتوفى ۲۴۱ھ)، كتاب الزهد للإمام هناد بن سري كوفي
(المتوفى ۲۴۳ھ)، الأدب المفرد للإمام البخاري (المتوفى
۲۵۶ھ) سنن الدارمي، للإمام عثمان بن سعيد الدارمي
(المتوفى ۲۸۰ھ)، كتاب الزهد، للإمام عبد الله بن
محمد ابن أبي الدنيا (المتوفى ۲۸۱ھ)، كتاب السنة

، للإمام عمرو بن أبی عاصم الشیبانی (المتوفی ۲۸۷ھ) ،
 کتاب السنة، للإمام عبد اللہ بن أحمد بن حنبل (المتوفی
 ۲۹۰ھ) مسند البزار، للإمام أبوبکر أحمد بن
 عمرو البزار (المتوفی ۲۹۲) ، فضائل القرآن للإمام
 أبوبکر جعفر بن محمد بن الحسن الفریابی (المتوفی
 ۳۰۱ھ) ، عمل اليوم واللیلة ، للإمام أحمد بن شعيب
 النسائی (المتوفی ۳۰۳ھ) ، مسند أبو یعلی ، للإمام أحمد بن
 علی الموصلي (المتوفی ۳۰۷ھ) ، کتاب السنة ، للإمام
 أبو بکر أحمد بن محمد الخلال (المتوفی ۳۱۱ھ) ، نوادر
 الاصول فی أحادیث الرسول ، محمد بن علی الحکیم
 الترمذی (المتوفی ۳۲۰ھ) ، المعجم الکبیر ، للإمام سلیمان
 بن أحمد الطبرانی (المتوفی ۳۶۰ھ) ، کتاب الشریعة ، للإمام
 محمد بن الحسین الآجری (المتوفی ۳۶۰ھ) ، کتاب عمل
 اليوم واللیلة للإمام ابن السنی (المتوفی ۳۶۴ھ) ، سنن
 دارقطني ، للإمام أبی الحسن علی بن عمر الدارقطني
 (المتوفی ۳۸۵ھ) ، المستدرک ، للإمام أبو عبد اللہ محمد بن
 عبد اللہ الحاکم (المتوفی ۴۰۵ھ) ، حلیة الأولیاء وطبقات
 الأصفیاء ، أبو نعیم أحمد بن عبد اللہ (المتوفی ۴۳۰ھ) ،
 السنن الکبری ، للإمام أبو بکر محمد بن الحسین البیهقي
 (المتوفی ۴۵۸ھ) ، جامع بیان العلم وفضله ، للإمام أبو عمر
 یوسف بن عبد اللہ ابن عبد البر (المتوفی ۴۶۳ھ) ، الفقیه
 والمتفقہ ، أبو بکر أحمد بن علی الخطیب البغدادی
 (المتوفی ۴۶۳ھ) ، احیاء العلوم الدین ، للإمام محمد بن

محمد الغزالي (المتوفى ٥٠٥هـ)، تلبیس ابلیس، عبد
 الرحمان بن علي الجوزي (المتوفى ٥٩٧هـ)، كتاب
 الترغيب و الترهيب للإمام الحافظ عبد العظيم بن عبد
 القوي المنذري (المتوفى ٦٥٦هـ)، كتاب المحرر، شمس
 الدين محمد بن أحمد ابن قدامه المقدسي (المتوفى
 ٧٤٤هـ)، كتاب المنتقى، مجد الدين عبد السلام بن عبد الله
 ابن تيميه (المتوفى ٦٥٢هـ)، الكلم الطيب، أبو العباس أحمد
 بن عبد الحلیم ابن تيميه (المتوفى ٧٢٨هـ)، كتاب الكبائر،
 شمس الدين محمد بن أحمد الذهبي (المتوفى ٧٤٨هـ)،
 خلاصة الأحكام من مهمات السنن وقواعد الإسلام، محی
 الدين یحی بن شرف النووي (المتوفى ٦٧٦هـ)، مدارج
 السالکین، شمس الدين محمد بن أبی بکر ابن قیم الجوزیه
 (المتوفى ٧٥١هـ) كتاب تحفة المحتاج، عمر بن علي بن
 أحمد ابن الملقن (المتوفى ٨٠٤هـ)، بلوغ المرام من أدلة
 الأحكام، احمد بن علي بن حجر العسقلاني (المتوفى
 ٨٥٢هـ)، القول البديع، شمس الدين محمد بن عبد الرحمان
 السخاوي (المتوفى ٩٠٢هـ)، الجامع الصغير في أحاديث
 النذیر البشیر، عبد الرحمان بن أبی بکر السيوطي (المتوفى
 ٩١١هـ)، نزل الأبرار بالعلم الماثور من الأدعية
 والأذکار، محمد صديق حسن خان القنوجي (المتوفى
 ١٣٠٧هـ)، تحفة الذاکرين، أبو عبد الله محمد بن علي
 الشوکاني (المتوفى ١٢٥٠هـ)۔

یہ تمام کتابیں ضعیف احادیث کے فضائل میں معتبر ہونے کی تائید کرتی ہیں، جہاں اتنے محدثین ضعیف حدیث کو یکے بعد دیگرے اپنی کتابوں اور تعامل میں ذکر کرتے رہے ہوں تو وہاں کیونکر یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ ایک مخصوص طبقے کی ریشہ دوانیوں کی زد میں آکر ضعیف حدیث سے کلی طور پر ہاتھ دھولے جائیں؟۔

لہذا ضعیف الاسناد احادیث کو ناقابل عمل قرار دینا اور جمہور فقہاء و محدثین کی نہج کو چھوڑ کر کوئی نئی روش اختیار کرنا کہاں کی دانش مندی ہے؟!۔ کیونکہ افراط و تفریط کی روش انسان کو معیار حق سے کوسوں دور لے جاتی ہے۔

چند ایک معتبر کتابوں کے اندر ضعیف روایات کی مثالیں:

(۱) مسند امام احمد بن حنبل

(۱)۔ ”عن أبي أمية - رضي الله عنه - عن النبي ﷺ ما من مسلم ينظر إلى محاسن امرأة ثم يغض بصره إلا أحدث الله له عبادةً يجد حلاوتها.“ (۱)

اس روایت پر شیخ ناصر الدین البانی رحمۃ اللہ علیہ تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: (ترجمہ): ”یہ روایت ضعیف جداً ہے کیونکہ اس میں ایک راوی ہے عبید اللہ بن زحر جس کے بارے میں ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”منكر الحديث جداً“، ثقات سے موضوع روایات بیان کرتے ہیں، امام نسائی رحمۃ اللہ اور امام دارقطنی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: متروک، امام ذہبی رحمۃ اللہ فرماتے: ليس بحجة“۔ (۲)

(۲) عن معاذ بن جبل - رضي الله عنه - قال: قال لي رسول الله ﷺ مفا تيح الجنة شهادة أن لا إله إلا الله.“ (۳)

۱۔ مسند امام احمد بن حنبل: ۴/۲۲۷ رقم الحدیث: ۲۲۶۳۳

۲۔ سلسلۃ الأحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ وأثرها السی فی الأئمة: ۳/۶۷۳ رقم الحدیث: ۱۰۶۴

۳۔ مسند امام احمد بن حنبل: ۴/۳۵۳ رقم الحدیث: ۲۲۲۵۳

اس روایت پر شیخ ناصر الدین البانی صاحب تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

(ترجمہ): ”یہ روایت ضعیف ہے اس لئے کہ اس میں ایک راوی ہے شہر بن حوشب (حضرت معاذ سے روایت کرتے ہیں) امام بزار رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شہر بن حوشب کا سماع حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے نہیں ہے (خود البانی صاحب ان کے بارے میں رقمطراز ہیں) کہ یہ سند ضعیف ہے، شہر بن حوشب کے سماع الحفظ ہونے کی وجہ سے، علاوہ ازیں یہ روایت منقطع بھی ہے جس کی تصریح امام بزار رحمہ اللہ نے کی ہے۔ دوسرا راوی اسماعیل بن عیاش ثقہ ہے، لیکن شامیین کے علاوہ سے روایت کرنے میں ضعیف ہے، اور یہ روایت غیر شامیین سے ہے، کیونکہ ان کا شیخ، ابن ابی حسن مکی ہے۔“ (۱)

(۳) ”عن معاذ - رضي الله عنه - قال: قال لنا رسول الله ﷺ: استعينوا بالله من طمع يهدي إلى طمع، ومن طمع يهدي إلى غير مطمع، ومن طمع حيث لا طمع.“ (۲)

اس روایت پر شیخ ناصر الدین البانی صاحب تبصرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

(ترجمہ): ”یہ روایت عبد اللہ بن عامر الاسلمی کی وجہ سے ضعیف ہے؛ اس لئے کہ امام احمد، امام نسائی اور امام دارقطنی رحمہم اللہ نے ان کو ضعیف قرار دیا ہے، امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”لیس بشيء“، امام علی بن مدینی رحمہ اللہ سے ان کے بارے میں سوال کیا گیا؟ تو فرمایا کہ ہمارے نزدیک ضعیف ہے، ضعیف ہے۔“ (۳)

چنانچہ یہی طرز و انداز امام عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ اور امام دارقطنی رحمہ اللہ وغیرہ

۱۔ سلسلۃ الأحادیث الضعیفۃ والموضوعة وأثرها السی فی الأئمة: ۳/۲۷۷ رقم الحدیث: ۱۳۱۱

۲۔ مسند امام أحمد بن حنبل: ۳/۳۵۱ رقم حدیث: ۲۲۳۷۱

۳۔ سلسلۃ الأحادیث الضعیفۃ والموضوعة وأثرها السی فی الأئمة: ۳/۵۵۲ رقم الحدیث: ۱۳۷۳

حضرات نے اپنایا ہے اور اپنی کتابوں میں ان روایات ضعیفہ کو درج کیا ہے۔ اسی وجہ سے امام الجرح والتعديل ابو محمد عبد الرحمن بن ابی حاتم رحمہ اللہ نے اپنی مایہ ناز کتاب ”الجرح والتعديل“ میں اسی مسئلے کی تائید کے لئے مستقل باب قائم کیا ہے: ”باب: في الآداب والمواعظ أنها تحتمل الرواية عن الضعاف.“^(۱) پھر امام عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ کا وہ قول نقل کیا ہے جو پہلے اقوال کے ضمن میں بیان ہو چکا۔

(۲) ”الادب المفرد“:

اس کتاب میں امام بخاری رحمہ اللہ نے فضائل اور ترغیب و ترہیب کے بارے میں پچاسو حدیثیں ضعیف نقل کی ہیں اور ان کا ضعف واضح بھی نہیں کیا ہے۔ یعنی یہ بھی نہیں بتلایا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔

(۱) ”عن أبي سعيد الخدري - رضي الله عنه -، عن النبي ﷺ قال: خصلتان لا يجتمعان في مؤمن، البخل، و سوء الخلق.“ (۲)

اس روایت پر شیخ ناصر الدین البانی صاحب تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(ترجمہ): ”یہ روایت ضعیف ہے، اس لئے کہ اس میں ایک راوی ہے صدقہ بن موسیٰ جو سوء حفظ کا شکار رہا ہے، اور علامہ مناوی رحمہ اللہ نے بھی ”فیض القدر“ میں یہی لکھا ہے: کہ یہ حدیث اسی سبب سے ضعیف ہے، علامہ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ صدقہ ضعیف ہے، امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ اور دوسرے حضرات نے ان کو ضعیف قرار دیا ہے، حافظ منذری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ضعیف، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”صدوق له أوهام“۔ (۳)

۱۔ الجرح والتعديل: ۳۱۹/۱

۲۔ الادب المفرد: ۱/۲۷۱ رقم الحدیث: ۲۸۲

۳۔ سلسلۃ الأحادیث الضعیفۃ والموضوعة وأثرها السی فی الأئمة: ۳/۲۳۵ رقم الحدیث: ۱۱۱۹

(۲) ”عن عبد الله بن أبي أوفى - رضي الله عنه - عن النبي

ﷺ قال: إن الرحم لا تنزل على قوم فيهم قاطع رحم.“ (۱)

اس کے بارے میں شیخ ناصر الدین البانی صاحب فرماتے ہیں: (ترجمہ): ”یہ حدیث

ضعیف جداً ہے، اس لئے کہ اس میں ایک راوی سلیمان بن زید المحاربی ہے جن کے بارے میں

یحییٰ بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں ”لیس بثقة، کذاب، لیس یسوی حدیثہ فلساً“، امام

نسائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”متروک الحدیث“، امام ابو حاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”لیس

بقوی“، علامہ بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”رواہ الطبرانی، وفیہ أبو اداء المحاربی

وهو كذاب.“ (۲)

(۳) ”عن رجل من بلي أتيت رسول الله ﷺ مع أبي فنا

جني أبي دوني قال: فقلت لأبي: ما قال لك؟ قال: إذا اردت

أمراً فعليك بالتؤدة حتى يريك الله منه المخرج أو حتى

يجعل الله لك مخرجاً.“ (۳)

اس پر شیخ ناصر الدین البانی صاحب تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(ترجمہ): ”یہ روایت بھی ضعیف ہے سعد بن سعید کی وجہ سے؛ اور یہ ابن قیس عمرو

الانصاری ہے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: صدوق سیء الحفظ، امام احمد رحمہ اللہ علیہ اور امام

ذہبی رحمہ اللہ نے ان کو ضعیف قرار دیا ہے۔“ (۴)

چنانچہ اوپر ذکر کردہ مثالوں سے یہ بات اچھی طرح معلوم ہوگئی کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ

اس کتاب میں کس نہج پر چلے ہیں حتیٰ کہ محدث شام شیخ عبدالفتاح ابو غدہ رحمہ اللہ نے یہاں تک

۱۔ الأدب المفرد: ۳۶۱/۱ رقم الحدیث: ۶۳

۲۔ سلسلة الأحادیث الضعيفة والموضوعة وأثرها السي في الأمة: ۶۵۳/۳ رقم الحدیث: ۱۴۵۶

۳۔ الأدب المفرد: ۴۷۹/۲ رقم الحدیث: ۸۸۸

۴۔ سلسلة الأحادیث الضعيفة والموضوعة وأثرها السي في الأمة: ۳۳۲/۵ رقم الحدیث: ۲۳۰۷

لکھا ہے: ”وقد يكون الباب قاصراً عليها.“ (۱)

(ترجمہ): ”کہ کبھی کبار پورے باب میں صرف ضعیف حدیثیں ہی ہوتی ہے۔“

چنانچہ اسی منہج کو امام بیہقی، امام حاکم اور امام طبرانی رحمہم اللہ وغیرہ حضرات نے اپنایا ہے اور اپنی اپنی کتابوں میں ان احادیث ضعیفہ کو درج کیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب ”الکفایۃ فی معرفۃ اصول الروایۃ“ میں اسی مسئلے کی تائید کے لئے مستقل باب قائم کیا ہے: ”باب التشدد فی احادیث الأحکام والتجوز فی فضائل الأعمال.“ (۲)

(۳) الممنقش الأخبار

(۱) ”عن أنس - رضي الله عنه - قال: رأيت رسول الله ﷺ يتوضأ وعليه عمامة قطرية، فأدخل يده تحت العمامة، فمسح مقدم رأسه، ولم ينقض العمامة.“ (۳)

(ترجمہ): ”یہ روایت ضعیف ہے اس لئے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اس کی سند میں کلام ہے، اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والا ابامعقل راوی مجہول ہے۔“ (۴)

(۲) ”عن أنس - رضي الله عنه - قال احتجم رسول الله ﷺ فصلى ولم يتوضأ ولم يزد على غسل محاجمه.“ (۵)

”یہ روایت ضعیف ہے؛ کیونکہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اس کی سند میں

۱۔ تعلیق ظفر الامانی بشرح سید شریف البحر جانی: ص ۱۸۲

۲۔ الکفایۃ فی معرفۃ اصول الروایۃ: ۳۹۸/۱

۳۔ الممنقش: ۳۳۱/۱ رقم الحدیث: ۱۹۰

۴۔ الممنقش: ۳۳۱/۱ رقم الحدیث: ۱۹۰

۵۔ حوالہ سابق: ۱۵۶/۱ رقم الحدیث: ۲۴۱

صالح بن مقاتل ہے اور یہ ضعیف ہے، اور امام نووی رحمہ اللہ نے ان کو ضعفاء میں شمار کیا ہے۔ حوالہ بالا

(۳) ”عن أبي سعيد - رضي الله عنه - قال: اشتریت كبشاً
أضحى به فعدا الذئب فأخذ الإلية قال: فسئل عن النبي
ﷺ؟ فقال ضح به.“ (۱)

(ترجمہ): ”یہ روایت بھی ضعیف ہے؛ وجہ اس کی یہ ہے کہ اس کے سند میں ایک
راوی جابر الجعفی ہے جو نہایت ضعیف ہے، امام نسائی رحمہ اللہ علیہ نے ان کے با
رے میں لکھا ہے کہ یہ متروک ہے، امام بخاری رحمہ اللہ علیہ نے ان کے بارے میں
کہا ہے کہ یہ متہم بالکذب ہے۔“ حوالہ بالا

(۴) المحلی بالآثار

(۱) ”عن زينب بنت جابر الأحمية أن رسول الله ﷺ قا
لها في امرأة حجت معها مصمة: قولي لها تتكلم، فإنه لا
يحتج لمن لم يتكلم.“ (۲)

اس روایت پر شیخ ناصر الدین البانی صاحب تبصرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: (۳)
(ترجمہ): ”یہ روایت ضعیف ہے؛ اس لئے کہ اس کی سند میں عبدالسلام اور ان کے
والد عبداللہ بن جابر ہیں جن کے بارے میں ابن قطان رحمہ اللہ علیہ نے یہ تصریح کی
ہے کہ یہ دونوں غیر معروف ہیں۔“

۱۔ حوالہ سابق: ۳۶۱/۲ رقم الحدیث: ۱۱۲۱

۲۔ المحلی بالآثار: ۲۰۸/۵

۳۔ سلسلة الأحادیث الضعيفة والموضوعة وأثرها السي في الأمة: ۳/۵۷ رقم الحدیث: ۱۰۴۲

چنانچہ اسی منہج کو امام ابن تیمیہ، امام ابن قیم، حافظ ابن صلاح، امام نووی، حافظ عراقی، حافظ ابن حجر، حافظ سخاوی اور حافظ سیوطی رحمہم اللہ وغیرہ حضرات نے اپنایا ہے اور اپنی کتابوں میں ان ضعیف روایات کو درج کیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ آداب و اخلاق، زہد و رقائق اور فضائل و ترغیب و ترہیب پر تصنیف کا سلسلہ دوسری صدی ہجری: جبکہ حدیث نبوی کی باضابطہ تدوین ابھی مکمل نہیں ہوئی تھی شروع ہو گیا تھا، اور آج تک قائم و دائم ہے۔

فضائل و ترغیب و ترہیب پر لکھی جانے والی کتابیں:

(۱) کتاب الزهد للإمام عبد اللہ بن مبارک (المتوفی ۱۸۱ھ)، تحقیق: حبیب الرحمان الأعظمی، ناشر دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان

(۲) کتاب الدعاء للإمام محمد بن فضیل الکوفی (المتوفی ۱۹۵ھ)، تحقیق: عبد العزیز بن سلیمان بن ابراہیم، ناشر مکتبۃ الرشد الرياض، طبع اول ۱۴۱۹ھ

(۳) کتاب الزهد للإمام ہناد بن سري الکوفی (المتوفی ۲۴۳ھ)، تحقیق: عبد الرحمان بن عبد الجبار، ناشر دار الخلفاء کویت، طبع اول ۱۴۰۶ھ

(۴) الأدب المفرد للإمام البخاری (المتوفی ۲۵۶ھ)، تحقیق و تخريج: الشيخ ناصر الدين الألباني، ناشر مکتب المعارف الرياض، طبع اول ۱۴۱۹ھ۔

(۵) کتاب الزهد للأمام أبو بکر أحمد بن عمرو ابن أبي عاصم الشيباني (المتوفی ۲۸۷ھ)، تحقیق: عبد العلي عبد الحميد حامد، ناشر دار الريان قاہرہ، طبع دوم ۱۴۰۸ھ

(۶) فضائل القرآن للإمام أبو بكر جعفر بن محمد بن الحسن
الفریابی (المتوفى سنة ۳۰۱هـ)، تحقیق: یوسف عثمان فضل الله
جبریل، طبع اول سنة ۱۴۰۹هـ

(۷) فضائل القرآن للإمام أحمد بن شعيب النسائي (المتوفى
سنة ۳۰۳هـ)، تحقیق: فاروق حماد، ناشر الدار البيضاء دار
الثقافة، طبع اول سنة ۱۴۰۹هـ

(۸) كتاب الدعاء للإمام الطبراني (المتوفى سنة ۳۲۰هـ)
، تحقیق: مصطفى عبد القادر عطا، ناشر دار الكتب العلمية،
طبع اول سنة ۱۴۱۳هـ

(۹) كتاب عمل اليوم والليلة للإمام ابن السني (المتوفى ۳۶۴
سنة ۳۰۵هـ)، تحقیق: کوثر البرني، ناشر دار القبلة جده

(۱۰) كتاب الترغيب في الدعاء، للإمام أبو محمد عبد الغني
بن عبد الواحد المقدسي المتوفى سنة ۴۰۰هـ، تحقیق: فواد
احمد مرلي، ناشر دار ابن حزم، طبع اول سنة ۱۴۱۴هـ

(۱۱) فضائل الأوقات للإمام البيهقي (المتوفى
سنة ۴۵۸هـ)، تحقیق: عدنان عبد الرحمان مجيد
القيسي، ناشر مكتبة المنارة مكة المكرمة، طبع اول، سنة ۱۴۱۵هـ

(۱۲) كتاب الزهد الكبير للإمام البيهقي، تحقیق: عامر أحمد
حيدر، ناشر مؤسسة الكتب الثقافية بيروت، طبع سوم سنة ۱۹۹۶ء

(۱۳) كتاب الزهد والرقائق أبو بكر أحمد بن علي خطيب
البغدادی المتوفى سنة ۴۶۳هـ، تحقیق: عامر حسن صبري، ناشر دار

البشائر الاسلامي بيروت، طبع اول سنة ۱۴۲۰هـ

(۱۴) کتاب الترغیب و الترهیب للحافظ عبد العظیم بن عبد القوی المنذری (المتوفی ۶۵۶ھ)، ابراہیم شمس الدین، ناشر دار الکتب العلمیہ، طبع اول ۱۴۱۷ھ۔

(۱۵) کتاب الأذکار للإمام النووی (المتوفی ۶۷۶ھ)، تحقیق د: حامد محمد الطاهر، ناشر دار الفجر للتراث قاہرہ۔

چنانچہ اس موضوع پر لکھی جانے والی کتابوں کی فہرست بہت طویل ہے، اس لئے بطور مثال چند کتابوں کے نام لکھے گئے، تاکہ ہر ذی فہم آدمی بآسانی یہ سمجھ سکے کہ اس موضوع کو کتنی اہمیت دی گئی ہے اور ان ضعیف روایات پر کس قدر اہتمام سے عمل ہوا ہے۔

کیا حدیث ضعیف کو صیغہ ترمیض سے بیان کرنا ضروری ہے؟

مذکورہ ابحاث کے بعد یہ مسئلہ بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ ضعیف الاسناد روایات کے ساتھ حضرات فقہاء و محدثین کا معاملہ کیسا رہا ہے، چنانچہ یہی وجہ ہے کہ صیغہ ترمیض کا لحاظ بھی عموماً نہیں رکھا گیا، جس کے بارے میں حافظ ابن الصلاح رحمہ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

”إذا أردت رواية الحديث الضعيف بغير إسناد فلا تقل فيه :

قال رسول الله ﷺ كذا وكذا ، وما أشبه هذا من الألفاظ

الجازمة بأنه ﷺ قال ذلك ، وإنما تقول فيه : روي عن رسول

الله ﷺ كذا وكذا ، أو بلغنا عنه كذا وكذا ، أو ورد عنه ،

أو جاء عنه ، أو روى بعضهم ، وما أشبه ذلك.“ (۱)

(ترجمہ): ”جب ضعیف حدیث بغیر سند کے بیان کرنے کا ارادہ ہو تو یوں نہ کہو کہ آپ ﷺ نے

اسی طرح فرمایا ہے، اور اسی طرح اس کے مشابہ جو جزم والے الفاظ ہیں۔

(جیسے قال اور وی وغیرہ) کہ آپ ﷺ نے یوں فرمایا ہے، بلکہ یوں کہو کہ آپ ﷺ سے یوں مروی ہے، یا آپ ﷺ سے ہم تک یوں پہنچی ہے، یا آپ ﷺ سے اسی طرح نقل ہوئی ہے، یا آپ ﷺ سے یوں آئی ہے، یا بعض نے روایت کیا ہے، اور اسی طرح جو الفاظ صیغہ تمریض کے مشابہ (جیسے قیل، روی) ہیں۔

یہاں یہ بات واضح رہے کہ یہ حکم بناء بر احتیاط ہے جو ضعیف کی دونوں قسموں کو شامل ہے، خواہ اس کا تعلق احکام سے ہو یا فضائل سے ہو۔ چنانچہ علامہ زرکشی رحمہ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”ما ذکر من أنه لا يجوز رواية الضعيف إلا بصيغة التمریض شامل للضعيف الذي يمتنع العمل به، وهو الأحكام، والذي شرع العمل به، وهو في الفضائل، وهو الظاهر، ومن الناس من جزم بقال في الضعيف إذا كان من فضائل الأعمال، والأحوط المنع.“ (۱)

(ترجمہ): ”اوپر جو کہا کہ ضعیف روایت کو صرف تمریض کے صیغے کے ساتھ ہی روایت کیا جائے یہ اس ضعیف کو بھی شامل ہے، جس پر عمل نہیں کیا جاتا، اور وہ احکام میں وارد ہونے والی ضعیف احادیث ہیں، اور اس ضعیف کو بھی شامل ہے جو فضائل میں وارد ہوتی ہے، جس پر عمل کرنا جائز ہے، البتہ بعض لوگ تساہل کا شکار ہو کر فضائل میں وارد ہونے والی ضعیف احادیث کو بھی صیغہ جزم سے نقل کر دیتے ہیں، حالانکہ احتیاط یہی ہے کہ ایسا نہ کیا جائے۔“

حضرات محدثین کرام کا یہ کہنا کہ ضعیف حدیث کو بیان کرتے ہوئے جزم کے صیغے استعمال نہ کئے جائیں یہ اس وجہ سے ہے کہ ضعیف حدیث کا ثبوت جس سند سے ہوتا ہے، وہ فن اصول

حدیث کے مطابق اس بات کی مقتضی ہے کہ اس حدیث کا انتساب رسول اللہ ﷺ کی جانب جزم کے صیغوں سے نہ ہو اور احتیاط اسی میں ہے کہ اس کا لحاظ رکھا جائے، لیکن اس کے باوجود اگر ضعیف حدیث کو صیغہ جزم سے نقل کیا گیا تو یہ خلاف احتیاط ہوگا، یہی وجہ ہے کہ حضرات محدثین اور فقہاء نے اس قاعدے پر بعض مرتبہ عمل نہیں کیا اور احادیث ضعیفہ کو صیغہ جزم ہی سے نقل کیا ہے، یہ تعامل خود اس بات کی طرف مشیر ہے، کہ صیغہ جزم سے ضعیف حدیث کو نقل کیا جاسکتا ہے تاہم احتیاط اسی میں ہے کہ اس امر کو ملحوظ خاطر رکھا جائے۔

حدیث ضعیف اور موضوع میں فرق کی دس وجوہات:

ما قبل میں جتنی بھی بحثیں گزری ہیں ان تمام سے یہ امر بالکل واضح ہو چکا ہے کہ ضعیف اور موضوع کے درمیان ادنیٰ سی بھی مناسبت نہیں، لہذا ان دونوں کو ایک ساتھ ذکر کرنا کسی طرح بھی جائز نہیں، اس کے علاوہ اور بھی امتیازات (جو ان دونوں کے درمیان ہے) ذکر کئے جاتے ہیں تاکہ بات اچھی طرح واضح ہو جائے اور سمجھنے والا اس کو باسانی سمجھ سکے۔

(۱) حدیث ضعیف اور موضوع میں پہلا فرق یہ ہے کہ حدیث ضعیف کی نسبت حقیقت میں رسول اللہ ﷺ کی طرف ہوتی ہے (اگرچہ اس کو رواۃ کے حالات کے غیر موافق ہونے کی وجہ سے ضعیف کہا جاتا ہے) برخلاف روایت موضوع کے کہ اس کی نسبت حقیقتاً رسول اللہ ﷺ کی طرف نہیں ہوتی، اولاً تو اس کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف کر دی جاتی ہے مگر جانچ پڑتال کے بعد اس کا موضوع ہونا ثابت ہو جائے تو اس کو من گھڑت قرار دیکر اس کے اصل قائل کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے؛ لہذا ان دونوں کے ساتھ ایک جیسا معاملہ کرنا اور دونوں کو ایک ہی حکم کے تحت داخل کرنا صحیح اور جائز نہیں ہے۔

(۲) دوسرا فرق یہ ہے کہ حدیث ضعیف کے ضعف کا سبب سند میں کسی راوی کا ساقط ہو جانا

ہے، یا پھر کسی راوی سے بشری غلطی کا صادر ہو جانا ہے، (جو انسانی فطرت میں سے ہے) جیسے حافظہ کا خراب ہونا، یا کمزور ہونا، یا اوہام کا شکار ہونا، وغیرہ، بخلاف موضوع روایت کے کہ اس

کے ترک کرنے کا سبب کذب ہے اور پھر اس کذب کو رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کرنا ہے جو ایک ناجائز اور حرام عمل ہے۔

(۳) تیسرا فرق یہ ہے کہ حدیث ضعیف کے جواز روایت پر امت کا اجماع ہو چکا ہے، یہی وجہ ہے کہ اکثر محدثین نے روایات ضعیفہ کو اپنی کتابوں میں جمع کر دیا ہے، حتیٰ کہ جنہوں نے صحت کا التزام کیا ہے انہوں نے بھی ضعیف احادیث کو لیا ہے، بخلاف موضوع روایات کے کہ ان کو مطلقاً بیان کرنا جائز نہیں ہے بلکہ ان کے من گھڑت ہونے پر آگاہ کرنا ضروری ہے، تاکہ لوگ ان سے بچ سکے۔

(۴) چوتھا فرق یہ ہے کہ علماء امت نے فضائل اور ترغیب و ترہیب میں احادیث ضعیفہ پر عمل کرنے کو بالا جماع جائز قرار دیا ہے، بخلاف روایات موضوعہ کے کہ وہ فضائل میں بھی قابل عمل نہیں ہیں بلکہ علماء نے دین کے کسی بھی باب میں ان جیسی روایات پر عمل کو حرام قرار دیا ہے۔

(۵) پانچواں فرق یہ ہے کہ ماہرین علماء فن کا احادیث ضعیفہ کے، فضائل، رقائل، ترغیب و ترہیب میں قابل عمل ہونے پر کوئی اختلاف نہیں، بخلاف روایات موضوعہ کے کہ ان کو موضوع (گھڑا ہوا ہونا) بتائے بغیر نقل کرنا بھی جائز نہیں عمل کرنا دور کی بات ہے!۔

(۶) چھٹا فرق یہ ہے کہ حدیث ضعیف کو نقل کرنا اور اس پر عمل کرنا، یہ صحابہ کرام (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم) خیر القرون کے زمانے کے علماء سے لے کر آج تک ایک اتفاقی اور اجماعی مسئلہ رہا ہے؛ البتہ موضوع روایت پر کسی نے بھی عمل نہیں کیا ہے؛ کیونکہ اس پر عمل کرنا حرام اور ناجائز ہے۔

(۷) ساتواں فرق یہ ہے کہ اگر حدیث ضعیف سے استدلال نہ کیا جائے تو اس سے جمیع علماء امت کی مخالفت کرنا لازم آئے گا، بلکہ ایک قسم کا ان میں طعن ہوگا؛ کیونکہ انہوں نے اس درجہ کی روایات کو اپنی کتابوں میں صحیح اور حسن درجہ کی روایات کے ساتھ جمع کیا ہے، اور ان کے ضعف کو بھی بیان نہیں کیا ہے باوجود اس کے کہ وہ لوگ بہت زیادہ محتاط اور تقویٰ و ورع والے تھے، اور

ہم سے کہیں زیادہ خدا تعالیٰ سے ڈرنے والے، اور دین کا درد رکھنے والے اور اسی پر حریص تھے ہاں روایات موضوعہ کے کہ ان پر عمل نہ کرنے کی صورت میں اس قسم کی کوئی خرابی لازم نہیں آتی۔ (۸) آٹھواں فرق یہ ہے کہ اگر حدیث ضعیف اور موضوع کو ایک ہی لڑی میں پرودیا جائے اور دونوں کے ساتھ ایک ہی معاملہ کیا جائے تو اس سے جمیع امت محمدیہ جو کہ نمونہ امم ہے، کی مخالفت لازم آئے گی جنہوں نے روایت کرنے کے ساتھ ساتھ اس پر عمل بھی کیا ہے، حالانکہ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے غیر مؤمنین کے راستے پر چلنے سے اور اسی طرح طریق شذوذ اختیار کرنے سے منع فرمایا ہے۔

(۹) نواں فرق یہ ہے کہ حضرات محدثین کرام نے حدیث ضعیف کے ضعف کو بیان کرنے میں تساہل کو جائز قرار دیا ہے، برخلاف موضوع روایت کے کہ اس کے موضوع ہونے کو بیان کیے بغیر اسے روایت کرنے سے منع کیا ہے۔

(۱۰) دسواں فرق یہ ہے کہ فقہاء کے نزدیک کسی مسئلہ میں حدیث ضعیف سے استدلال کرنا بنسبت قیاس کے زیادہ بہتر سمجھا جاتا ہے، اس لئے کہ یہاں ایسا قرینہ پایا جاتا ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس قول کی نسبت شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف کی جاتی ہے، برخلاف روایات موضوعہ کے کہ ان سے کسی صورت میں بھی استدلال درست نہیں ہے۔^(۱)

حاصل یہ کہ موضوع اور ضعیف کے درمیان اتنے واضح اور کثیر فروق کے بعد بھی دونوں کو آپس میں خلط ملط کرنا بہت نا انصافی ہے، اور تحقیق سے عدم مناسبت کی دلیل ہے، کاش! کہ شیخ ناصر الدین البانی صاحب اپنی تصانیف میں حکم لگانے میں صرف اس شدید ضعیف حدیث ”کہ جس کا تدارک ممکن نہ ہو“ اور موضوع پر اکتفاء کر لیتے تو کیا ہی اچھا ہوتا!! مگر موصوف کا ان تینوں کو (یعنی موضوع، ضعیف شدید، اور ضعیف خفیف) ایک ہی درجہ دینا بہت بڑی اور صریح غلطی ہے جس سے صرف نظر نہیں کیا جاسکتا!

بابِ ثالث:

ضعیف حدیث کے بارے میں منفی پہلو

تمہید:

سنن کا ایک بہت بڑا ذخیرہ ہے جسے حضراتِ محدثین ضعف سے موسوم کرتے ہیں۔ اس ضعف کا منشاء یہی ہے کہ اس سند میں بعض راوی ناقدین امت کے نزدیک صحت کے معیار پر پورے نہیں اترتے۔

چنانچہ ان احادیث کے بارے میں محدثین کا ہمیشہ سے ایک معتدل و محتاط موقف رہا ہے۔ اس کے دائرہ کار کو صرف اعمال کی ترغیب اور منہیات سے تنبیہ تک محدود رکھا گیا۔ اس مقدّماتی زاویے میں احادیثِ ضعیفہ کو خاص فنی انداز سے قابلِ عمل سمجھا گیا ہے علما متقدمین و متاخرین اس پر متفق نظر آتے ہیں۔

البتہ احکام و عقائد میں احادیثِ ضعیفہ کو درخورِ اعتناء نہیں سمجھا گیا، ہاں اگر قرآن، حدیث کے ضعف کو تقویت سے بدل دیں تو وہ احکام میں بھی حجت بن سکتی ہیں۔

بہر حال مذکورہ خلاصہ کے بعد ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ محض سند میں کسی راوی کا ضعف شریعت کے اتنے بڑے ذخیرے کو بیکار بنانے کے لئے کافی نہیں ہے؛ کیونکہ ضعاف کا مجموعہ ترغیب و ترہیب میں خود ایک قوی دلیل ہے۔

البتہ احکام کی تعیین میں حسن و صحیح جیسی روایات سے ان ضعاف کا تقابل و تعارض بھی نہیں کیا جائے گا بلکہ قابلِ عمل صرف صحاح و حسان ہی ہوں گی۔

ناقدین امت نے شریعتِ مطہرہ کی جو حد بندی فرمائی ہے اس میں نہ تو خس و خاشاک کی گنجائش رہتی ہے اور نہ ہی مقصوداتِ شریعت میں کوئی تقصیر واقع ہوتی ہے۔ بالفاظِ دیگر دقیق مقبول فنی معیار کے مطابق انہوں نے ذخیرہ احادیث میں ایک مجموعہ کو ضعاف کہا جو کہ ترغیب و ترہیب

کے پہلو سے مطلوب ہے اور ایک مجموعہ کو موضوع قرار دیا، جس کی شریعت میں کوئی حیثیت نہیں۔ یہی وہ حد بندی ہے جو ”بینہما برزخ لا یبغیان“ کا مصداق ہیں۔ اور جس طرح موضوعات پر عمل اور ان سے حجت ان حدود سے تجاوز ہے، اسی طرح ان ضعاف احادیث کو موضوعات کا مرتبہ دیکر بالکل ساقط الاعتبار کر دینا بھی حدود مطلوبہ سے کوسوں دوری ہے۔

ہمارے زمانے کا ایک طبقہ اسی افراط و تفریط کا شکار اور حدود و معیار شریعت سے بالکل بے نیاز نظر آتا ہے حتیٰ کہ ”کتب سنن“ کو بھی دو حصوں میں بانٹ دیا ”صحیح سنن ابی داؤد، ضعیف سنن ابی داؤد، صحیح جامع الترمذی، ضعیف جامع الترمذی، ”ہلم جراً“۔ صدیوں سے ائمہ کرام اپنی کتابوں میں گزشتہ ذکر کردہ مہنج کے پابند رہے ہیں کیا اس تقسیم کے بعد اسلاف پر اعتماد برقرار رہتا ہے؟۔ افسوس تو یہ ہے کہ ان تمام عنوانات میں ”ضعیف“ سے مراد ایسی احادیث ہیں جو بالکل ساقط الاعتبار اور ناقابل التفات ہیں۔

چنانچہ صحیح مہنج وہی ہے جو پہلے بیان کر دیا گیا ہے کہ ناقدین امت نے صحاح و حسان ضعاف، موضوعات کو نہ صرف متعین کیا ہے بلکہ اس سے بڑھ کر ان تمام احادیث کے عملی مقام کو بھی واضح کیا ہے۔

اس عملی مقام کو ان تمام تر اصطلاحات میں ملحوظ رکھنا ”اعتدال“ اور ”راستی“ ہے۔ ”افراط و تفریط“ کی روش انسان کو معیار حق سے کوسوں دور لے جاتی ہے۔

فصل اول:

فضائل اعمال، ترغیب و ترہیب کی کتابوں پر اعتراض و اشکالات کا جائزہ اللہ تعالیٰ نے ان کتب فضائل، ترغیب و ترہیب کو وہ مقبولیت عطا فرمائی کہ محتاج بیان نہیں، اور موافق و مخالف ہر ایک کو تسلیم ہے کہ کوئی بھی دینی کتاب (کلام اللہ شریف کے علاوہ) اس کثرت سے نہیں پڑھی جاتی، جیسے یہ کتب و رسائل پڑھے اور سنے جاتے ہیں۔

دنیا کی روایت ہے کہ ہر پھل دار درخت پر ڈھیلے مارے جاتے ہیں، سورج جو اپنی بھرپور ضیا پاشی سے عالم کو منور کرتا ہے، چشم کے لئے اس کی تابانی یکسر ناقابل برداشت ہوتی ہے، چنانچہ ان کتب فضائل، ترغیب و ترہیب پر بھی مختلف حلقوں کی جانب سے اعتراضات کی بوچھاڑ ہوئی، طرح طرح کی نکتہ چیںیاں کی گئیں، ہمیں اس حقیقت سے قطعاً انکار نہیں کہ روئے زمین پر خدا کی کتاب کے علاوہ کوئی کتاب نقص و خلل سے محفوظ نہیں، بڑے بڑے اصحاب علم سے ان کی گراں قدر تصنیفات میں کچھ نہ کچھ فروگزاشتیں ہوئی ہیں۔ کتب کی مجموعی خوبیوں کے مقابلہ میں وہ کچھ حیثیت نہیں رکھتیں ہیں، اور نہ ہی علمی حلقوں نے انہیں کوئی حیثیت دی ہے۔

یہاں پر اس بات کی وضاحت کرنی بھی ضروری ہے کہ ان کتابوں کے نقاد عموماً وہ لوگ ہیں جو مسلکی اختلاف رکھتے ہیں، کینہ، بغض، حسد نے انہیں دوا آتشہ بنا دیا ہے۔ چنانچہ ان کی تنقیدوں کا مدار عقلیت پسندانہ رجحان ہے۔ نصوص حدیث کو اپنی نام و نہاد عقل سلیم کے خلاف قرار دے کر یا اپنی عقل نارسا کے بموجب قرآن سے معارض قرار دیتے ہوئے ٹھکرادینے کے قائل ہیں، خواہ ثبوت و استناد کے اعتبار سے ان کی حیثیت کتنی ہی مضبوط ہو، اور خواہ علماء امت نے اس کی کتنی ہی معقول توجیہات بیان کی ہوں۔

آج کی دنیا پر وپیگنڈے کی دنیا ہے پروپیگنڈے کے زور سے سیاہ کو سفید بنانا کوئی مسئلہ ہی نہ رہا، اہل علم کے نزدیک یہ تنقیدیں شکوک و شبہات و سو سے، اور اوہام کی نشر و اشاعت کے علاوہ کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔

جب ایک سادہ لوح قاری کے پاس یہ شکوک و شبہات ”علمی نقد“ کی صورت میں پیش ہوں تو وہ یقیناً غلط فہمی کا شکار ہوگا اور ناقدین کا مقصد بھی سوائے اس کے اور کچھ نہیں۔

کتب فضائل پر اشکالات و اعتراضات، علمی میدان میں تحقیق اختلاف کا نتیجہ نہیں ہیں؛ بلکہ یہ اختلاف خاص اہداف کے لئے پیش خیمہ ہوتا ہے۔ عامۃ الناس کے سامنے تحقیق کے خوبصورت لیبل کے ساتھ اس کو پیش کیا جاتا ہے اور نصوص کی ملمع سازی بروئے کار لا کر عوام کی سطح ذہنی سے

فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ تاکہ انہیں اپنے اہداف اور موقف کی جھوٹی سچائی پر اطمینان دلایا جاسکے۔ مزید برآں ان کی سینہ زوری دیکھئے! اپنے شاذ موقف کو علماء امت کا متفقہ مذہب قرار دیتے ہیں!۔

بہر حال! حاصل یہ ہے کہ یہ ”تحقیق“ کے نام پر ایک ”مشنری منہج“ ہے، جسے اختلاف محض کہ کر نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اس ”منہج“ کی ضرر میں اسلامی بنیادوں پر پڑ رہی ہیں۔ اور یہ حضرات کسی بھی طرح اپنی ذات مقدسہ کو متقدمین علماء سے کم نہیں سمجھتے بلکہ اپنی کھوکھلی تحقیقات کی زد میں اسلاف امت پر بے اعتمادی کا ایسا ماحول قائم کرتے ہیں کہ خدا کی پناہ! ایسا لگتا ہے کہ شریعت کی از سر نو تشکیل و تہذیب کی ضرورت ہے، تاکہ سابقہ ”گمراہیوں“ اور ”خس و خاشاک“ سے اسے پاک کر دیا جائے، اور اس ہدف کے حصول میں معاصرین میں سے جو آڑے آئے ان کے خلاف پروپیگنڈے، اوہام اور تشکیک کی ایسی فضاء بنائی جاتی ہے کہ ان کو سانس لینا مشکل ہو جاتا ہے۔

فصل دوم:

ضعیف حدیث کے بارے میں منفی رویوں کا تنقیدی جائزہ
یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ جمہور فقہاء و محدثین حدیثاً و قدیمائے فضائل میں ضعیف احادیث سے برابر استدلال کرتے رہے ہیں، مگر ایک عرصہ سے ضعیف الاسناد احادیث کو ناقابل اعتبار قرار دینے کے لئے نت نئے دلائل پیش کئے جاتے ہیں، اور یہ پروپیگنڈہ کیا جا رہا ہے کہ ضعیف الاسناد احادیث مردود ہیں ان پر عمل کرنا درست نہیں۔

یہ علمی دنیا میں ایک نیا فتنہ ہے۔ نام نہاد سلفیت خصوصاً البانیہ سے تعلق رکھنے والے شیخ ناصر الدین البانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی خوب آبیاری کی، اور ان کے شاگردوں اور شیخ کی فکر سے متاثر دوسرے لوگوں نے اس کو عام کر دیا۔

جیسا کہ: امام بخاری، امام احمد، امام ابن معین، امام ابو حاتم رازی، وغیرہ رحمہم اللہ۔ یہ ایک

یہ روئے حدیث نبوی سے تعلق و محبت کے بالکل خلاف ہے جس کے نتائج نہایت خطرناک ہیں، اس سے نہ صرف یہ کہ سلف سے بد اعتمادی پیدا ہوتی ہے جن کا ضعیف احادیث کے بارے میں مثبت رویہ تھا بلکہ خود روایات نبویہ ہی کے ایک بڑے ذخیرے پر ہاتھ صاف کئے جانے کے مترادف ہے۔

جہالت اور علمی انحطاط کا یہ عالم ہے کہ اس ضعیف مسلک کو علم و تحقیق ہی کے نام پر بڑے زور و شور سے پیش کیا جاتا ہے!

چنانچہ شیخ ناصر الدین البانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”من المصائب العظمی التي نزلت بالمسلمین منذ العصور الأولى، انتشار الأحادیث الضعیفة و الموضوع بینهم، لا أستثنی أحدا منهم، ولو كانوا علماء هم، إلا من شاء الله، منهم من أئمة الحدیث و نقاده؛ كالبخاری، و أحمد، و ابن معین، و أبي حاتم الرازي، و غیرهم. وقد أدى انتشارها إلى مفساد كثيرة: منها: ما هو من الأمور الاعتقادية الغیبة، و منها: ما هو من الأمور التشريعية، و سیر القاری الکریم الأمثلة الكثيرة، لما ندعیه فی كثير من الأحادیث الآتية إن شاء الله تعالى.“ (۱)

(ترجمہ): ”ضعیف اور موضوع احادیث کا اسلامی معاشرے میں رواج پانا ان چند بڑے مصائب میں سے ایک ہے جن کا شکار قرون اولیٰ ہی سے مسلمان ہوتے چلے آ رہے ہیں! اور میں (یعنی البانی) مسلمانوں میں سے کسی ایک کو بھی ایسا نہیں سمجھتا جو اس مصیبت کا شکار نہ ہوا ہو، یہاں تک کہ اہل علم بھی اس سے مستثنیٰ نہیں، سوائے ان چند ائمہ حدیث اور نقادین (احادیث کو پرکھنے والے) کے جو اس فتنے کا شکار نہیں ہوئے، اور اللہ تعالیٰ نے ان کی اس سے حفاظت فرمائی،

اہل حقیقت ہے کہ ضعیف اور موضوع احادیث کا مسلمانوں میں رواج پانا کئی مفاسد کو جنم دیتا ہے، جن میں سے بعض کا تعلق اعتقادی امور سے ہے، اور بعض کا تشریحی امور سے، چنانچہ میرے اس دعوے کی حقیقت آنے والی احادیث کی مثالوں کو ملاحظہ کرنے سے آشکارا ہو جائے گی۔

شیخ ناصر الدین البانی صاحب نے اپنی اس عبارت میں موضوع روایات کے ساتھ ضعیف الاسناد احادیث کو بھی نشانہ بنایا اس پر طرفہ تماشہ یہ کہ شیخ موصوف اقرار کر رہے ہیں کہ ”ضعیف الاسناد احادیث کا چہ چاقرون اولیٰ سے چلا آ رہا ہے“ اور بقول ان کے اس ”کار خیر“ میں اس وقت کے اہل علم بھی برابر کے شریک تھے! ان کے بقول صرف چند ناقدین ہی اس سے مستثنیٰ ہیں، موصوف بھول گئے کہ جس چیز کا رواج قرون اولیٰ سے ہو، اور اہل علم بھی اس پر عمل پیرا رہے ہوں! اس کے بارے میں مثبت خیال کر لینا چاہئے تھا! ضعیف الاسناد احادیث کو موضوع روایات کے ساتھ خلط ملط کر کے رد کرنے کی موصوف کی یہ روش بہت ہی نامناسب ہے! موصوف جن حضرات محدثین کو مستثنیٰ قرار دیتے ہیں خود ان کی اپنی کتابوں میں ضعیف الاسناد احادیث بطور استدلال و استشہاد مذکور ہیں! جن کو موصوف نے تختہ مشق بنا کر دو ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا ہے۔

شیخ ناصر الدین البانی رحمۃ اللہ علیہ نے ضعیف حدیث کے ساتھ جو رویہ رکھا وہ ان کے پیروکاروں کے ہاں بحث و تحقیق کا انتہائی اعلیٰ درجہ سمجھا جاتا ہے۔

اس لئے وہ اپنی تحقیق و تالیف میں تقریباً وہی باتیں دہراتے ہیں جن کا ذکر شیخ موصوف اپنی کتابوں میں کر چکے ہیں ان کے دائرہ سے نکلنا گویا ایک قسم کا ابتداء یا ارتداد مسلکی خیال کرتے ہیں۔

چنانچہ ”الحدیث الضعیف وحکم الاحتجاج بہ“، ”المجموعۃ فی الاحادیث الضعیفہ والموضوعہ“ اور ”حدیث کی اہمیت اور ضرورت“ نامی کتابوں میں جمہور کے مسلک منصور کے برخلاف شیخ ناصر الدین البانی صاحب کے موقف کی ترجمانی کی گئی ہے۔

مذکورہ کتابوں میں سے صرف ایک کتاب پر ہم مختصر سا تبصرہ کریں گے۔

کتاب ”الحدیث الضعیف وحکم الاحتجاج بہ“ پر ایک نظر:

گزشتہ سالوں میں ضعیف حدیث کے موضوع پر ڈاکٹر عبدالکریم خضیر کی ”الحدیث الضعیف و حکم الاحتجاج بہ“ نام سے ایک کتاب منظر عام پر آچکی ہے جو موصوف کا ابن سعود یونیورسٹی سے ایم فل کا مقالہ ہے۔ اس مقالہ میں موصوف نے مذکورہ بالا شخصیت ہی کے مسلک کو الفاظ و تعبیر کے

فرق کے ساتھ بیان کیا ہے تحقیق کے اصولوں کے برخلاف جو نظریہ پہلے سے موصوف طے کر چکے تھے اسی کو قوت بہم پہنچانے کے لئے بھرپور کوشش کی ہے۔

چنانچہ موصوف ایک جگہ لکھتے ہیں:

”الحدیث الضعیف لا یحتج بہ علی الاطلاق“ (۱)

(ترجمہ): ”ضعیف روایت مطلقاً قابل عمل نہیں۔“

ضعیف الاسناد روایات کے بارے میں اس قدر سخت موقف کسی پیش رو نے اختیار نہیں کیا ہے موصوف کے مقالے کا عنوان ضعیف حدیث کے بارے میں لکھنے کا تھا اور موصوف نے حکم موضوع کا لکھ دیا! آخر تمام تر حضرات محدثین نے موضوع اور ضعیف نامی دو الگ الگ اصطلاحات کا استعمال کیوں کیا؟ جس کو اب خضیر صاحب ایک بنا کر پیش کر رہے ہیں۔

ادھر تو موصوف آپے سے باہر نکل کر ضعیف و موضوع کو ایک صف میں کھڑا کر رہے ہیں جبکہ دوسری جگہ وہ خود اپنے خلاف دلیل دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

”أنهم قد يروون عن الضعفاء أحاديث الترغيب و الترهيب، و فضائل الأعمال و القصص و أحاديث الزهد و مكارم الأخلاق و نحو ذلك مما لا يتعلق بالحلال و الحرام و سائر الأحكام، و هذا الضرب من الحديث يجوز عند أهل الحديث و غيرهم التساهل فيه، و رواية

ماسوی الموضوع منه و العمل به .“ (۱)
 (ترجمہ) ”فقہاء و محدثین ترغیب و ترہیب، فضائل اعمال و قصص و مکارم اخلاق و زہد اور اس جیسے ابواب میں، جن کا تعلق حلال و حرام اور دیگر احکام سے نہ ہو، ضعیف راویان سے بھی روایت کرتے ہیں؛ اس قسم کی احادیث میں تساہل برتنا فقہاء اور محدثین سب کے نزدیک جائز ہے چنانچہ جب تک روایت موضوع نہ ہو اس حدیث کا روایت کرنا اور اس پر عمل کرنا جائز سمجھتے ہیں۔“ (جبکہ فرقہ البانیہ اس کے لئے تیار نہیں!!)

کس قدر افسوس کی بات ہے کہ! ایک جگہ علی الاطلاق اس کو موضوع کے ساتھ جوڑ رہے ہیں، پھر دوسری جگہ جمہور کا مسلک اس کے خلاف لکھ رہے ہیں جو بالکل واقعہ کے مطابق ہے، پھر شاذ لوگوں کی اتباع کرتے ہوئے جمہور سے انحراف کر کے یوں فیصلہ صادر فرما رہے ہیں۔
 ”أن الرجح هو التسوية بين أحاديث الأحكام و الفضائل“ (۲)

(ترجمہ): ”راجح قول یہی ہے کہ ضعیف حدیث دونوں (یعنی احکام اور فضائل) میں قابل عمل نہیں ہے۔“

جب جمہور نے دوسرے قول کو ترجیح دی ہے، تو موصوف کو اس کے برخلاف ترجیح کا اختیار کس نے دیا ہے؟ دوسری جگہ موصوف نے یہ لچر لوچ دلیل دی ہے:

”لاتفاق علماء الحديث على تسمية الضعيف بالمردود“ (۳)
 (ترجمہ): ”ضعیف حدیث اس لئے مردود ہے کہ حضرات محدثین نے اس کو مردود کے نام سے موسوم کیا ہے۔“

۱۔ الحدیث الضعیف وحکم الاحتجاج بہ: ص ۳۴۲

۲۔ الحدیث الضعیف وحکم الاحتجاج بہ: ص ۳۴۲

۳۔ الحدیث الضعیف وحکم الاحتجاج بہ: ص ۲۹۹

لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جن حضرات محدثین نے اپنی کتابوں میں ایک خاص ترتیب بیان کرنے کی پابندی کرتے ہوئے ضعیف الاسناد روایات کی تعریف اور احکام، مردود کے عنوان کے تحت بیان کئے ہیں ضعیف کے ساتھ ان کا اپنا معاملہ کیا رہا؟ موصوف اس پر کچھ روشنی ڈال سکتے ہیں؟

ضعیف جب وجہ حصر بیان کرتے ہوئے صحیح کی قسم بن جائے تو ظاہر بات ہے کہ مردود کے اقسام میں ہی اس کا ذکر کیا جائے گا مگر یہ مردود تو صحیح کے مقابلہ میں ہونے کی وجہ سے ہے، عملاً بھی مردود ہی کہا جائے۔ ایسا ہرگز نہیں۔

موصوف کا ایک طرف جمہور کا مسلک بیان کر کے اس کو مسترد کر دینا اور پھر اس کے خلاف فیصلہ صادر فرمانا کس بات کی غمازی ہے؟ یہی کہ ان کے نزدیک جمہور علماء امت کے فیصلے پر گاہ کے برابر بھی حیثیت نہیں رکھتے! اور خود اپنا حال تو یہ ہے کہ تضاد ورتضاد پر مبنی عبارات نقل کرتے چلے جا رہے ہیں۔

چنانچہ ایک اور جگہ موصوف رقمطراز ہیں:

”ولیس معنی هذا ردّ الحديث الضعيف بالكلية، بل يمكن أن يعمل به في غير مجال الاحتجاج“^(۱)
(ترجمہ): ”اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ ضعیف حدیث کلی طور پر مردود ہے، بلکہ مقام استدلال کے علاوہ اس پر عمل کر سکتے ہیں۔“

موصوف اپنی اس کتاب میں بہت تذبذب کا شکار نظر آتے ہیں۔

چنانچہ ایک اور جگہ موصوف یوں رقمطراز ہیں:

”أن ما نسب إلى جميع الفقهاء من الاحتجاج بالضعيف في الأحكام لو جوده في كتبهم، غير صحيح؛ لوجود الأحاديث الموضوعة فيها، ولا قائل بالاحتجاج به“^(۱)

۱۔ الحدیث الضعیف وحکم الاحتجاج بہ ص: ۳۰۰

۲۔ الحدیث الضعیف وحکم الاحتجاج بہ ص: ۴۰۵

(ترجمہ): ”تمام فقہاء کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ احکام میں ضعیف روایت سے استدلال کے قائل ہیں کیونکہ ان کی کتابوں میں ضعیف روایات موجود ہیں درست نہیں، اس لئے کہ ان کی کتابوں میں تو موضوع روایات بھی ہیں اور اس کا کوئی بھی قائل نہیں کہ موضوع روایت سے استدلال کرنا درست ہے۔“

موصوف کی یہ دلیل ان کی کمزوری اور فہم و ادراک سے دوری کو بتاتی ہے، کیونکہ موصوف کئی جگہ یہ اقرار کر چکے ہیں کہ حضرات فقہاء نے ضعیف روایت سے استدلال کیا ہے اور اس کی مثالیں بھی دی ہیں یہ مثالیں آپ کو کتاب میں جگہ جگہ ملیں گی اور اس بات کی بھی تصریح کر چکے ہیں کہ یہ ان حضرات کا ذرا عمل ہی نہیں بلکہ مذہب بھی ہے۔

دوسری بات یہ کہ موضوع روایات کا ذکر نادانستہ ہے۔ موصوف یہ کبھی بھی ثابت نہیں کر سکتے کہ ان حضرات نے موضوع روایت سے عمدأ (دیدہ دانستہ) استدلال کیا ہے اور اس طرح کا الزام موصوف کی حیثیت کو اور زیادہ مجروح کرتا ہے۔

اس کے باوجود محقق موصوف کا یہ تاویل کرنا کہ چونکہ یہ حضرات موضوع روایات کو بھی بسا اوقات مقام استدلال میں بیان کر جاتے ہیں اس لئے ضعیف کے ساتھ بھی مثبت تعامل سے اس کی حیثیت پر استدلال نہیں کیا جاسکتا کس قدر عجیب بات ہے۔

کیا موصوف عمدأ (دیدہ دانستہ) کرنے اور خطأ (نادانستہ) کرنے میں بھی فرق نہیں سمجھتے؟

بریں عقل و دانستہ باید گریست۔

موصوف ایک اور جگہ داد تحقیق دیتے ہوئے رقمطراز ہیں:

”أن التفريق بين الفضائل والأحكام تفريق بين المتماثلات؛ إذ الكل شرع، والشرع متساوي الأقدام“ (۱)

(ترجمہ): ”فضائل اور احکام کے درمیان تفریق کرنا درحقیقت ایک ہی نوع سے تعلق رکھنے والی اشیاء میں تفریق کرنا ہے کیونکہ بات فضائل کی ہو یا احکام کی یہ سب شریعت کا حصہ ہے (چنانچہ شریعت میں درجہ بندی نہیں) بلکہ سب برابر ہیں۔“

یہ تو بالکل ایک واضح سی بات ہے جسے ایک ان پڑھ دیہاتی بھی سمجھتا ہے کہ شریعت کے تمام احکام برابر نہیں بلکہ اس میں درجہ بندی ہے خود حضرات محدثین کے ہاں متواتر، صحیح لذاتہ، صحیح لغیرہ، حسن لذاتہ، حسن لغیرہ وغیرہ اصطلاحات کا استعمال ہے، یہ صرف لفظی فرق نہیں بلکہ قوت استدلال و ترجیح میں بھی بڑا فرق آتا ہے۔

کیا موصوف فضائل و احکام کے تاریخی واقعاتی فرق کو یکمشت نظر انداز کر کے عقیدہ، عبادات، معاملات وغیرہ میں بھی باہمی فرق رتبہ کا انکار کریں گے؟ صرف اس وجہ سے کہ یہ سب ایک ہی شریعت کا حصہ ہیں؟ کیا احادیث میں معاملات و معاشرت سے متعلق بے احتیاطیوں پر عقیدہ کی طرح وعیدیں وارد نہیں؟ موصوف کا اس سے انکار کر دینا ان کی علمی شخصیت کو نمایاں کرتا ہے۔

کیا موصوف حسن لغیرہ نامی اصطلاح سے واقف نہیں، موصوف بتائیں کہ حسن لغیرہ مقبول کے اقسام میں سے نہیں؟ کیا اس سے استدلال نہیں کیا جاتا؟ کیا حسن لغیرہ ضعیف روایات کے مجموعہ کے علاوہ کسی اور چیز کا نام ہے؟ جس طرح آحاد کا مجموعہ تواتر تک پہنچ کر نہایت بلند مقام پا لیتا ہے تو جو شخص غیر متواتر روایات کو تسلیم نہ بھی کرے تو اصولی طور پر اس کے لئے اس کی گنجائش نہیں رہتی؛ کیونکہ آحاد ہی کے راستہ سے تواتر تک پہنچا جاتا ہے، اسی طرح ضعیف کا مجموعہ بشر و طہا حسن لغیرہ تک پہنچ جاتا ہے۔

لہذا جو شخص حسن لغیرہ کو مقام دیتا ہے وہ شخص ضعیف سے صرف نظر نہیں کر سکتا کہ یہیں سے حسن لغیرہ کی راہ نکلتی ہے۔

حدیث ضعیف کے بارے میں ایک جدید موقف اور اس کا جائزہ:
ضعیف روایات کے بارے میں جمہور سے ہٹ کر یہ نیا موقف اپنے لوگوں نے بھی اپنایا
ہوا ہے۔

چنانچہ ”حدیث ضعیف پر عمل کرنے میں مفسد“ نامی رسالہ کے ٹائٹل پر لکھا ہے:
”عام طور پر مشہور ہے کہ فضائل میں حدیث ضعیف پر عمل کرنا جائز ہے۔ اس رسالہ
میں... حدیث، اصول حدیث و نصوص فقہ سے ثابت کیا گیا ہے کہ یہ حکم عام نہیں!
بلکہ اس کے لئے بہت سے قیود و شرائط ہیں جو اس زمانے میں مفقود ہیں لہذا اب
فضائل میں بھی حدیث ضعیف پر عمل کرنا جائز نہیں۔“ (۱)

مذکورہ فتویٰ میں ”قیود و شرائط ہیں“ تک کی عبارت سے کسی قدر اتفاق کیا جاسکتا تھا، مگر
آگے ”اس زمانے میں مفقود ہیں“ کی عبارت لگا کر، اس کے بعد ”اب فضائل میں بھی حدیث
ضعیف پر عمل کرنا جائز نہیں“ فرما کر وہی بات کی گئی جو شیخ ناصر الدین البانی رحمۃ اللہ علیہ کے
متعلقین کرتے رہے ہیں۔

جنہوں نے عربوں کا مزاج بطور خاص بگاڑا۔ اب حدیث دیکھنی ہے تو اس کے لئے
”سلسلة الأحادیث الصحيحة“ کے نام سے ”مجموعہ حدیث“ تیار ہے اور اسی پر اعتماد کیا جا
ئے گا اور بس! شیخ ناصر الدین البانی صاحب کی تصحیح احادیث نے محدثین کی اصطلاح ”متفق علیہ“
کی جگہ لے لی!۔ امت مسلمہ میں ناقدین آتے رہے، محدثین آتے رہے، بھانت بھانت کا فرق
رکھنے والے پیدا ہوئے، مگر حدیث رسول کے معاملہ میں اس قسم کی زمانی ترتیب قائم کرنے کا کسی
کو بھی خیال نہیں آیا!

ناقدین حدیث نے رجال پر بحث کی، روایات کی تحسین و تضعیف پر بحث کی، تاہم اسی
طرح کا خیال کسی کو بھی نہیں آیا کہ حدیث رسول کی زمانی تقسیم بھی ہو سکتی ہے!! امت مسلمہ میں

منفرد تنقیدیں کبھی بھی درجہ سند نہیں پاسکی ہیں۔

یاد رہے! کہ ”ضعیف الاسناد روایات“ خالص فنی اصطلاح ہے جس کا جدا گانہ مفہوم ہے، جو صحیح اور حسن کے مقابلہ میں ہے پھر اس کی قسمیں ہیں، درجات کا فرق ہے، اور ”موضوع“ والی اصطلاح سے تعبیر اور حکم دونوں میں الگ ہے، یہ اردو زبان کا محاورہ نہیں!

مگر اس کے باوجود اس کو بھی اردو زبان کا ایک لفظ سمجھ کر داد تحقیق دی ہے، اور اصولی اور فنی امور سے ہٹ کر اس پر تنقید کی ہے! ”غور کرنے کی بات ہے کہ جو فضائل احادیث ضعیفہ سے ثابت ہیں ان کے بارے میں آخر کوئی قوی روایت کیوں نہیں ملتی؟ کچھ عقل سے کام لیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایسی روایات کو عام مجامع میں کیوں بیان نہیں فرمایا؟ اگر بیان فرمایا تھا تو جو راوی قوی تھے انہوں نے ان روایات کو کیوں نہیں لیا؟“ (۱)

اہل فن محققین کے نزدیک یہ بات مسلم ہے کہ روایت کا ضعیف ہونا راوی اور متن کی مختلف نسبی کمزوریوں کی وجہ کی بنیاد پر ہوتا ہے۔

بعض جسمانی استعداد سے تعلق رکھتی ہیں، اور اکثر خالص فنی کمزوریاں کہلاتی ہیں جو عوامی لب و لہجے میں بتائی نہیں جاسکتیں! اور ہر ایک کمزوری کا سد باب کرنے کے لئے بھی بیسیوں طریقے اور اصول بتائے گئے ہیں۔

اوپر ذکر ہو چکا کہ یہ خالص فنی مسئلہ ہے اردو زبان کا محاورہ نہیں! اس لئے کوئی ضروری نہیں کہ ”ثقة قوی راوی“ کی تمام روایتیں صحیح اور حسن ہی ہو۔ ایسا ہی یہ خیال کر لینا بھی غلط ہے کہ ”ضعیف راوی“ کی تمام روایتیں ضعیف ہوتی ہیں، ایسا ہرگز نہیں!

پھر یہ ارشاد فرمانا کہ:

”کچھ عقل سے کام لیا جائے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسی روایات کو عام مجامع میں کیوں نہیں بیان فرمایا؟“

نہایت ہی عجیب ہے! کیونکہ اس عبارت سے یہ لازم آرہا ہے کہ یہ ضعیف روایتیں صحابہ میں سے بھی چند افراد بیان کرتے تھے! نعوذ باللہ من ذلک! حالانکہ صحابی کا موجود ہونا ثقاہت اور اعتماد کے لئے کافی ہوتا ہے۔

مجامع عام تھے یا خاص، اس میں نبھٹنے والے لوگ صحابہ ہی ہوتے تھے! کوئی شخص کبھی بھی یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ کسی منافق کی کوئی روایت کتب حدیث میں بطور روایت نبوی موجود ہے! اسی طرح یہ کہنا کہ:

”اگر بیان فرمایا تھا تو جو راوی قوی تھے انہوں نے ان روایات کو کیوں نہیں لیا؟“ بھی مثل سابق عجیب ہے! کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں نبھٹنے والے صحابہ تھے جو سب کے سب باجماع امت عدول ہیں۔

ضعیف روایات میں صحابہ کا ذکر ہوتا ہے، تابعین کا بھی ہوتا ہے پر ضعف کی باتیں تابعین کے بعد شروع ہوتی ہیں اکادکا ہی تابعین میں کسی کو ضعیف ٹھیرایا گیا ہے۔

البانیہ سے تعلق رکھنے والے شیخ ناصر الدین البانی صاحب نے جمہور اہلسنت والجماعت سے ہٹ کر حدیث کی دو قسمیں بیان کی ہیں ”صحیح“ اور ”ضعیف“ اور اسی پر انہوں نے اپنی کتاب ”سلسلة الأحادیث الضعيفة والموضوعة وأثرها السيئ في الأمة“ کی بنیا درکھی ہے۔

مذکورہ بالا رسالہ ”روایات ضعیفہ اور تحصیل فضائل“ میں بھی اسی نئی تقسیم کو اختیار کیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں:

”ان وسائل کی دو قسمیں ہیں (۱) قوی جو قابل اعتماد ہیں۔ (۲) ضعیف جو ناقابل اعتماد ہیں۔ جو فضائل روایات ضعیفہ سے ثابت ہیں آخر ان کے بارے میں کوئی قوی روایت کیوں نہیں ملتی؟ تھوڑی سی عقل سے کام لیں، اس بات کو سمجھنے کے لئے تھوڑی سی بھی عقل کافی ہے۔“ (۱)

یہ بات قابل غور ہے کہ مسئلہ عقل کا نہیں، علم و نقل کا ہے، عامیانه نہیں، فنی اور اصطلاحی ہے، ”اصول حدیث“ منقول، واقعاتی بنیادوں پر قائم ہیں جس میں احتمال آفرینی کے لئے کوئی جگہ نہیں۔

یہ کہنا بالکل کافی نہیں ہوگا کہ مذکورہ بالا رسالہ ایک مجمع عام میں بیان کردہ وعظ ہے؛ اس لئے کہ شدید ضرورت کے وقت علمی موضوعات کو محاورہ کی زبان میں بیان کیا جاسکتا ہے۔ متعلقہ موضوع کی فنی رعایت کے ساتھ پھر مجمع میں علماء کرام کی بھی ایک بڑی تعداد موجود رہتی تھی، پھر اس رسالہ کو سند کا بھی درجہ حاصل ہے۔

چنانچہ وعظ کہنے سے پہلے ارشاد فرمایا:

”آج روایات ضعیفہ سے متعلق کچھ کہنے کا ارادہ ہے اس مضمون کو جلد از جلد شائع کریں اور زیادہ سے زیادہ ہاتھوں تک پہنچائے۔“ (۱)

موصوف کی اس روش کو ان کے بعد والوں نے بھی اپنا رکھا ہے۔

چنانچہ ضرب مؤمن میں ”آپ کے مسائل کا حل“ کے تحت ایک سائل کے جواب میں تحریر ہے:

”والدین پر محبت بھری نگاہ ڈالنے سے حج کا ثواب ملنے والی حدیث مشہور تو بہت ہے مگر تلاش و جستجو سے محققین کی جس تحقیق تک ہم مطلع ہو سکے اس کے مطابق یہ حدیث ضعیف ہے؛ لہذا جب تک اس حدیث کا صحیح ہونا ثابت نہ ہو جائے اس حدیث کو بیان کرنے سے اجتناب کرنا چاہئے۔“ (۲)

اس میں موصوف نے ضعیف حدیث کو فضائل میں بیان کرنے کی اجازت نہیں دی، اور ضعف شدید کا تذکرہ بھی نہیں کیا، حالانکہ اس بارے میں جمہور علماء امت کا فیصلہ مشہور و معروف (جیسا کہ ماقبل میں مفصل گزر چکا) ہے کہ ”ضعیف روایت فضائل میں معتبر ہیں۔“

۱۔ روایات ضعیفہ اور تحصیل فضائل: ص ۵

۲۔ ضرب مؤمن شمارہ نمبر: ۴۰ جلد نمبر: ۱۱

سو حدیث پر عمل کرنے کے لئے اس کے صحیح ہونے کی شرط لگانا اور ضعیف یا حدیث حسن کو ناقابل اعتبار سمجھنا سلف کا مذہب نہیں، بلکہ جواب میں اختیار کئے گئے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث حسن بھی قابل اعتناء نہیں! صرف حدیث صحیح ہی قابل اعتبار ہے۔

ہمارے ایک ساتھی نے اس بارے میں موصوف کو توجہ بھی دلائی کہ وہ جس انداز کو لے کر چل رہے ہیں وہ جمہور سے میل نہیں کھاتا، مگر بزعم خویش تحقیق کے مقابلہ میں کوئی بات کسی کو اس نہیں آتی۔

جس کا جواب موصوف نے ان الفاظ کے ساتھ دیا: ”ضرب مؤمن کے اس مسئلہ کا ان عبارات اور تحقیقات سے قطعاً تعارض نہیں جو آپ نے نقل کی ہیں؛ کیونکہ ان عبارات کا مطلب صرف اتنا ہے کہ اگر کوئی عالم اور شریعت کے اصول سے واقف شخص محض احتیاط کی حد تک کسی ضعیف حدیث پر عمل کرنا چاہے تو اس کے لئے جائز ہے، جو شخص یہ احتیاط اور حدود کی رعایت نہیں کر سکتا جیسا کہ آج کل کے عوام، تو ان کے سامنے ضعیف احادیث بیان کرنا حکمت اور اصول کا تقاضا نہیں، بلکہ بیان نہ کرنا اصول کا تقاضا ہے۔“ (۱)

مناسب تو یہ تھا کہ توجہ دلانے کے بعد موصوف جمہور فقہاء و محدثین ہی کے مسلک کو اپناتے جس کے برحق ہونے کا موصوف کو بھی اقرار ہے۔

چنانچہ موصوف ایک جگہ یوں رقمطراز ہیں:

”ایسے حالات میں امت کو سلف صالحین سے کاٹ کر مزید گمراہی اور افتراق و انتشار میں ڈالنے کا وقت نہیں، بلکہ سلف صالحین سے جوڑنے کا وقت ہے جو صدیوں سے امت مسلمہ میں مسلم حیثیت کے حامل سمجھے جاتے رہے، جن کے علم و تقویٰ پر بجا طور پر امت کے بڑے بڑے فقہاء و محدثین کو اعتماد رہا ہے، یہی اس امت کو پستی سے نکالنے کا واحد ذریعہ ہے۔“ (۲)

۱۔ ضرب مؤمن شمارہ نمبر: ۴۰ جلد نمبر: ۱۱

۲۔ ضرب مؤمن شمارہ نمبر: ۱۲ جلد نمبر: ۳۲

مگر باوجود اس کے موصوف جو نظریہ پہلے سے طے کر چکے تھے اسی کو قوت بہم پہنچانے کے لئے امام مسلم رحمہ اللہ علیہ کے مقدمہ میں موجود عبارت کو پیش کیا ہے۔ جس میں امام موصوف نے لکھا ہے:

”إذا أخبر في أمر الدين إنما تأتي بتحليل، أو تحريم، أو أمر، أو نهى، أو ترغيب، أو ترهيب. فإذا كان الراوي لها ليس بمعدن للصدق والأمانة. ثم أقدم على الرواية عنه من قد عرفه، ولم يبين ما فيه لغيره ممن جهل معرفته، كان آثماً بفعله ذلك غاشاً لعوام المسلمين؛ إذ لا يؤمن على بعض من سمع تلك الأخبار أن يستعملها، أو يستعمل بعضها. ولعلها أو أكثرها أكاذيب، لا أصل لها، مع أن الأخبار الصحاح من روايات الثقات. وأهل القناعة أكثر من أن يضطر إلى نقل من ليس بثقة. لا مقنع.“ (۱)

حالانکہ اس کا مطلب احتیاط برتنا اور ثقات کی روایات کو ترجیح دینا ہے اور ان پر اعتماد کرنا ہے۔ اس تنقید کا نشانہ متہم بالکذب اور متروک رواۃ ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ جو روایتیں یا راویان نسبتاً کمزور ہیں وہ مردود اور ناقابل اعتبار ہیں۔ اور پھر جس چیز کا رواج قرون اولیٰ سے ہو اور اہل علم بھی اس پر عمل پیرا رہے ہوں اس کے بارے میں مثبت خیال کر لینا چاہئے تھا۔ رہا مسئلہ امام مسلم رحمہ اللہ علیہ کے موقف کا، تو اس کو ہم مذہب ثالث میں تفصیلاً عرض کر چکے ہیں وہاں دیکھ لیا جائے، تاکہ بخوبی اس بات کا اندازہ ہو جائے کہ امام مسلم رحمہ اللہ علیہ کا موقف کیا ہے؟۔

اسی طرح ”رہمائے خطابت“ میں لکھا ہوا ہے:

”آیات کی وضاحت کے لئے موضوع سے ”براہ راست“ متعلق صحیح اور حسن

احادیث پیش کیجیے، ضعیف اور موضوع احادیث سے گریز کیجیے۔“ (۱)

یہ بطور احتیاط اور مشورہ ہے، تو کوئی بات نہیں مگر ضعیف اور موضوع روایات کو ایک ہی درجہ دینا کہاں کا انصاف ہے؟ آخر اصطلاح میں فرق کیوں رکھا گیا ہے؟ جو حکم میں فرق نہ ہو! جس زمانے میں احادیث ہر طرف شائع اور ذائع تھیں اور حضرات محدثین کو اس بات پر فخر تھا کہ ہمیں لاکھوں حدیثیں یاد ہیں۔

”امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ علیہ کے بارے میں امام ابو زرعہ رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ امام موصوف کو دس لاکھ حدیثیں یاد تھیں۔“ (۲)

ضعیف الاسناد روایات کے بارے میں امام موصوف ہی کا قول مشہور اور معروف ہے:

”إذا روينا عن رسول الله ﷺ في فضائل الأعمال تسا
هلنا في الأسانيد“ (۳)

(ترجمہ): ”یعنی جب ہم رسول اللہ ﷺ سے فضائل اعمال وغیرہ میں روایت کرتے ہیں تو ان کی اسانید میں نرمی اختیار کرتے ہیں۔“

اکابر محدثین، ناقدین اور فن شناس لوگوں کی موجودگی میں ضعیف روایات کے بارے میں نرم رویہ اپنایا گیا۔ تو پھر آج اس طرح کے خواہ مخواہ کے تشدد سے کسی کو کیا سوچھی؟! ہماری غرض و منشا ہر گز یہ نہیں کہ صحیح اور حسن درجہ والی روایات کو چھوڑ کر ضعیف الاسناد روایات پر ہی دار و مدار ہو، بلکہ مقصود یہ ہے کہ ضعیف الاسناد روایات کو ان کا وہ مقام دیا جائے جو جمہور علماء اپنے قول و عمل سے دیتے چلے آئے ہیں۔

ضعیف الاسناد روایات کو موضوع کے ساتھ ملا کر بدعت کا ارتکاب نہ کیا جائے بلا وجہ جمہور سے ہٹ کر کوئی روش نہ اپنائی جائے، اصول حدیث کی فنی باتیں اس لئے نہیں کہ روایات نبوی کا

۱۔ رہنمائے خطابت: ص ۲۰۵

۲۔ تاریخ مدینہ السلام: ۳/۴۱۹

۳۔ الکفایۃ فی معرفۃ اصول علم الروایۃ: ۱/۳۹۹

انکار کیا جائے، بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ غیر نبوی روایات ”من گھڑت“ اس میں نہ در آئیں۔

چنانچہ حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

”کان الاسناد لئلا یدخل فی الدین ما لیس منه ، لا لیخرج

من الدین ما ثبت منه من عمل أهل الاسناد.“ (۱)

(ترجمہ): ”سند و رجال کا سلسلہ ضروری قرار دیا تا کہ کوئی غیر چیز دین کا حصہ بن کر

در نہ آئے، اس لئے نہیں کہ سند و رجال کی آڑ میں ثابت شدہ امور کو ہی دین سے

نکال باہر کیا جائے۔“

(پھر حسن کی اصطلاح میں حسن لغیرہ بھی تو موجود ہے وہ ضعیف روایات نہیں تو اور کیا ہیں؟

جس سے احکام میں بھی استدلال کیا جاتا ہے چہ جائیکہ فضائل میں!)

شیخ ناصر الدین البانی صاحب کے مسلک و مشرب اور طرز و انداز کو اپنایا جائے تو بات جمہور

ہلسنت والجماعت کے دائرہ سے نکل جائے گی۔ شیخ ناصر الدین البانی صاحب اور ان کے تبعین

نے متقدمین کے نادور و متروک نظریات کو عوام کے سامنے اچھا اچھا کر پیش کیا اور اس کو تحقیق کا نا

م دے کر خوب پروان چڑھایا، اور اسی کو ”مہارت فن“ سمجھ بیٹھے حالانکہ فن اور تحقیق سے اس کا دور

کا واسطہ بھی نہیں۔ پھر ان حضرات کے متعلقین نے ملکر بزرگوں کے شاذ اقوال و آراء کو سمجھنے کے

بجائے ان سب کا مجموعہ بنا کر ایک الگ مسلک بنا ڈالا۔ بھلا ذرا سوچئے تو سہی!! جن حضرات

محدثین نے ایک ایک حدیث کے لئے راتوں اور دنوں کا سفر کیا، خشکی کو طے کیا، بیابان کی خاک

چھانی، سمندروں کو پار کیا، مال لٹایا، فاقہ برداشت کیا!! اس راہ میں انہوں نے جو تکلیفیں اٹھائی

ہیں ان کا اس زمانے میں تصور بھی نہیں کیا جاسکتا!

محدثین اور ائمہ جرح و تعدیل کی تک و دو پر مشتمل تین ائمہ کے واقعات:
 (۱) ”کان مالک بن انس يقول: إن هذا الأمر لن ينال،
 حتى يذاق فيه طعم الفقر، و ذكر ما نزل بربيعة من الفقر
 في طلب العلم حتى باع خشب سقف بيته في طلب العلم
 ، و حتى كان يأكل ما يلقي على مزابل المدينة من الزبيب
 و عصارة التمر.“ (۱)

(ترجمہ): ”امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ علم اس وقت تک حاصل
 نہیں ہو سکتا جب تک کہ فقر کا مزہ نہ چکھ لے اور اپنے استاد محترم حضرت ربیعۃ الراۃ رحمۃ اللہ (۲)
 علیہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ تحصیل علم کے زمانے میں میرے استاد محترم کو چھت کی کڑیاں اور
 شہتیر تک بیچنے پڑے! اور اس حال سے بھی گزرنا پڑا کہ مزبلہ (جہاں آبادی کی خس و خاشاک ڈالی
 جاتی ہے) سے منقی اور کھجور کے ٹکڑے چن چن کر کھاتے!

(۲) ”کان مَعِينُ عَلَى خراج الري، فمات فخلف لابنه ألف
 ألف درهم و خمسين ألف درهم، فأنفقہ كله على الحديث
 حتى لم يبق له نعل يلبسه“ (۳)

- ۱۔ جامع بیان العلم و فضلہ: ۳۴۲/۱
- ۲۔ ابو عثمان ربیعۃ بن ابی عبد الرحمن فروخ الری۔ موصوف نے علم کے حصول کے لئے بہت سے
 مصائب جھیلے ہیں، موصوف کو چھت کی کڑیاں اور شہتیر تک بیچنے پڑے! اور اس حال سے بھی گزرنا
 پڑا کہ مزبلہ (جہاں آبادی کی خس و خاشاک ڈالی جاتی ہے) سے منقی اور کھجور کے ٹکڑے چن چن کر کھا
 ئے، آپ بلاشبہ امام، فقیہ، مجتہد، حافظ حدیث، عابد، زاہد، متقی اور بڑے ذکی و فطین تھے۔ موصوف کی
 وفات کے بعد امام مالک نے فرمایا کہ فقہ کی حلاوت چلی گئی۔ موصوف سے ایک جم غفیر نے استفادہ
 کیا۔ وفات ۱۳۶ھ میں ہوئی ہے۔ ترجمہ کے لئے دیکھئے: الاکمال: ۱۳۱/۳-۱۳۲، وفيات
 الاعیان: ۳۲۹/۱-۳۳۰، اور تاریخ مدینۃ السلام: ۴۱۴/۹-۴۲۲
- ۳۔ تاریخ مدینۃ السلام: ۲۶۵/۱۶

(ترجمہ): ”امام ابن معین رحمۃ اللہ علیہ کے والد صاحب، مقام ری سے خراج وصول کرنے پر مامور تھے دس لاکھ پچاس ہزار درہم چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے تھے یہ ساری رقم ابن معین رحمۃ اللہ علیہ نے تحصیل حدیث پر صرف کر دی! اور ایسا وقت بھی ان پر آیا کہ جوتی تک پہننے کو میسر نہ تھی؛ اور ننگے پاؤں چلتے پھرتے تھے!“۔

(۳) ”کان عمر بن حفص الأشقر يقول: كنا مع محمد بن إسماعيل بالبصرة نكتب الحديث ففقدناه أياماً فطلبناه، فوجدناه في بيت وهو عريان وقد نفذ ما عنده ولم يبق معه شيء فاجتمعنا وجمعنا له الدراهم، حتى اشترينا له ثوباً و كسونا ه، ثم اندفع معنا في كتابة الحديث“ (۱)

(ترجمہ): ”مشہور محدث عمر بن حفص الاشقر جو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے رفیق درس تھے فرماتے ہیں کہ ہم لوگ بصرہ میں حدیثیں لکھا کرتے تھے، کئی دنوں سے ہم نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو حلقہ درس سے غائب پایا۔ چنانچہ ہم چند ساتھی ان کی جگہ تلاش کرتے کرتے جہاں وہ مقیم تھے وہاں پہنچے، معلوم ہوا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ایک اندھیری کوٹھڑی میں پڑے ہوئے ہیں دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ ان کے پاس لباس نہیں (جو ہے وہ اس قدر پھٹا ہوا ہے کہ اس میں تستر نہیں ہوتا) ہم سب نے ملکر چندہ کیا اور ان کو کپڑے خرید کر دیئے تب وہ پہن کر حلقہ درس میں آنے لگے!“۔

اس طرح ان حضرات نے روایات کی حفاظت کی خاطر سب کچھ داؤ پر لگا دیا مگر احادیث رسول اللہ ﷺ کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا یہ انتہائی عشق اور محبت کی دلیل ہے کہ اپنے پیارے محبوب ﷺ کی احادیث کی حفاظت کے لئے اپنا تن من لگا دیا۔

اور پھر ان حضرات کے سامنے ”من کذب علی متعمداً فلیتبوا مقعده من النار.“ (۱) والی حدیث بھی ہر وقت مستحضر تھی اور ان حضرات کو اس بارے میں خوب خوب علم تھا کہ اس کا کیا مطلب اور مفہوم ہے؟ اس کے باوجود ان حضرات کا احادیث ضعیفہ کے بیان کرنے اور اپنی اپنی تصانیف میں درج کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ احادیث ضعیفہ، ذخیرہ حدیث میں شامل اور آپ ﷺ کے فرمودات کا حصہ ہیں۔

چنانچہ محدث شام شیخ عبدالفتاح ابو غدہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”أن المحدثين القدامى النقاد الأئمة، كعبدالله بن المبارك، وأحمد بن حنبل، والبخاري، وأبي داود، والترمذي، والنسائي، وابن ماجه، وتلك الطبقة التي في عصرهم، كانوا يوردون الحديث الضعيف في كتبهم المؤلفة للعمل والاحتجاج، ولا يتحاشونها أو يرونها منكراً من القول ومهجوراً، كما يزعمه بعض الزاعمين اليوم.“ (۲)

(ترجمہ): ”محدثین ائمہ متقدمین، جیسے عبداللہ بن مبارک، امام احمد بن حنبل، امام بخاری، امام ابوداؤد، امام ترمذی، امام نسائی، امام ابن ماجہ، اور وہ حضرات جو ان کے زمانے کے تھے! اپنی کتابوں میں ضعیف احادیث بھی ذکر کیا کرتے تھے، تاکہ ان پر بھی عمل کیا جائے، اور ان سے مسائل شرعیہ میں دلیل پکڑی جائے۔ ضعیف احادیث سے ان کو پرہیز نہیں تھا، اور نہ ان احادیث ضعیفہ کو وہ منکر اور متروک سمجھتے تھے، جیسا کہ آج کل کے بعض مدعیوں کا دعویٰ ہے۔“

اور پھر شیخ ابو غدہ رحمۃ اللہ علیہ نے ضعیف حدیث کا دفاع کرتے ہوئے حافظ مغرب ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ”التمہید“ سے ان کا یہ کلام نقل کیا ہے:

۱۔ الجامع الصحیح للإمام البخاری: ص ۳۴

۲۔ تعلیق ظفر الامانی بشرح سید شریف البحر جانی: ص ۱۸۶

”و رب حدیث ضعیف صحیح المعنی.“ (۱)

(ترجمہ): ”یعنی بہت سی حدیثیں سند کے اعتبار سے ضعیف تو ہوتی ہیں، مگر معنی کے اعتبار سے صحیح ہوتی ہیں۔“

لہذا نجات اور سلامتی کا راستہ ہی وہی ہے جس پر حضرات سلف صالحین گامزن اور عمل پیرا تھے، اور انہی کے دامن سے وابستہ رہنا ہی فلاح و کامیابی کی ضمانت ہے۔

ایک ضروری تنبیہ:

ان تمام تر تفصیلات کے بعد آخر میں اس امر کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ مثبت پہلو کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ موضوع اور ضعیف جد اور آیات کو بھی یہ کہہ کر کہ ضعیف روایت فضائل میں قابل عمل ہے معمول بہا قرار دیا جائے، جیسا کہ اہل بدعت کرتے رہے ہیں، ایسا کرنا کسی کے لئے بھی صحیح نہیں!! یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ ہر زمانہ کے لوگ اس کوتاہی کا شکار رہے ہیں جس کی واضح مثال حضرات محدثین کا ہر زمانے میں کتب مشترکہ کی تصنیف و تالیف کرنا ہے اور کیوں نہ ہو؟ کہ آپ ﷺ نے جتنے اہتمام سے ”من کذب علی متعمداً فلیتبوا مقعده من النار.“ (۲) بیان فرمایا ہے، شاید ہی کسی اور امر کو بیان فرمایا ہو۔

اس روایت کا طرز امتیاز یہ ہے کہ اسے عہد رسالت کے ہمہ گیر لیام میں بیان کیا جاتا رہا ہے، چنانچہ اس کے نقل کرنے والوں میں متقدمین و متاخرین صحابہ برابر نظر آتے ہیں جو مختلف ادوار، مختلف امکنة، مختلف پس منظر کے ساتھ اس روایت کو بیان کرتے ہیں۔

اس سے سید البشر ﷺ کی وہی دوراندیشی کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ ”آپ ﷺ نے ہر زمانہ میں رخنہ دین کے اس چور دروازہ کو کس قدر اہتمام سے بند رکھوایا تھا“ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کی جماعت ﴿وَلَا يَخَافُونَ يَوْمًا لَا تَأْتِي﴾ (المائدہ: ۵۴) کے اولین و حقیقی مصداق ہے اس کے باوجود کسی ایک صحابی کے بارے میں یہ ثابت نہیں ہے کہ ان سے حدیث رسول میں ”کذب“ واقع ہوا ہے۔

۱۔ التہذیب لمافی الموطا من المعانی والاسانید: ۵۸/۱

۲۔ الجامع الصحیح للإمام البخاری: ص ۳۳

اسی طرح جو حضرات بکثرت موضوع اور ضعیف جد اور آیات نقل کرنے میں مشہور ہیں، یا وہ کتابیں جن میں بکثرت موضوع اور ضعیف جد اور آیات موجود ہیں، ان سے اجتناب کرنا بھی ضروری ہے، ایسا نہ ہو کہ تھوڑی سی بے احتیاطی مذکورہ وعید میں داخل کر دے۔ رہا یہ مسئلہ کہ یہ حضرات ان روایات کو اپنی تصانیف میں کیوں لیکر آتے ہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان حضرات کا مقصود روایات کو جمع کرنا تھا؛ اس لئے ان کتابوں سے احادیث کو لینے والے پر ضروری ہے کہ وہ چھان بین کر کے لے۔

ہمارے زمانے میں ایک بڑی تعداد میں بے اصل، غیر معتمد، موضوع روایتیں پورے اعتماد سے بیان کی جاتی ہیں اور جب ان سے دریافت کیا جائے تو عوام کے ہاں تو کسی بھی معتمد شخصیت کا نام لینا صحت کی کسوٹی ہے جبکہ علماء کرام کے ایک بڑے طبقے کے ہاں کسی بھی مطبوع کتاب کا حوالہ بری ہونے کے لئے کافی ہے، حالانکہ اہل علم جانتے ہیں کہ اکثر یہ حوالہ جات یا تو کتب مواعظ سے ہوتی ہیں، یا ایسی کتابیں ہوتی ہیں جن میں نہ تو سند مذکور ہوتی ہے اور نہ ہی اس پر فنی اسنادی بحث ہوتی ہے، اب چونکہ یہ کتابیں حسب مؤلف مختلف مقام رکھتی ہیں اس لئے آنکھ بند کر کے ہر مؤلف کی ذکر کردہ روایت پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔

لہذا خاص طور پر ایسی کتب جو زیادہ موضوعات کا مرجع بنتی ہوں، ان کے بارے میں دیانۃ ہر صاحب علم کو محتاط رہنے کی ضرورت ہے، ائمہ متقدمین و متاخرین نے اکثر ایسی کتب میں مذکور روایتوں کی تخریج اور فنی مقام کی توضیح کی ہوتی ہے اس لئے ان تصریحات کے ساتھ ان روایتوں کی تحقیق کئے بغیر چارہ کار نہیں۔

ایک دوسری کوتاہی بعض اردو مترجمین کی طرف سے عام طور پر دیکھنے میں آئی ہے کہ کسی بھی دلچسپ معلوماتی، مرغوب روایتوں پر مشتمل کتاب کا ترجمہ افادہ عامہ کی نیت سے کر دیا جاتا ہے۔ حالانکہ کتاب کی روایتوں کا ایک معتد بہ حصہ یا تو درجہ اعتبار سے ساقط ہوتا ہے یا متروک، موضوع روایتوں پر مشتمل ہوتا ہے۔

اس لئے کسی بھی موضوع کا ”افادہ عامہ“ جتنی اہمیت کا حامل ہے اس سے زیادہ اس کا معتبر ہونا ضروری ہے۔ اور یہ اعتبار بھی فنی حیثیت کا ہونا چاہئے؛ کیونکہ عین ممکن بلکہ واقع ہے کہ کسی بھی اجنبی روایت کو سنکر فوراً ضعیف کہہ دیا جاتا ہے حالانکہ وہ روایت بعض دفعہ صحیح ہوتی ہے اور بعض دفعہ موضوع بھی ہوتی ہے تو ”ضعیف“ کا اطلاق دونوں کی تعبیر سے کوسوں دور ہے۔ اس لئے کما حقہ ایسے خاص مقامات اور خاص تناظر میں روایتوں کی تحقیق کرنی بھی ضروری ہے۔

خاتمہ:

اس پوری بحث و تمحیص سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوئے۔

۱۔ متروک اور منکر روایت کہ (جس میں ضعف شدید کی تصریح ہو)، کے علاوہ باقی تمام ضعیف روایات جمہور کے ہاں فضائل میں قابل عمل ہیں۔

۲۔ عقائد کے باب میں اخبارِ آحاد کا کوئی اعتبار نہیں۔ یعنی ان اخبار سے عقیدہ کو ثابت نہیں کیا جاسکتا۔

۳۔ احادیث ضعیفہ فضائل میں جمہور امت کے ہاں معتبر اور قابل عمل ہیں۔

۴۔ ضعیف حدیث کو اگر تلقی بالقول حاصل ہو جائے تو یہ تلقی اس روایت کو سند سے مستغنی کر دیتی ہے، اور پھر یہ روایت احکام میں بھی مستدل بن سکتی ہے۔

۵۔ یہ قول کہ ”احکام میں ضعیف روایت کا اعتبار نہیں“ اپنے اطلاق پر نہیں۔

۶۔ احادیث ضعیفہ کا بغیر ضعف بتائے بیان کرنا جائز ہے۔

۷۔ ضعیف احادیث میں جب تک ضعف شدید نہ ہو قابل عمل ہے۔

۸۔ موضع احتیاط میں ضعیف حدیث احکام میں بھی مستدل بن سکتی ہے۔

۹۔ ہر چھوٹی بڑی بات کے لئے صحیح الاسناد احادیث نہیں ملتیں اور نہ ہی یہ بات ضروری ہے۔

۱۰۔ جن حضرات کی طرف مطلقاً عدم جواز کا قول منسوب ہے اس کی بھی تردید ہوتی ہے۔

۱۱۔ ان حضرات کے نظریہ کی بھی تردید ہوتی ہے جو احکام اور فضائل کے درمیان تفریق کے قائل نہیں۔

۱۲۔ ان حضرات کے نظریہ کی بھی تردید ہوتی ہے جو ضعیف کے بارے میں تساہل سے صرف روایت کرنا مراد لیتے ہیں نہ کہ عمل کرنا۔

۱۳۔ اسی طرح ان حضرات کے نظریہ کی بھی تردید ہوتی ہے جو امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے قول ”ضعیف الحدیث أحب إلینا من الری“ سے حسن درجہ والی روایت مراد لیتے ہیں۔

۱۴۔ اسی طرح ان حضرات کے نظریہ کی بھی تردید ہوتی ہے جو احادیث ضعیفہ کے بارے میں تشدد سے کام لیتے ہیں۔

۱۵۔ اس سے یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ حضرات محققین کے ہاں آراء شاذہ کا کوئی اعتبار نہیں۔

۱۶۔ اسی طرح یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ احادیث ضعیفہ ذخیرہ حدیث ہی کا ایک بڑا کا حصہ ہے۔

لہذا ان تمام باتوں کے بعد ہم آخر میں یہی کہیں گے کہ نقد حدیثی اور جرح و تعدیل کے قواعد و مباحث اور خدمات کی حیثیت و وقعت کو باقی رکھتے ہوئے ضعیف احادیث کو ان کا وہ مقام دیا جائے جو فنی ہے علمی ہے اور سلف کے ہاں تھا۔

آخر میں اہل علم حضرات سے یہ گزارش ہے اگر کہیں کوئی غلطی نظر آ جائے تو مطلع فرمائیں۔ عین نوازش ہوگی۔

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو حضرات سلف صالحین کے دامن سے وابستہ رکھے آمین۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ أفضل المرسلین وخاتم

النبیین محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ وأصحابہ و

ذریئہ أجمعین إلی یوم الدین۔ آمین

راقم الحروف

محمد انور بن عالمگیر کوہستانی

فاضل و متخص فی الحدیث جامعہ فاروقیہ کراچی

۲۸/۷/۱۴۳۵ھ بمطابق ۲۸/۵/۲۰۱۴م

فہرست آیات

نمبر شمار	آیات کریمہ	صفحہ نمبر
۱	﴿أتحدثو نهم بما فتح الله عليكم﴾	۳۹
۲	﴿و من أصدق من الله حديثاً﴾	۳۹
۳	﴿فليأتوا بحديث مثله﴾	۴۰
۴	﴿الله نزل أحسن الحديث﴾	۴۰
۵	﴿فجعلناهم أحاديث﴾	۴۰
۶	﴿واذ کروا نعمت الله عليكم وما أنزل-----﴾	۴۵
۷	﴿اليوم أكملت لكم دينكم وأتممت عليكم نعمتي﴾	۴۵
۸	﴿وأما بنعمة ربك فحدث﴾	۴۶
۹	﴿هل أتاك حديث ضيف إبراهيم المكرمين﴾	۴۶
۱۰	﴿هل أتاك حديث موسى﴾	۴۶
۱۱	﴿و اذا سرّ النبي إلى بعض ازواجه حديثاً﴾	۴۶
۱۲	﴿أما بنعمة ربك فحدث﴾	۴۸
۱۳	﴿ألم يجدك يتيماً فآوى﴾	۴۸
۱۴	﴿فأما اليتيم فلا تقهر﴾	۴۸
۱۵	﴿ووجدك ضالاً فهدى﴾	۴۸
۱۶	﴿وأما بنعمة ربك فحدث﴾	۴۸

۱۷	﴿ووجدك عاتلاً غني﴾	۴۹
۱۸	﴿أما السائل فلا تنهر﴾	۴۹
۱۹	﴿وما اتكم الرسول فخذوه وما نهكم عنه فانتهوا﴾	۱۰۱
۲۰	﴿فليحذر الذين يخالفون عن أمره أن تصيبهم فتنة﴾	۱۰۱
۲۱	﴿من يطع الرسول فقد أطاع الله﴾	۱۰۲
۲۲	﴿يأيها الذين آمنوا إن جاءكم فاسق بنبأ فتبينوا﴾	۱۰۶
۲۳	﴿إذ قالوا لنبي لهم ابعث لنا ملكا﴾	۱۱۱
۲۴	﴿عسى أن يبعثك ربك مقاماً محموداً﴾	۱۴۹
۲۵	﴿ولا حل لكم بعض الذي حرم عليكم﴾	۱۶۶
۲۶	﴿لكل جعلنا منكم شرعة ومنهاجا﴾	۱۶۶
۲۷	﴿ولا يخافون لومة لائم﴾	۳۰۹

فہرستِ احادیث

۴۰	۱	من حدث عني بحديث يرى أنه
۴۰	۲	قلت يا رسول الله من أسعد الناس --
۴۰	۳	من حدث عني حديثاً وهو يرى أنه كذب
۵۶	۴	من سن في الاسلام سنة حسنة
۵۷	۵	إنما الأعمال بالنيات.
۵۹	۶	عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين
۵۹	۷	تركت فيكم أمرين لن تضلوا
۶۰	۸	عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين
۶۰	۹	النكاح من سنتي
۶۹	۱۰	أن رسول الله ﷺ نهى عن المزابنة
۷۱	۱۱	قال رسول الله ﷺ: إن وليتموها
۷۲	۱۲	قال رسول الله ﷺ للمملوك طعامه
۷۵	۱۳	لا تحمدوا إسلام إمرئ، حتى
۷۸	۱۴	رحم الله حارس الحرس
۸۰	۱۵	كان رسول الله ﷺ يقنت في الفجر
۸۱	۱۶	كلوا البلح بالتمر، كلوا الخلق بالجديد،
۸۵	۱۷	قمت وراء أبي بكر وعمر وعثمان
۸۷	۱۸	قال رسول الله ﷺ: أسبغوا الوضوء
۸۸	۱۹	كان النبي ﷺ يتحنث في غار حرا
۸۸	۲۰	للعبد المملوك الصالح أجران

۲۱	إذا لقيتم المشركين في طريق فلا تبدأ وهم	۸۹
۲۲	قال : سبعة يظلهم الله في ظله يوم لا ظل إلا ظله	۹۰
۲۳	سمعت رسول الله ﷺ يقول : لا تجلسوا	۹۱
۲۴	قال رسول الله ﷺ شيبتي هود وأخواتها	۹۲
۲۵	سئل رسول الله ﷺ عن الزكوة فقال	۹۳
۲۶	: قال رسول الله ﷺ لتؤدن الحقوق إلى أهلها	۹۴
۲۷	أن رسول الله ﷺ احتجر في المسجد	۹۵
۲۸	قال النبي ﷺ ألا هل عسى رجل يبلغه الحديث	۱۰۲
۲۹	كنت في البطحاء في عصا به في نار رسول الله ﷺ	۱۵۷
۳۰	قال رسول الله ﷺ : من صلى بعد المغرب ست ركعات	۲۳۰
۳۱	عن النبي ﷺ ما من مسلم ينظر	۲۷۳
۳۲	قال لي رسول الله ﷺ مفا تيح الجنة شهادة	۲۷۴
۳۳	قال لنار رسول الله ﷺ استعيذوا بالله	۲۷۴
۳۴	عن النبي ﷺ قال : خصلتان لا يجتمعان	۲۷۵
۳۵	عن النبي ﷺ قال : إن الرحم	۲۷۶
۳۶	رأيت رسول الله ﷺ مع أبي فنا جني	۲۷۶
۳۷	رأيت رسول الله ﷺ يتوضأ وعلى	۲۷۷
۳۸	قال احتجم رسول الله ﷺ فصلى	۲۷۸
۳۹	قال : اشتريت كبشاً أضحي به	۲۷۸
۴۰	أن رسول الله ﷺ قالها في امرأة	۲۷۸
۴۱	من كذب علي متعمداً فليتبوأ مقعده من النار	۳۰۸

فہرست اعلام

113	ابوبکر بن مسعود (کاسانی)	1
57	احمد بن الحسین (بیہقی)	2
207	احمد بن عبدالحلیم (امام ابن تیمیہ)	3
144	احمد بن عبدالرحیم (شاہ ولی اللہ)	4
141	احمد بن علی (ابوبکر حصاص)	5
108	احمد بن علی (ابن حجر)	6
43	احمد بن علی (خطیب)	7
79	احمد بن محمد (امام طحاوی)	8
73	احمد بن محمد (امام احمد)	9
177	احمد بن محمد (ابن حجر ہیتمی)	10
189	احمد بن محمد (خفاجی)	11
219	احمد بن محمد شاہ	12
270	اسماعیل بن کثیر (ابن کثیر)	13
56	امیر کاتب (اتقانی)	14
59	جعفر بن ثعلب (ادفوی)	15
129	جمال الدین بن محمد (قاسمی)	17
45	حسین بن عبداللہ (طیبی)	18
259	خلیل بن کیکلدی (علائی)	19
307	ربیعہ بن عبدالرحمان	20

208	رشید بن ہدایت (گنگوہی)	21
202	زکریا بن محمد (انصاری)	22
120	زین الدین بن ابراہیم (ابن نجیم)	23
190	سفیان بن ثوری	24
191	سفیان بن عیینہ	25
100	سلیم بن ایوب (رازی)	26
123	سلیمان بن عبدالقوی (طوفی)	27
180	سید احمد بن محمد (غماری)	28
207	سید شریف حسین بن نذیر حسین (دہلوی)	29
50	شبیر احمد بن فضل الرحمان (عثمانی)	30
78	شعبۃ بن الحجاج	31
39	طاہر بن محمد صالح (جزائری)	32
179	ظفر احمد بن لطیف (تھانوی)	33
53	عبدالحی بن عبدالحلیم (لکھنوی)	34
170	عبدالرحمان بن احمد (ابن رجب)	35
261	عبدالرحمان بن ادریس (ابن ابی حاتم)	36
199	عبدالرحمان بن علی (ابن جوزی)	37
49	عبدالرحمان بن کمال الدین (سیوطی)	38
193	عبدالرحمان بن مہدی	39
124	عبدالعزیز بن احمد (البخاری)	40

182	عبدالعزیز بن احمد (فرہاروی)	41
128	عبدالعزیز بن عبدالسلام (عزالدین)	42
236	عبدالفتاح بن محمد (ابوغدہ)	43
122	عبدالقادر بن احمد (ابن بدران)	44
126	عبدالعلی بن نظام الدین (بحرالعلوم)	45
114	عبداللہ بن احمد (نسفی)	46
114	عبداللہ بن احمد (ابن قدامہ)	47
192	عبداللہ بن مبارک	48
208	عبداللہ بن محمد غماري	49
110	عبدالملک بن عبداللہ (امام الحرمین)	50
117	عبدالوہاب بن علی (سبکی)	51
56	عثمان بن عبدالرحمان (ابن الصلاح)	52
117	عثمان بن علی (زیلعی)	53
126	عثمان بن عمر (ابن حاجب)	54
44	علی بن سلطان (ملا علی قاری)	55
178	علی بن محمد (ابن حزم)	56
110	علی بن محمد (بزدوی)	57
200	علی بن محمد سید شریف (جرجانی)	58
240	عمیاض بن موسیٰ (قاضی عمیاض)	59
128	قاسم بن قطلوبغا	60

177	مالک بن انس (امام مالک)	61
131	محب اللہ بن عبد الشکور (بہاری)	62
100	محمد بن ابراہیم (ابن جماعہ)	63
130	محمد بن ابراہیم (ابن الحسنی)	64
142	محمد بن ابی بکر (ابن قیم)	65
70	محمد بن ابی نصر (حمیدی)	66
111	محمد بن احمد (سرخسی)	67
152	محمد بن احمد (ذہبی)	68
201	محمد بن احمد (محلّی)	69
203	محمد بن احمد (ابن نجار)	70
203	محمد بن احمد (شرینی)	71
72	محمد بن ادریس (امام شافعی)	72
211	محمد اسعد (دوانی)	73
235	محمد بن اسماعیل (امام بخاری)	74
133	محمد بن اسماعیل (امیر صنعانی)	75
62	محمد اکرم بن عبدالرحمان (سندھی)	76
126	محمد انور شاہ بن معظم شاہ (کشمیری)	77
143	محمد ناصر الدین (البانی)	78
119	محمد بن عبداللہ (زرکشی)	79
54	محمد بن جریر (طبری)	80

150	محمد زاہد بن الحسن (کوثری)	81
163	محمد عبدالرحمان بن عبدالرحیم (مبارک پوری)	82
44	محمد بن عبدالرحمان (سخاوی)	83
69	محمد بن عبداللہ (امام حاکم)	84
112	محمد بن عبداللہ (ابن العربی)	85
196	محمد بن عبداللہ دمشقی (ابن ناصر الدین)	86
119	محمد بن عبدالواحد (ابن ہمام)	87
123	محمد بن عثمان (امام آمدی)	88
70	محمد بن علی (ابن دقیق العید)	89
204	محمد بن علی (علاء الدین حسکفی)	90
247	محمد بن علی (شوکانی)	91
121	محمد امین بن محمود (امیر بادشاہ)	92
209	محمد عوامہ	93
113	محمد بن عمر (امام رازی)	94
55	محمد بن محمد (امام غزالی)	95
234	محمد بن محمد (ابن سید الناس)	96
115	محمود بن احمد (بخاری)	97
118	مسعود بن عمر (تفتازانی)	98
238	مسلم بن الحجاج	99
207	نذیر حسین بن جواد علی (دہلوی)	100

176	نعمان بن ثابت (امام ابو حنیفہ)	101
210	نور الدین عتر	102
52	یحییٰ بن شرف (امام نووی)	103
233	یحییٰ بن معین (ابن معین)	104
195	یحییٰ بن محمد (عنبری)	105
109	یوسف بن عبداللہ (ابن عبدالبر)	106

مصادر ومراجع:

۱

- (۱) قرآن حکیم
- (۲) الإبهاج في شرح المنهاج، علي بن عبد الكافي، ناشر دار الكتب العلميه، الطبعة الأولى ١٤٠٥هـ
- (۳) أثر الحديث الشريف في اختلاف الأئمة الفقهاء، الشيخ محمد عوامه، ناشر مكتب دار البشائر الإسلاميه، الطبعة الرابعة ١٤١٨هـ
- (۴) الأجوبة الفاضله للأسئلة العشرة الكامله، محمد عبد الحى اللكهنوي الحنفى، تحقيق: الشيخ عبد الفتاح أبو غدة، ناشر مكتب المطبوعات الإسلاميه حلب، الطبعة السادسة ١٤٢٦هـ
- (۵) المجموعة في الأحاديث الضعيفة والموضوع، أبو سلمان سراج الإسلام حنيف، ناشر دار الكتب محله جنگى قصه خوانى پشاور
- (۶) أحكام القرآن للخصاص، تحقيق: محمد الصادق قمحاوي، ناشر دار إحياء التراث العربى، الطبعة ١٤٠٥هـ
- (۷) أحكام القرآن، لأبي بكر محمد بن عبد الله بن العربى المالكي، تحقيق: علي محمد البجاوي، ناشر مطبعة عيسى البابي الحلبي مصر، الطبعة ١٣٨٧هـ
- (۸) الأحكام في أصول الأحكام، لأبي محمد علي بن حزم الظاهري، تحقيق: زكريا علي يوسف، ناشر مطبعة النور بالرياض، الطبعة الأولى ١٣٨٧هـ-
- (۹) اختصار علوم الحديث، إسماعيل بن كثير، مع شرح الباعث الحثيث أحمد محمد شاكر، ناشر مكتبه دار الكتب العلميه بيروت لبنان الطبعة.

الرابعة ١٤٢٥ھ -

(۱۰) الأدب المفرد، محمد إسماعيل البخاري، تحقيق و تخريج: الشيخ

ناصر الدين الباني، ناشر مكتب المعارف الرياض، الطبعة الأولى ١٤١٩ھ -

(۱۱) الأذكار المنتخبة من كلام سيد الأبرار، أبو زكريا يحيى بن شرف النووي،

تحقيق د: حامد محمد الطاهر، ناشر دار الفجر للتراث قاهرہ -

(۱۲) الاستذكار لمذاهب فقهاء الأمصار، لأبي عمر يوسف بن عبد البر، تحقيق و

تصحيح: عبد الرزاق المهدي، ناشر دار إحياء التراث العربی الطبعة

لأولى ١٤٢١ھ -

(۱۳) أصل الاعتقاد، عمر سليمان الأشقر، ناشر الدار السلفية الكويت، الطبعة

الأولى ١٣٩٩ھ -

(۱۴) أصول السرخسي للسرخسي، ناشر دار الكتب العلمية، الطبعة الأولى ١٤١٤ھ

(۱۵) إعلاء السنن، ظفر أحمد عثمانی، تحقيق و تعليق: محمد تقي عثمانی، ناشر

ادارة القرآن والعلوم الاسلاميه اردو بازار کراچی، الطبعة الأولى ١٤٢٧ھ

(۱۶) إعلام الموقعين، محمد بن أبي بكر ابن قيم الجوزیه، تحقيق: محمد معتصم

بالله البغدادي، ناشر وحیدی کتب خانہ پشاور

(۱۷) الأعلام قاموس تراجم لأشهر الرجال والنساء من العرب والمستعربين

والمستشرقين، خير الدين الزركلي، ناشر دار العلم للملايين بيروت لبنان

، الطبعة الأولى ٢٠٠٥ء

(۱۸) الإكمال في رفع الارتباب عن المؤلف والمختلف في الأسماء والكنى

والأنساب، علي بن هبت الله بن ماکولا، ناشر دار الكتب العلمية، الطبعة

الأولى ١٣١٥ھ

(۱۹) إمعان النظر شرح نخبة الفكر، قاضي محمد أكرم سندهي، تحقيق وتعليق:

أبو سعيد غلام مصطفى قاسمي، ناشر شاه ولي الله اكادمي۔

(۲۰) الامتاع بالأربعين المتبانيه السماع للحافظ ابن حجر العسقلاني، تحقيق: أبو

عبد الله محمد حسن محمد حسن إسماعيل الشافعي، ناشر دار الكتب

العلميه بيروت لبنان، الطبعة الأولى ۱۹۹۷ء

(۲۱) الأنساب، عبد الكريم بن محمد السمعاني، ناشر دار الكتب العلميه، الطبعة

الأولى ۱۴۱۹ھ

(۲۲) أنوار الباري شرح صحيح البخاري، مجموعة افادات محمد أنور شاه

الكشميري، جمع وترتيب سيد يحمدرضا بجنوري، ناشر اداره تاليفات

اشرفيه، الطبعة الأولى ۱۴۲۵ھ

(۲۳) أنموذج العلوم، محمد بن أسعد الدواني، ناشر مكتبه مصطفى هندی

وستان۔

(۲۴) إيضاح الدليل في قطع حجج أهل التعطيل، محمد بن إبراهيم بن

جماعه، تحقيق: وهبي سليمان غاوجي الأباني، ناشر دار السلام، الطبعة

الأولى ۱۹۹۰ء

ب

(۲۵) البحر الرائق شرح كنز الدقائق لابن نجيم، ضبط وتخریج: شیخ زکریا

عمیرات، ناشر دار الكتب العلميه، الطبعة الأولى ۱۴۱۸ھ

(۲۶) البحر المحيط في أصول الفقه بدر الدين محمد بن عبد الله الزركشي، تحقيق:

محمد محمد تامر، ناشر دار الكتب العلميه، الطبعة الأولى ۱۴۲۱ھ

(۲۷) بدائع الفوائد، محمد بن أبي بكر ابن قيم الجوزیه، تحقيق: هشام عبد العزيز

عطاء، عادل عبد الحمید، أشرف أحمد العدوي، ناشر مكتبه نزار مصطفى الباز
مكة المكرمة، الطبعة الأولى ١٤٠٦ھ

(٢٨) بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع للكاساني، تحقيق: علي محمد معوض شيخ
عادل أحمد الموجود، ناشر دار الكتب العلمية، الطبعة الأولى ١٤١٨ھ

(٢٩) البدر الطالع بمحاسن من بعد القرن السابع، محمد علي الشوكانى، مطبعة
السادة مصر قاهره، الطبعة الأولى ١٣٤٨ھ

(٣٠) بستان المحدثين، شاه عبد العزيز، ناشر ايچ ايم سعيد كمپنى ادب منزل
پاكستان چوك كراچى

(٣١) البدايه والنهايه، إسماعيل بن كثير، تحقيق و تخريج د: رياض عبد الحميد
مراد، ناشر دار ابن كثير، الطبعة الأولى ١٤٢٨ھ

(٣٢) بيان فضل علم السلف على الخلف، زين الدين أبي الفرج عبد الرحمان بن
أحمد البغدادي، تحقيق و تعليق: محمد ناصر الأعجمي، ناشر دار البشائر
الإسلاميه، الطبعة ١٤٢٤ھ۔

ت

(٣٣) تاج التراجم في من صنف من الحنفية قاسم بن قطلوبغا، تحقيق: إبراهيم
صالح، دار المامون بيروت، الطبعة الأولى ١٤١٢ھ

(٣٤) تاريخ ابن معين، يحيى بن معين، تحقيق و تخريج: الشيخ أحمد محمد نور
سيف، ناشر مركز البحث العلمي و إحياء التراث الإسلامي مكة المكرمة،
الطبعة ١٣٩٩ھ۔

(٣٥) تاريخ الأدب العربي، كارل بروكلمان، ناشر دار الكتب الإسلامي،
الطبعة ١٤٢٦ھ

(۳۶) تاریخ الإسلام ووفیات المشاهیر والأعلام، محمد بن أحمد
الذهبی، تحقیق: مصطفى عبد القادر عطا، ناشر دار الكتب العلمیه، الطبعة

الأولى ۱۴۲۶ھ

(۳۷) تاریخ الكبير، محمد بن إسماعیل البخاری، تحقیق: مصطفى عبد القادر
أحمد عطا، ناشر دار الكتب العلمیه، الطبعة الثانية ۱۴۲۹ھ۔

(۳۸) تاریخ مدينة السلام، أحمد بن علي البغدادي، ناشر مكتبة دار الكتب العلمیه
بيروت لبنان۔

(۳۹) تاریخ مذاهب الإسلامیه فی السیاسیه والعقائد وتاریخ المذاهب الفقهیه، امام
أبو زهره، ناشر دار الفكر العربی

(۴۰) التاصیل الشرعی لقواعد المحدثین، عبد الله شعبان، ناشر مكتبة دار السلام
، الطبعة الأولى ۱۴۲۶ھ

(۴۱) تانیب الخطیب، علامه محمد زاهد الكوثري، ناشر مكتبة اسلامیه كوثنه
(۴۲) الطبقات السنیة فی تراجم الحنفیه، تقی الدین بن عبد القادر تیمی، تحقیق: عبد

الفتاح محمد الحلو، ناشر دار الرفاعي، الطبعة الأولى ۱۴۱۳ھ

(۴۳) تبیین العجب بما ورد فی فضل رجب، حافظ ابن حجر، تحقیق: إبراهيم بن
إسماعیل

(۴۴) تبیین الحقائق شرح كنز الدقائق فخر الدین عثمان بن علي الزیلعی، ناشر دار
الكتب الاسلامی قاهره، الطبعة ۱۳۱۳ھ

(۴۵) التبيين، عمیر بن أمیر اتقانی غازی، تحقیق ودراسه د: صابر نصر مصطفى
عثمان، الطبعة الأولى ۱۴۲۰ھ

(۴۶) تحفة الأحوذی بشرح جامع الترمذی، أبو العلی محمد عبدالرحمان بن

عبدالکریم مبارک پوری ، تحقیق : عبد الرحمان محمد عثمان ، ناشر المكتبة السلفية مدينه منوره ، الطبعة الثانية ١٤٢٤ھ

(٤٧) تحفة الأشراف بمعرفة الأطراف مع النكت الظراف على الأطراف ، جمال الدين أبي الحجاج يوسف بن مزي ، تحقيق : عبد الصمد شرف الدين ، ناشر دار القيمة بهيوندی بمبئی الهند ، الطبعة الأولى ١٣٩٦ھ

(٤٨) تحقيق اسمی الصحيحین و اسم جامع الترمذی ، الشيخ عبد الفتاح ابو غده ، ناشر مكتب المطبوعات الاسلاميه حلب

(٤٩) تحقيق المقال في تخريج أحاديث فضائل اعمال ، لطيف الرحمان قاسمي البهراجی ، ناشر مكتبة الحرمين دبی ، الطبعة ١٤٢٥ھ-

(٥٠) تدريب الراوي في شرح تبقيرب النووي ، جلال الدين عبد الرحمان السيوطي ، تحقيق : أبو قتيبة نظر محمد الفاريابي ، ناشر دار طيبة ، الطبعة ١٤٢٥ھ

(٥١) التدليس وأحكامه ، وآثاره النقدية ، صالح بن سعيد عومار الجزائري ، ناشر دار ابن حزم ، الطبعة الأولى ١٤٢٢ھ

(٥٢) تذكرة الحفاظ ، محمد بن أحمد الذهبي ، تحقيق : شيخ زكريا عميرات ، ناشر دار الكتب العلمية ، الطبعة الثانية ١٤٢٨ھ

(٥٣) التعريفات ، سيد شريف جرجاني ، ناشر دار المنار

(٥٤) التعريف بأوهام من قسم السنن إلى صحيح وضعيف ، محمود سعيد

ممدوح ، ناشر دار البحوث للدراسات الإسلامية وأحياء التراث دبی ، الطبعة الأولى ١٤٢١ھ

الأولى ١٤٢١ھ

(٥٥) تفسير الطبري المسمى جامع البيان في تاويل القرآن ، أبو جعفر محمد بن

جریر الطبری ، ناشر دار الکتب العلمیہ ، الطبعة الرابعة ١٤٢٦ھ

(٥٦) تفسیر ابن کثیر ، إسماعیل بن کثیر ، ناشر سهیل اکیڈمی لاہور

(٥٧) التفسیر الكبير للإمام الرازي ، ناشر دار إحياء التراث العربي بیروت ، الطبعة

الثانية ١٤١٧ھ

(٥٨) تقریب التهذیب ، أحمد بن علي بن حجر ، دراسة و تحقيق : محمد عوامه ، ناشر

دار الرشید سوريا حلب ، الطبعة الرابعة ١٤١٨ھ

(٥٩) التقرير والتحبير ، ابن أمير الحاج ، تحقيق و تخريج : عبد الله محمود محمد

عمر ، ناشر دار الکتب العلمیہ ، الطبعة الأولى ١٤١٩ھ

(٦٠) التقييد والإيضاح لما أطلق أغلق من كتاب ابن الصلاح للحافظ العراقي :

تحقيق : اسامه عبد الله خياط ، ناشر دار البشائر الإسلامیہ ، الطبعة الأولى ١٤٢٥ھ

(٦١) التمهيد لما في الموطأ من المعاني والأسانيد ، أبو عمر يوسف بن عبد الله ابن

عبد البر ، تحقيق : مصطفى بن أحمد العلوي محمد عبد الكريم البكري ،

ناشر المكتبة التجارية مصطفى احمد الباز مکه مکرمہ

(٦٢) التمهيد ، محفوظ بن أحمد بن الحسن ، تحقيق : محمد بن علي بن إبراهيم ،

ناشر المحبث العلمي و أحياء التراث الإسلامی ، الطبعة الأولى ١٤٠٦ھ

(٦٣) توجيه النظر إلى أصول الأثر ، الشيخ طاهر الجزائري ، تحقيق و تعليق : الشيخ

عبد الفتاح أبو غده ، ناشر مكتب المطبوعات الإسلامیہ حلب ، الطبعة الأولى

١٤١٦ھ-

(٦٤) توضيح الأفكار لمعاني تنقيح الأنظار ، محمد بن إسماعيل الصنعاني ، تحقيق

: محمد محي الدين عبد الحميد ، ناشر دار أحياء التراث العربي ، الطبعة

الأولى ١٤١٨ھ-

(۶۵) تہذیب التہذیب ، أبو الفضل أحمد بن علي بن حجر العسقلاني ، تحقيق :
شيخ عادل الموجود ، شيخ علي محمد معوض ، ناشر دار الكتب العلميه ،
الطبعة الأولى ۱۴۲۵ھ

(۶۶) تہذیب الکمال فی أسماء الرجال ، جمال الدين أبي الحجاج يوسف المزي ،
تقديم و تحقيق : سهيل زكار ، أحمد علي عبيد و حسن أحمد آغا ، ناشر
دار الفكر ، الطبعة ۱۴۱۴ھ

(۶۷) تيسر التحرير شرح التحرير ، محمد بن أمين البخاري المعروف بامير بادشاه
، ناشر دار الفكر

ث

(۶۸) ثلاث رسائل في علم مصطلح الحديث : تحقيق و تعليق : شيخ عبد الفتاح
أبو غده ، ناشر مكتبه دار البشائر الاسلاميه ، الطبعة الأولى ۱۴۱۷ھ

ج

(۶۹) جامع بيان العلم وفضله ، تحقيق : أبو الأشبال الزهيري ، ناشر دار ابن الجوزيه
، طبع هفتم ۱۴۲۷ھ

(۷۰) جامع الترمذي ، أبو عيسى محمد بن عيسى الترمذي ، تحقيق و تعليق و
تخريج : بشار عواد معروف ، ناشر دار الغرب الإسلامي ، طبع دوم ۱۹۹۹ء
(۷۱) الجرح والتعديل ، أبو محمد عبد الرحمان بن أبي حاتم الرازي ، تحقيق :

مصطفى عبد القادر عطا ، ناشر دار الكتب العلميه بيروت

لبنان ، الطبعة الأولى ۱۴۲۲ھ

(۷۲) الجامع الصحيح للإمام البخاري ، محمد بن إسماعيل البخاري ، ناشر ،
دار السلام الرياض

(۷۳) الجامع الصحيح للإمام مسلم، مسلم بن الحجاج القشيري، تحقيق

وترتيب: محمد فواد عبد الباقي، ناشر دار الكتب العلمية

(۷۴) الجواهر والدرر في ترجمة شيخ الإسلام ابن حجر، محمد بن عبد الرحمان

السخاوي، ناشر لجنة احياء التراث الإسلامي مصر

(۷۵) الجواهر المضيه في طبقات الحنفية، محمد عبد الحي اللكهنوي، ناشر

قديمی کتب خانہ آرام باغ کراچی

ح

(۷۶) حجة الله البالغه، شاه ولي الله محدث الدهلوي، تعليق: محمود طعمة

حلبی، ناشر قديمی کتب خانہ کراچی

(۷۷) حدیث کی ضرورت اور اہمیت، خلیل الرحمان ہشتی، ناشر الفوز

اکید می، اسلام آباد

(۷۸) حکم العمل بالحدیث الضعیف في فضائل الأعمال، فوزي بن محمد العوده

، ناشر دار الصمیعی، الطبعة الأولى ۱۴۱۷ھ

خ

(۷۹) خطورة مساواة الحديث الضعیف بالموضوع، خليل بن إبراهيم، ناشر دار القبلة

(۸۰) الخلاصة في أصول الحديث، حسين بن عبد الله، تحقيق: صبيحي السامرائي

، ناشر مطبعة الإرشاد، بغداد، الطبعة ۱۳۱۹ھ

د

(۸۱) دراسات اللیب فی الأسوة الحسنة بالحبیب، محمد معین السندھی،

تحقیق و تعلیق: علامہ عبد الرشید النعمانی، ناشر مکتبہ مطبعة العرب

کراچی

- (۸۲) الدرر الكامنة في أعيان المائة الثامنة، أحمد بن علي بن حجر، تحقيق: شيخ عبد الوارث محمد علي، ناشر دار الكتب العلمية، الطبعة الأولى ۱۴۱۸ھ
- (۸۳) دلائل النبوه، أبو بكر أحمد بن الحسين بن علي البيهقي، تحقيق: عبد المعلى قلجعي، ناشر دار الكتب العلمية، الطبعة الأولى ۱۴۰۵ھ

ر

- (۸۴) رد المحتار على در المختار، محمد أمين بن عمرو الشامي، ناشر ايچ ايم سعيد كمپنی كراچی

- (۸۵) الرسالة، محمد بن إدريس الشافعي، تحقيق: شيخ خالد السبع العلمي، شيخ زهير شفيق الكبي، ناشر دار الكتاب العربي بيروت، الطبعة الأولى ۱۴۲۶ھ
- (۸۶) الرفع والتكميل في الجرح والتعديل، محمد عبد الحي الكهنوي، ناشر متبع علوي هندوستان

- (۸۷) الرفع والتكميل في الجرح والتعديل، عبد الحي اللكهنوي، تحقيق: عبد الفتاح ابو غده، ناشر الدعوة الاسلامية پشاور

- (۸۸) روضة الناظر وجنة المناظر، عبد الله بن أحمد بن قدامه، ناشر دار الكتب العلمية، الطبعة الثانية ۱۴۱۴ھ

- (۸۹) رهنمائے خطابت، محمد طاهر شاه، ناشر مكتبه الفلاح كراچی، الطبعة الأولى ۱۴۲۸ھ

- (۹۰) روايات ضعيفه اور تحصيل فضائل، رشيد أحمد بن

- محمد سليم، ناشر الرشيد كراچی، الطبعة الأولى ۱۴۲۳ھ

ز

- (۹۱) زاد المعاد في هدي خير العباد، محمد بن أبي بكر ابن قيم، تحقيق: شيخ عبد

الرزاق المہدی، ناشر وحیدی کتب خانہ پشاور

س

(۹۲) سلسلہ الأحادیث الضعيفة والموضوعة وأثرها السيئة في الأمة، محمد ناصر الدين الباني، ناشر مكتبه المعارف الرياض، الطبعة الثانية

س ۱۴۰۸ھ

(۹۳) السنة ومكانتها في التشريع الاسلامي، مصطفى السباعي، ناشر دار الوراق

(۹۴) سنن الدارقطني، علي بن عمر الدارقطني، تعليق وتخریج: مجدی بن منصور بن

سید الشوری، ناشر دار الکتب العلمیہ، الطبعة الثانية ۱۴۲۴ھ

(۹۵) سنن أبي داود، سليمان بن أشعث، تحقيق: محمد عوامه، ناشر دار القبلة مکه

مکرمہ، الطبعة الثانية ۱۴۲۵ھ

(۹۶) سنن ابن ماجه، محمد بن يزيد قزويني، تحقيق: محمود محمد محمود حسن

نصار، ناشر دار الکتب العلمیہ، الطبعة الأولى ۱۴۱۹ھ

(۹۷) سير أعلام النبلاء، محمد بن أحمد الذهبي، تحقيق وتخریج: شعيب الأرناؤط،

ناشر مؤسسة الرسالة، الطبعة الرابعة ۱۴۰۶ھ

ش

(۹۸) شرح التبصرة والتذكرة، عبد الرحيم بن حسين العراقي، تحقيق: ماهر ياسين

الفحل، عبد اللطيف، ناشر دار الکتب العلمیہ، الطبعة الأولى ۱۴۲۴ھ

(۹۹) شرح الديباج المذهب في مصطلح الحديث، محمد ملاحنفي،

(۱۰۰) شرح شرح نخبة الفكر، علي بن سلطان محمد ملا علي قاري، ناشر قدیمی

کتب خانہ آرام باغ کراچی

(۱۰۱) شذرات الذهب في أخبار من ذهب، ابن عباد حنبلي، تحقيق: مصطفى

عبد القادر عطا، ناشر دارالکتب العلمیہ، الطبعة ۱۴۱۹ھ

- (۱۰۲) شرح عقائد النسفیہ، سعد الدین تفتازان، ناشر المصباح لاهور
(۱۰۳) شرح علل الترمذی، ابن رجب حنبلی، تحقیق نور الدین عتر، الطبعة الأولى
۱۳۹۸ھ

- (۱۰۴) شرح فقہ اکبر، ملا علی قاری، ناشر قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی
(۱۰۵) شرح الکوکب المنیر، محمد بن أحمد الفتوحی، تحقیق، محمد زہیلی،
تریسہ حماد، ناشر دار الفکر دمشق، الطبعة الأولى ۱۴۰۱ھ
(۱۰۶) شرح الجلال المحلی علی المنہاج، جلال الدین محلی، ناشر دار احیاء
التراث العربی

- (۱۰۷) شرح مشکل الآثار، أحمد بن محمد الطحاوی، تحقیق و تخریج: شعیب
الارنوط، ناشر مؤسسة الرسالة، الطبعة الثانية ۱۴۲۷ھ

ص

- (۱۰۸) الصحاح تاج اللغة وصحاح العربیہ، إسماعیل بن حماد جوهري
، تحقیق: أحمد عبد الغفور عطار، ناشر دار العلم للملایین بیروت لبنان، الطبعة
الرابعة ۱۴۰۷ھ

ض

- (۱۰۹) ضرب مؤمن
(۱۱۰) ضعيف حدیث پر عمل کرنے میں مفسد، رشید أحمد، ناشر کتاب گھر
کراچی، الطبعة الأولى ۱۴۲۶ھ

- (۱۱۱) الضوء اللامع لأهل القرن التاسع، محمد بن عبد الرحمان السنخاوي، ناشر
مکتبة الحیات بیروت

ط

(۱۱۲) طبقات الشافعية الكبرى، عبد الوهاب بن علي السبكي، تحقيق: مصطفى عبد القادر عطا، ناشر دار الكتب العلمية، الطبعة الأولى ۱۴۲۰ھ

ظ

(۱۱۳) ظفر الأماني، عبد الحي لکهنوي، تحقيق و تعليق، عبد الفتاح ابو غده، ناشر مكتب المطبوعات الإسلامية حلب، الطبعة الثالثة ۱۴۱۶ھ

ع

(۱۱۴) عارضة الأحوزي شرح جامع الترمذي، قاضي أبو بكر بن العربي، ناشر مكتبة الصاوي مصر الطبعة ۱۳۵۳ھ

(۱۱۵) العرف الشذي على جامع الترمذي، محمد أنور شاه کشميري، ناشر الجامعة العربية أحسن العلوم گلشن اقبال کراچی

(۱۱۶) العلو للعلی الغفار، محمد بن أحمد الذهبي، تحقيق: أبو محمد أشرف عبد

المقصود، ناشر مكتبة اضواء السلف الرياض، الطبعة الأولى ۱۹۹۵ء

(۱۱۷) عيون الاثر، ابن سيد الناس، ناشر مكتبة القدسي، طبع اول ۱۳۸۰ھ

ف

(۱۱۸) فانی زندگی کے چند ایام، محمد حسن جان، ناشر القاسم اکیڈمی جامعہ ابو ہریرہ نوشہرہ

(۱۱۹) فتح الباري شرح صحيح البخاري، أحمد بن علي بن حجر، تحقيق و تعليق

:عبد العزيز بن باز، محمد فواد عبد الباقي، ناشر قديمی کتب خانہ

(۱۲۰) فتح الباقي على ألفية العراقي، شيخ زكريا الأنصاري،

تحقيق: ماهر ياسين الفحل، عبد اللطيف، ناشر دار الكتب العلمية، الطبعة الأولى

۱۴۲۲ھ

(۱۲۱) فتح الغفار بشرح المنار المعروف بمشكاة الأنوار في أصول المنار لابن

نجيم، ناشر مكتبه اسلاميه ميزان ماركيث كوئٹہ، الطبعة الأولى ۱۴۲۲ھ

(۱۲۲) فتح القدير شرح هدايه، محقق ابن همام، ناشر مكتبه رشيديه سر کی روڈ

كوئٹہ

(۱۲۳) فتح المغيث بشرح الفية الحديث، محمد بن عبد الرحمان السخاوي،

دراسه و تحقيق: عبد الكريم خضير، محمد بن عبد الله، ناشر مكتبة دار

المنهاج، الطبعة الثانية ۱۴۲۸ھ

(۱۲۴) الفتح المبين شرح الأربعين، أحمد بن حجر الهيتمي، ناشر دار احياء التراث

العربي مصر

(۱۲۵) الفصل للوصل المدرج في النقل، أحمد بن علي خطيب بغدادي،

تحقيق: محمود نصار، ناشر دار الكتب العلمية، الطبعة الأولى ۱۴۲۴ھ

(۱۲۶) فتح الملهم، علامہ شبیر احمد عثمانی، تعليق: مفتی رفیع عثمانی، ناشر

مكتبه دار العلوم کراچی، الطبعة الأولى ۱۴۲۴ھ

(۱۲۷) فواتح الرحموت بشرح مسلم الثبوت، عبد العلي محمد بن نظام الدين

الأنصاري، ناشر قديمی کتب خانہ آرام باغ کراچی

(۱۲۸) فوائد جامعہ بر عجلاته نافعہ، عبد الحلیم چشتی، ناشر مير محمد کتب خانہ

کراچی

(۱۲۹) الفوائد البهيه في تراجم الحنفية، محمد عبد الحي الكهنوي، ناشر قديمی

کتب خانہ

(۱۳۰) الفوائد المجموعه في الأحاديث الموضوعة، محمد بن علي

الشوکانی، تحقیق: عبد الرحمان المعلمی، ناشر دار الکتب العلمیہ، الطبعة

۱۴۱۶ھ

(۱۳۱) فیض الباری علی صحیح البخاری، محمد أنور شاه کشمیری، ناشر خضر

راہ بک ڈپو دیوبند الہند

ق

(۱۳۲) القسیدۃ النونیہ، ابن قیم الجوزیہ، ناشر دار الباز مکتہ المکرمہ، دار المعرفہ

بیروت لبنان

(۱۳۳) قفو الاثر فی صفو علوم الأثر، محمد بن إبراهیم بن الحنبلی، تحقیق: عبد

الفتاح أبو غده، ناشر مکتب المطبوعات الإسلامیہ حلب، الطبعة الثانية

۱۴۰۸ھ

(۱۳۴) قواعد فی علوم الحدیث، علامہ ظفر أحمد عثمانی، تحقیق: عبد الفتاح أبو

غده، ناشر مکتبہ ادارة القرآن کراچی

(۱۳۵) القول البدیع فی الصلاة علی الحبيب الشفیع، محمد بن عبد الرحمان

السخاوی، تحقیق: محمد عوامہ، ناشر مکتبہ دار الیسر، الطبعة الثانية ۱۴۲۵ھ

(۱۳۶) القول المبتکر علی شرح نخبة الفکر، قاسم بن قطلوبغا، تحقیق: إبراهیم بن

ناصر الناصر، ناشر دار الوطن، الطبعة الأولى ۱۴۲۹ھ

ک

(۱۳۷) الکاشف فی معرفة من له رواية فی الکتب الستة، محمد بن أحمد

الذهبی، تحقیق و تعلیق: عزت علی عید عطیہ، موسی محمد علی الموشی،

ناشر دار الحدیثیہ، طبع اول ۱۳۹۳ھ

(۱۳۸) الکفایہ فی معرفة أصول الروایة، أحمد بن علی، تحقیق و تعلیق: أبو إسحاق

- ابراہیم بن مصطفیٰ، ناشر دار الہدی میت غمر، الطبعة الأولى ۱۴۲۳ھ
- (۱۳۹) الکامل فی ضعفاء الرجال، أحمد بن عبد الله بن عدي، تحقیق و تعلیق: شیخ عادل أحمد عبد الموجود، شیخ علي محمد معوض، ناشر دار الكتب العلمیه، الطبعة الأولى ۱۴۱۸ھ
- (۱۴۰) كتاب التلخیص فی أصول الفقه إمام الحرمین الجوينی، تحقیق: عبد الله جولم النبالی، بشیر أحمد العمري، ناشر دار البشائر الإسلامیہ، الطبعة ۱۴۱۷ھ
- (۱۴۱) كتاب العلل، محمد بن عبد الرحمان ابن أبي حاتم، تحقیق: أبو علي النظيف، ناشر دار الكتب العلمیه، طبع اول ۱۴۲۷ھ
- (۱۴۲) كتاب المجروحین من المحدثین، محمد بن حبان، تحقیق: حمدي عبد المجید السلفی، ناشر دار الصمیعی، الطبعة الأولى ۱۴۲۰ھ
- (۱۴۳) كشف الاسرار، عبد العزيز بن أحمد البخاري، تحقیق: محمد معتصم بالله البغدادی، ناشر قدیمی کتب خانہ
- (۱۴۴) كشف الأسرار بشرح المنار للنسفی، ناشر قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی
- (۱۴۵) کوثر النبی، عبد العزيز فرهاروي، ناشر مکتبہ قاسمیہ ملتان
- (۱۴۶) الکوکب الدری علی جامع الترمذی، رشید أحمد گنگوہی، ناشر مکتبہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی
- ل
- (۱۴۷) لسان العرب، محمد بن مکرم بن منظور الأنصاري الأفريقي، ناشر ادب الحوزہ قم ایران الطبعة الأولى ۱۴۵۰ھ
- (۱۴۸) لسان المیزان، أحمد بن علي بن حجر، تحقیق و تعلیق: عبد الفتاح أبو غده

، ناشر دار البشائر الإسلامیہ ، الطبعة الأولى ۱۴۲۳ھ

(۱۴۹) لمعات التنقیح شرح مشکات المصابیح ، شیخ سلیم اللہ خان ، ناشر مکتبہ

فاروقیہ شاہ فیصل کالونی نمبر ۴ کراچی ، الطبعة الأولى ۱۴۲۳ھ

م

(۱۵۰) متن الأربعین ، للنووی ، ناشر مکتبہ نور محمد کتب خانہ کراچی

(۱۵۱) المثنوی والبتار فی نحر العنید المعثر الطاعن فیما صح من السنن

والآثار ، أحمد بن محمد الغماري ، ناشر مطبعة الاسلامیہ ازهر ، الطبعة ۱۳۵۲ھ

(۱۵۲) مجموع فتاوی ، امام ابن تیمیہ ، تحقیق : أنور الباز ، عامر الحزار ، ناشر دار

الوفاء ، الطبعة الثالثة ۱۴۲۴ھ

(۱۵۳) المجموع فی الضعفاء والمتروکین ، امام نسائی ، دراسہ و تحقیق : شیخ عبد

العزیز عزالدین السیروانی ، ناشر دار القلم ، الطبعة الأولى ۱۴۰۵ھ

(۱۵۴) المحيط البرهانی فی الفقه النعمانی برهان الدین محمود بن أحمد البخاری ،

تحقیق : أحمد عزو عنایہ ، ناشر المکتبة الغفاریہ کانسی روڈ کوئٹہ

(۱۵۵) المحصول فی أصول الفقه لابن العربی ، تحقیق : حسین علی ، ناشر دار البیاق

اردن ، الطبعة الأولى ۱۴۲۱ھ

(۱۵۶) المحلی بالآثار ابن حزم الظاہری ، تحقیق : عبد الغفار سلیمان بنداری ،

ناشر دار الکتب العلمیہ ، الطبعة الأولى ۱۴۲۳ھ

(۱۵۷) مختصر و شرح و تہذیب لسنن أبي داؤد ، منذری ، علامہ خطابی ، ابن

قیم ، تحقیق : محمد حامد ، ناشر مکتبة السنة المحمدیہ ، الطبعة ۱۳۶۸ھ

(۱۵۸) مختصر الصواعق المرسلہ ، ابن قیم ، ناشر ادارات البحوث العلمیہ والافتاء

والدعوة والإرشاد الرياض ،

(۱۵۹) مختصر العلو للعلی الغفار حافظ ذہبی ، تحقیق و تعلیق : محمد ناصر الدین البانی ، ناشر المكتب الاسلامی ، الطبعة الأولى ۱۴۰۰ھ

(۱۶۰) المدخل إلى مذهب الامام أحمد بن حنبل ، عبد القادر بن بدران ، تحقیق : عبد اللہ بن عبد المحسن التركي ، ناشر مؤسسة الرسالة ، الطبعة الأولى ۱۴۰۰ھ

(۱۶۱) مرقات المفاتيح شرح مشكاة المصابيح ، ملا علی قاری ، ناشر مکتبہ امدادیہ ملتان

(۱۶۲) المسامره شرح المسایره ، ابن أبي شريف ، تحقیق و تخريج : محمود عمر الدمیاطی ، ناشر دار الكتب العلمیہ ، الطبعة الأولى ۱۴۲۳ھ

(۱۶۳) المستدک علی الصحیحین ، امام حاکم النیسابوری ، دراسہ و تحقیق : مصطفى عبد القادر عطا ، ناشر دار الكتب العلمیہ ، الطبعة الثانية ۱۴۲۲ھ

(۱۶۴) المستصفی فی علم الاصول للغزالی ، تحقیق : محمد بن سلیمان الأشقر ، ناشر مؤسسة الرسالہ بیروت لبنان ، الطبعة الأولى ۱۴۱۷ھ

(۱۶۵) مسند أحمد ، امام أحمد بن حنبل ، تحقیق : أسید أبو معاطی ، أحمد عبد الرزاق ، ناشر دار الكتب العلمیہ ، الطبعة الأولى ۱۴۱۹ھ

(۱۶۶) مشاہیر علماء قاری فیوض الرحمان ، ناشر پبلیشننگ فرنیٹر کمپنی اردو بازار لاہور

(۱۶۷) معجم البلدان یاقوت الحموی ، ناشر دار صادر بیروت ، الطبعة الثانية ۲۰۰۷ھ

(۱۶۸) المعجم الكبير ، سلیمان بن أحمد الطبرانی ، تحقیق و تخريج : یبو محمد الأسیوطی ، ناشر دار الكتب العلمیہ ، الطبعة الأولى ۱۴۲۸ھ

- (۱۶۹) معرفة أنواع علم الحديث ، ابن الصلاح ، تحقيق : ماهر يا سين الفحل ، عبد اللطيف ، ناشر دار الكتب العلميه ، الطبعة الأولى ۱۴۲۳ھ
- (۱۷۰) معرفة علوم الحديث ، إمام حاكم النيسابوري ، تصحيح وتعليق : سيد معظم حسين ، ناشر دار الكتب العلميه ، الطبعة الثانية ۱۳۹۷ھ
- (۱۷۱) معارف السنن شرح جامع ترمذی ، علامہ محمد يوسف بنوری ، ناشر مجلس الدعوة و تحقيق الاسلامی کراچی
- (۱۷۲) المفردات والوحدان ، مسلم بن الحجاج ، تحقيق : عبد الغفار سليمان بنداري ، ناشر دار الكتب العلميه ، الطبعة الأولى ۱۴۰۸ھ
- (۱۷۳) مقالات کوثری ، علامہ زاهد الکوثري ، ناشر وحیدی کتب خانہ پشاور
- (۱۷۴) مقدمة في أصول الحديث ، شيخ عبد الحق محدث دهلوي ، تحقيق : سلمان ندوي ، سيد عبد الماجد غوري ، ناشر دار ابن كثير ، الطبعة الأولى ۱۴۲۶ھ
- (۱۷۵) مقدمه صحيح مسلم مع شرح إمام نووي ، إمام مسلم ، تحقيق : محمد فواد عبد الباقي ، ناشر دار الكتب العلميه ، الطبعة الأولى ۱۴۲۳ھ
- (۱۷۶) المغنى ، موفق الدين ابن قدامة ، ناشر دار الفكر
- (۱۷۷) مغنى المحتاج شرح المنهاج ، محمد شربيني ، ناشر مطبعة مصطفى البابي الحلبي ، مصر ، الطبعة ۱۳۷۷ھ
- (۱۷۸) المنتقى الحبار ، عبد الله بن عبد السلام الحراني
- (۱۷۹) منهاج السنة النبوية ، إمام ابن تيميه ، ناشر المطبعة الكبرى الأميرية بولاق مصر ، الطبعة الأولى ۱۳۲۱ھ
- (۱۸۰) المنهل الروي في مختصر علوم الحديث ، بدر الدين بن جماعة ، تحقيق :

- محي الدين عبد الرحمان رمضان، ناشر دار الفكر، الطبعة الثانية ١٤٠٦هـ
- (١٨١) منهج النقد في علوم الحديث، نور الدين عتر، ناشر دار الفكر
- (١٨٢) الموضوعات الكبرى، ملا علي القاري، تحقيق: أبو حاسب محمد سعيد بن بسيوني زغلول، ناشر قديمي كتب خانه
- (١٨٣) الموطأ، للإمام مالك بن أنس، تحقيق وتخریج: بشار عواد معروف، ناشر دار الغرب الاسلامي، الطبعة الثانية ١٤١٧هـ
- (١٨٤) ميزان الاعتدال، علامه ذهبي، ناشر مكتبه رحمانيه لاهور

ن

- (١٨٥) النبراس، عبد العزيز فرهاروي، ناشر مكتبه امداديه
- (١٨٦) النجوم الزاهرة في ملوك مصر والقاهرة، يوسف بن تغمري، ناشر دار الكتب
- (١٨٧) نزاهة النظر، حافظ ابن حجر، تحقيق: نور الدين عتر، ناشر الرحيم اكيڈيمى كراچى، الطبعة الثالثة ١٤٢١هـ
- (١٨٨) نزاهة الخواطر و بهجة المسامع والنواظر، عبد الحي بن فخر الدين، ناشر دائرة المعارف العثمانية حيدر آباد الدكن الهند، الطبعة الأولى ١٣٧٨هـ
- (١٨٩) النكت على كتاب ابن الصلاح، بدر الدين الزركشي، تحقيق: محمد علي سمك، ناشر دار الكتب العلمية، الطبعة الأولى ١٤٢٥هـ
- (١٩٠) النكت على كتاب ابن الصلاح، حافظ ابن حجر، بيع بن هاوي، عمير المدخلي، ناشر مكتبة الفرقان، الطبعة الثالثة ١٤٢٤هـ
- (١٩١) النور السافر عن أخبار القرن العاشر، عبد القادر بن شيخ العيدروس، تحقيق وتعليق: محمود الأرناؤوط، اكرم البوشي، ناشر دار صادر بيروت، الطبعة الثالثة ١٤٢٧هـ

(۱۹۲) نیل الأوطار شرح منتقى الأخبار، محمد بن علي الشوكاني، ناشر مكتبه

دار الحيل بيروت لبنان، الطبعة ۱۳۷۳ھ

و

(۱۹۳) وفيات الأعيان و أنباء أبناء الزمان، ابن خلكان، تحقيق: محمد عبد

الرحمان المرعشي، ناشر دار احياء التراث العربي الطبعة الأولى، ۱۴۱۷ھ

ه

(۱۹۴) هدي الساري مقدمه فتح الباري، حافظ ابن حجر، ناشر قديمی کتب خانہ

آرام باغ کراچی

ضعیف حدیث کی شرعی حیثیت

مولانا محمد انور کوہستانی نے ”ضعیف حدیث کی شرعی حیثیت“ کے عنوان پر مقالہ لکھا ہے، جو لوگ ضعیف حدیث کو موضوع حدیث کا درجہ دیتے ہیں، مقالہ ان کے رد میں ہے۔ جمہور محدثین اور فقہاء نے ہمیشہ ضعیف حدیث سے استدلال کیا ہے، تو اسکو موضوع حدیث کا درجہ کیسے دیا جاسکتا ہے۔ مولانا عبدالماجد رفیق استاد شعبہ تخصص فی علوم الحدیث نے مولانا محمد انور کے مقالہ پر نہایت قیمتی اور جاندار تبصرہ لکھا ہے، احقر اسکی تائید کرتا ہے، اور متفق ہے۔ (شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان صاحب)

پھر خدا بھلا کرے ان فقہاء و محدثین کا، جنہوں نے احادیث رسول ﷺ اگرچہ ضعیف ہی ہوں لیکن اپنے قیاس اور رائے پر اس کو ترجیح دے کر بطور مؤید اور شاہد کے لے لیا، نہ جانے اس میں کونسا گناہ انہوں نے کیا؟ شاہد تمنا عمادی، پرویز غلام، اسلم جیراج پوری، عمر عثمان جیسے تقویٰ اور طہارت سے محروم لوگوں کی رائے نہ لینا ان کا مقدر اور جرم ٹھہرا۔

برادر مکرم مولوی محمد انور نے حدیث ضعیف، اس کے مراتب، احکام شرعیہ میں اس کا درجہ، فضائل میں اس کا مقام پر کھل کر گفتگو کی ہے۔ ”مشک آنست خود بوید۔ نہ آنکہ عطار بگوید“ اہل علم سے میری گزارش ہے کہ حقائق علمیہ کے متلاشی بن کر کتاب کا مطالعہ فرمائیں۔ (مولانا منظور احمد مینگل صاحب)

اس کتاب میں موصوف نے ”حدیث ضعیف“ کی شرعی حیثیت کو بیان کیا ہے۔ فن حدیث سے وابستہ حضرات اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ اس اہم اور دقیق عنوان پر قلم اٹھانا اور راہ اعتدال اختیار کرتے ہوئے افراط و تفریط کے پُر خار راستوں کے درمیان عافیت کے ساتھ دامن بچا کر گزر جانا ناممکن تو نہیں، لیکن انتہائی مشکل، کٹھن اور دشوار ضرور ہے۔

اکابر محدثین، ناقدین اور فن شناس لوگوں کی موجودگی میں ضعیف روایات کے بارے میں نرم رویہ اپنایا گیا تو پھر آج اس طرح کے خواہ مخواہ کے تشدد سے کسی کو کیا سوجھی!! ہماری غرض و منشا ہر گز یہ نہیں کہ صحیح اور حسن درجہ والی روایات کو چھوڑ کر ضعیف الاسناد روایات پر ہی دار و مدار ہو، بلکہ مقصود یہ ہے کہ ضعیف الاسناد روایات کو ان کا وہ مقام دیا جائے جو جمہور علماء اپنے قول و عمل سے دیتے چلے آئے ہیں۔

(مولانا عبدالماجد رفیق)

دوکان نمبر I-B، فضل داد پلازہ، اقبال روڈ، روالپنڈی۔

Ph: 051-5553248, Cell: 0331-5459409

e-mail: akpublishing124@gmail.com

الحمد للہ علیہ